علمی و تحقیقی مجلہ

قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ ؔعَلٰی بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ ؕ سورة یوسف (108)

البصیرة

ششماہی

جلد۳ شمارہ ۵ جون ۲۰۱۴ء

شعبۂ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

علمی و تحقیقی مجلّہ

البصیرۃ

ششماہی

ISSN: 2222-4548

جلد:۳ شمارہ:۵

جون ۲۰۱۴ء

سرپرست اعلیٰ:
میجر جنرل (ر) مسعود حسن
ریکٹر، نمل

سرپرست:
بریگیڈیر اعظم جمال
ڈائریکٹر جنرل، نمل

مدیر:
ڈاکٹر سید عبدالغفار بخاری

شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، پاکستان

ناشر: شعبہ علوم اسلامیہ نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، ایچ نائن، اسلام آباد

طباعت: نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، ایچ نائن، اسلام آباد

جلد:۳ شمارہ:۵

جون ۲۰۱۴ء

تعداد: ۳۰۰

قیمت: اندرون ملک:= / ۳۰۰ روپے بیرون ملک:= / ۱۰ ڈالر

معاونین:

- ڈاکٹر نور حیات
- ارم سلطانہ

خط و کتابت کے لئے ...

ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری

مدیر، مجلہ البصیرۃ

شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، ایچ نائن، اسلام آباد

Ph: 0092 051-925764650 EXT (254)

E-mail: agbukhari@numl.edu.pk

Web-site: www.numl.edu.pk

فہرست موضوعات

- ادارتی پالیسی v
- مقالہ کی اشاعت کیلئے قواعد وضوابط vi
- مجلسِ ادارت (قومی وبین الاقوامی) viii
- مجلسِ مشاورت ix
- شرکاء مقالہ نگار x
- اداریہ xi

اردو مضامین

- فقہ اسلامی میں مقاصد شریعت کے مدارج 1

  ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن / محمد عثمان
- قرآنی اصولوں کی روشنی میں معاشرتی استحکام 29

  ڈاکٹر میمونہ تبسم / پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر
- عدل اجتماعی کے تصورات کا جائزہ و اہمیت 55

  ڈاکٹر آسیہ رشید
- اسلامی ریاست میں غیر مسلم رعایا کے حقوق 83

  ڈاکٹر رانا مطلوب احمد / ڈاکٹر سید علی اَنور
- صلح حدیبیہ: آنحضرت کی ﷺ سیاسی، معاشرتی اور دفاعی حکمت عملی 101

  بریگیڈئیر (ر) ڈاکٹر فضل ربی / ارم سلطانہ

عربی مضامین

- الشهيد وأقسامه مع استعمالاته الخاطئة في العصر الحاضر — 117
  د. محمد الياس
- دورالشباب في العمل الإجتماعي التطوعي — 145
  د. عبدالغفار بخاري
- الإمام ضياء المقدسي ومنهجه في كتابه الأحاديث المختارة — 175
  د. محمد رياض/ساجد محمود
- الشباب المسلم:واجباته ودوره في إصلاح المجتمع — 193
  د. طاهر محمود محمد يعقوب

انگریزی مضامین

- Why do we believe in God? — 1
  Irfan Shahzad
- The Philosophical Perspective in Case of Jihad — 23
  Dr. Atiq-ur-Rehman/
  Dr. Zia ur Rehman

البَصِیْرَۃ : ادارتی پالیسی

البَصِیْرَۃ خالصۃً اسلامی علوم وفنون سے وابستہ تحقیقی مجلہ ہے۔ جو علمی و تحقیقی دنیا کے لئے نمایاں نوعیت کا حامل ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مقالات کے متعلق ادارتی پالیسی حسب ذیل ہے:

- البَصِیْرَۃ میں شائع ہونے والے مقالات کے موضوعات علوم القرآن، علوم الحدیث، علم فقہ واصول فقہ، تقابل ادیان، علم کلام وتصوف، فلسفہ، سائنس، ادب، معاشیات، عمرانیات، سیاسیات، ثقافت وتمدن اور اسی طرح مسلم شخصیات اور اسلامی موضوعات پر لکھی جانے والی کتب (تبصرہ وتعارف) وغیرہ سے متعلق ہونے چاہئیں۔
- البَصِیْرَۃ ایک ششماہی رسالہ ہے یعنی سال میں دو مرتبہ (جون اور دسمبر میں) شائع ہو گا۔
- البَصِیْرَۃ میں اشاعت کی غرض سے بھیجے گئے مقالات کا تجزیہ دو منظور شدہ ماہرین سے کروایا جائے گا۔ جس میں ایک تبصرہ نگار ملکی اور دوسرا غیر ملکی ہو گا۔ ڈی، جی نمل کی منظوری سے مقالہ تجزیہ کے لئے بھیجا جائے گا۔
- البَصِیْرَۃ کی اشاعت کے سلسلہ میں ہائیر ایجوکیشن کمیشن (HEC) کے جملہ قوانین وضوابط لاگو ہوں گے۔
- البَصِیْرَۃ میں مقالہ کی اشاعت کے حوالے سے ادارتی بورڈ کا فیصلہ حتمی ہو گا۔
- البَصِیْرَۃ کی ادارتی مجلس کو ارسال کیے گئے مقالات میں ضروری ترامیم، تنسیخ و تلخیص کا حق حاصل ہو گا۔ مدیر مقالہ نگاروں کو تجزیہ کاروں کی رائے، نیز مقالہ میں مطلوب کسی تبدیلی سے متعلق آگاہ کرے گا۔
- البَصِیْرَۃ ادارہ کا مقالہ نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں، مقالہ میں دی گئی رائے کی ذمہ داری مجلس ادارت یا نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد پر نہیں، بلکہ مقالہ نگار پر ہو گی۔
- البَصِیْرَۃ کو موصول مقالات (شائع ہونے یا نہ ہونے) کسی صورت میں واپس نہیں کئے جائیں گے۔
- البَصِیْرَۃ کی دو عدد کاپیاں شرکاء مقالہ نگاروں کو فراہم کی جائیں گی۔

البصیرۃ میں مقالہ کیلئے قواعد و ضوابط

عمومی قواعد:

۱۔ مقالہ A4 صفحے کے ایک طرف کمپوز اور اس کی طوالت ۲۵ صفحات سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔

۲۔ کمپوزنگ کے سلسلے میں درج ذیل فانٹس کا خیال رکھا جائے:

(i) فصل یا مبحث کے لئے فانٹ سائز:۱۸

(ii) ذیلی فصول کے لئے فانٹ سائز:۱۶

(iii) مقالے کے متن کے لئے فانٹ سائز:۱۴

۳۔ مقالہ کسی اور جگہ شائع شدہ نہ ہو اور نہ ہی کسی اور جگہ اشاعت کے لئے نہ دیا گیا ہو۔

۴۔ مقالہ تحقیق کے اصولوں کے عین مطابق ہونا چاہیے۔ نئی تحقیق پر مبنی اور علمی سرقہ سے خالی ہو۔ نیز مقالہ بنیادی مصادر کے حوالوں سے مزین ہونا چاہیئے۔

۵۔ املاء و انشاء کے رموز و قواعد کا التزام ضروری ہے۔

۶۔ مقالہ کی تین مطبوعہ کاپیاں (Hard copies) اور ایک سافٹ کاپی مطلوب ہو گی۔

۷۔ مقالہ نگار دو سو پچاس (۲۵۰) الفاظ پر مشتمل اپنے مقالہ کا ملخص بحث (Abstract) انگریزی زبان میں مقالہ کے ساتھ فراہم کرے گا۔

۸۔ مقالہ اردو، عربی اور انگریزی زبان میں لکھا جاسکتا ہے۔

۹۔ اغلاط سے حتیٰ الامکان اجتناب کیا جانا چاہیئے۔

ترتیب و تدوین کے قواعد:

تحقیقی مقالہ درج ذیل امور پر مشتمل ہونا چاہیے:

۱۔ خلاصہ (Abstract)

اس میں بالاختصار مضمون کا خلاصہ تحریر کیجیے۔ اور یہ انگریزی زبان میں لکھنا ہو گا۔

۲۔ تعارف (Introduction)

اس میں تحقیق کا مقصد، طریقہ کار، امتیازی خصائص اور مقالے کا تعارف مختصراً پیش کیا جانا چاہیے۔

۳۔ **کلیدی الفاظ (Keywords)**

مقالے سے متعلق موضوع کی مناسبت سے پانچ کلیدی الفاظ شامل کیجیے۔

۴۔ **نتائج (Conclusion)**

مقالہ میں نتائج بحث منطقی ترتیب و تسلسل کے ساتھ پیش کرنے چاہیے۔

۵۔ **بحث (Discussion)**

مقالہ کے اس حصے میں مقالہ نگار اپنے تحقیق سے متعلقہ مواد تفصیلاً پیش کرے گا۔

۶۔ **حوالہ جات (References)**

حوالہ جات دینے کے لئے درج ذیل ہدایات ملحوظ رکھنی چاہیے:

i) حوالہ جات بحث کے آخر میں دیئے جائیں۔

ii) مقالہ کے حواشی اور حوالہ جات کی ترتیب میں شکاگو مینوئل سٹائل (Chicago Manual Style) کو بروئے کار لایا جائے۔

iii) کتاب کا حوالہ دیتے وقت مصنف کا معروف نام، کتاب کا مختصر نام، ناشر اور مقام اشاعت، سن اشاعت وغیرہ اور اس کے بعد صفحہ، جلد نمبر درج کریں۔ مثلاً **ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دار صادر، بیروت، ۱۳۵۴ھ ص:۲/ ۳۱۲**

iv) ایک ہی حوالہ متعدد جگہوں پر دینا مقصود ہو تو اختصار کے اسلوب تحقیق میں معروف رموز و اشارات کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔

v) مقالہ میں موجود تمام قرآنی آیات عربی رسم الخط میں تحریر ہونے چاہیے۔ آیات کا حوالہ دینے کے لئے درج ذیل طریقہ اختیار کیا جائے۔ مثلاً **سورۃ النساء:۴/ ۱۸۴**

vi) تمام احادیث کی تشریح کریں اور اُس کے لئے درج ذیل مثال کو مد نظر رکھیں:

البخاری، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب إفشاء السلام من الإسلام، حدیث نمبر:۲۹، دار السلام، ریاض، ۱۴۱۲ھ، ص:۱/ ۸

vii) مقالہ میں مذکور تمام غیر معروف شخصیات کا مختصر تعارف کروائیں اور اس ضمن میں علم الرجال اور الطبقات کی کتب سے حوالہ جات دیں۔

مجلس ادارت:

(قومی)

- **پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم چوہدری**، وائس چانسلر سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا
- **پروفیسر ڈاکٹر سہیل حسن**، ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد
- **پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی**، ڈین کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
- **پروفیسر ڈاکٹر احمد جان**، صدر شعبہ دعوت واسلامی ثقافت، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
- **پروفیسر ڈاکٹر معراج الإسلام ضیاء**، صدر شعبہ علوم اسلامیہ پشاور یونیورسٹی، پشاور
- **پروفیسر ڈاکٹر دوست محمد**، ڈائریکٹر شیخ زاید اسلامک سنٹر، پشاور یونیورسٹی، پشاور
- **پروفیسر ڈاکٹر حماد لکھوی**، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

(بین الاقوامی)

- **پروفیسر ڈاکٹر احمد یوسف درویش**، پریزیڈنٹ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
- **پروفیسر ڈاکٹر محمد شکری صالح**، ڈائریکٹر اسلامی ترقیاتی مینجمنٹ یو ایس ایم، ملائشیا
- **پروفیسر ڈاکٹر صہیب حسن**، سیکرٹری شریعہ کونسل، لندن، برطانیہ
- **پروفیسر ڈاکٹر محمد حفیظ ارشد**، ڈائریکٹر ہائر لرننگ سنٹر، برطانیہ
- **پروفیسر ڈاکٹر خادم حسین الٰہی بخش**، طائف یونیورسٹی، سعودی عرب
- **پروفیسر ڈاکٹر عبد العزیز بن مبروک الأحمدی**، مدینہ یونیورسٹی، سعودی عرب
- **پروفیسر ڈاکٹر برکات دیب**، ازہر یونیورسٹی، قاہرہ، مصر
- **پروفیسر ڈاکٹر فتح الرحمن القرشی**، اُم درمان اسلامی یونیورسٹی، سوڈان

مجلس مشاورت:

- **پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر**، صدر شعبہ علوم اسلامیہ، سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا
- **پروفیسر ڈاکٹر عطاءاللہ فیضی**، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد
- **پروفیسر بریگیڈیر (ر) واثق احمد**، صدر شعبہ پاک اسٹڈیز، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد
- **پروفیسر ڈاکٹر تاج الدین ازہری**، سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
- **پروفیسر ڈاکٹر مستفیض علوی**، شعبہ علوم اسلامیہ، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور
- **پروفیسر ڈاکٹر فضل ربی**، چیف ایسوسی ایٹس اکیڈیمکس، فاونڈیشن یونیورسٹی، اسلام آباد
- **پروفیسر ڈاکٹر عبدالحمید عباسی**، صدر شعبہ قرآن وتفسیر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
- **پروفیسر ڈاکٹر محمد سجاد**، شعبہ علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
- **پروفیسر ڈاکٹر محمد عبداللہ**، شیخ زید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
- **ڈاکٹر طاہر محمود**، سابق صدر شعبہ ہومینیٹیز، وفاقی اردو یونیورسٹی، اسلام آباد
- **ڈاکٹر محمد الیاس**، شعبہ حدیث، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
- **ڈاکٹر حافظ عبدالقیوم**، شیخ زید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
- **ڈاکٹر محمد ریاض وردگ**، سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ ومطالعہ مذاہب، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ
- **ڈاکٹر عبدالعلی اچکزئی**، صدر شعبہ علوم اسلامیہ، بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ
- **ڈاکٹر خلیق الرحمان**، شعبہ اسلامی فکر وتہذیب، یونیورسٹی آف منیجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور

شرکاء مقالہ نگار

- **ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن**، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، انجینئرنگ یونیورسٹی، لاہور
- **محمد عثمان**، پی ایچ ڈی سکالر، انجینئرنگ یونیورسٹی، لاہور
- **ڈاکٹر میمونہ تبسم**، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ کالج خواتین یونیورسٹی، لاہور
- **پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر**، صدر شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا
- **ڈاکٹر آسیہ رشید**، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد
- **ڈاکٹر رانا مطلوب احمد**، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد
- **ڈاکٹر سید علی انور**، ڈین لسانیات، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد
- **بریگیڈیئر (ر) ڈاکٹر فضل ربی**، چیف ایسوسی ایٹس اکیڈیمکس، فاونڈیشن یونیورسٹی، اسلام آباد
- **ارم سلطانہ**، لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد
- **ڈاکٹر محمد الیاس**، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ حدیث، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
- **ڈاکٹر سید عبدالغفار بخاری**، صدر شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد
- **ساجد محمود**، لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ
- **ڈاکٹر محمد ریاض**، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ
- **ڈاکٹر طاہر محمود**، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، وفاقی اردو یونیورسٹی، اسلام آباد
- **عرفان شہزاد**، لیکچرار، پاک ترک انٹرنیشنل سکولز اینڈ کالجز، اسلام آباد
- **ڈاکٹر عتیق الرحمن**، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، انجینئرنگ یونیورسٹی، لاہور
- **ڈاکٹر ضیاء الرحمن**، لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ،، اسلامی یونیورسٹی، بہاولپور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اداریہ

قارئین کرام کی خدمت میں مجلہ البَصِیْرَۃ کا پانچواں شمارہ پیش کیا جارہا ہے۔ الحمدللہ البَصِیْرَۃ اپنی اشاعت کے تیسرے سال میں کامیابی کے ساتھ داخل ہو چکا ہے۔

یہ امر قابل صد ستائش ہے کہ علمی و تحقیقی حلقوں میں بحمد للہ تعالیٰ البَصِیْرَۃ نے اپنے تحقیقی شماروں کے باعث بہت قلیل مدت میں ایک ممتاز نام و مقام پیدا کیا ہے۔ البَصِیْرَۃ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ گزشتہ عرصہ میں بروقت اشاعت، قومی و بین الاقوامی محققین کی مسلسل دلچسپی اور تحقیقی معیار برقرار رکھنے کی روایت نے البَصِیْرَۃ کو صفِ اول کے مجلات میں لا کھڑا کیا ہے۔ یقیناً یہ علمی سفر ریکٹر نمل میجر جنرل (ر) مسعود حسن اور ڈائریکٹر جنرل نمل بریگیڈیر اعظم جمال کی خصوصی سرپرستی و تعاون سے ممکن ہو سکا ہے۔ جزاھم اللہ خیرا

مزید یہ کہ ادارہ کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ ہائر ایجوکیشن (HEC) کے قائم کردہ کوالٹی اور تحقیقی معیار کو بہر صورت برقرار رکھتے ہوئے اپنا علمی و تحقیقی سفر جاری و ساری رکھے اور بہتر سے بہتر تحقیقی و علمی شہ پارے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرے۔ اس لئے ہماری ارباب دانش و بینش، محققین، اساتذہ کرام و دیگر قارئین سے استدعا ہے کہ وہ عصر حاضر کے علوم اسلامیہ سے متعلقہ اچھوتے اور علمی اہمیت کے حامل جدید مسائل و چیلنجز کا علمی و فکری حل تحقیقی انداز میں پیش کرنے کے لئے ہماری معاونت جاری رکھیں اور معیاری مقالات ارسال کرتے رہیں۔

ادارہ البَصِیْرَۃ کی طرف سے مرتب کئے گئے قواعد و ضوابط کے تحت کوئی بھی مقالہ ماہرین کی جائزہ رپورٹ (Evaluation Report) کے بعد ہی مجلّہ کی زینت بن سکتا ہے۔ انہی ضوابط کی وجہ سے مجلّہ کا علمی پایہ بلند ہوتا ہے۔ ان مقالہ نگاروں سے معذرت، جن کے مقالات اس شمارہ میں شامل نہیں ہو سکے۔

البَصِیْرَۃ کے موجودہ شمارے میں موصول شدہ بیسیوں تحقیقی مقالات میں سے گیارہ مقالات کا پیئر ریویو (Peer Review) کے ذریعے انتخاب کیا گیا ہے، جن میں سے پانچ اردو، چار عربی اور دو انگریزی مقالات شامل کئے گے ہیں۔ یہ مقالات در حقیقت مختلف شعبہ ہائے جات سے وابستہ اسکالرز کی بہترین تحقیقی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔ یہ علمی تحقیق فی الواقع عصر حاضر کے جدید مسائل و چیلنجز کے تعارف اور حل کا ذریعہ بنے گی۔ إن شاء اللہ

قارئین کرام کی سہولت اور بین الأقوامی معیار کے پیش نظر رکھتے ہوئے مجلہ ہذا کے تمام شمارہ جات نمل یونیورسٹی کی ویب سائٹ www.numl.edu.pk پر بھی اَپ لوڈ کئے جارہے ہیں۔

شمارہ ہذا کی طباعت کے سلسلہ میں ریکٹر نمل اور ڈی جی نمل کے تعاون و سرپرستی، اور شرکاء مقالہ نگار اساتذہ و محققین و معاونین کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ البَصِیْرَۃ کو مزید پذیرائی اور مقبولیت عطاء فرمائے، اور ہم سب کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے (آمین)۔

ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری

مدیر البَصِیْرَۃ

فقہ اسلامی میں مقاصد شریعت کے مدارج

The Stages of Objectives of Islamic Shari'ah

ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن*

محمد عثمان **

ABSTRACT

Al-Maqasid (the purposes) is a guide to Islam written by Imam Shatibi in his book "Al-Mowafaq'at". It covers purposes of Islamic faith, Zakat, pilgrimage etc. Maqasid al-Shari'ah is a system of values that could contribute to a desired and sound application of the Shari'ah." This concept has been employed as a legal hermeneutical tool in pre-modern Islamic law at least since 3 H.D. It is based on the idea that Islamic law is purposive in nature, that is, to mean that the law serves particular purposes (e.g., promoting people's benefit and welfare and protecting them from harm) that are either explicitly present in or can be derived from the fountainheads of the sources of Islamic law, namely, the Quran & the Sunnah. Maqasid al-Sharia is also an umbrella term that includes many other concepts that have been closely linked to it in the premodern Islamic tradition, most notably the idea of public interests and unrestricted interests (al-Masalih al-Mursala), as well as other principles such as *istihsan* (juridical preference), istis'hab (presumption of continuity), and avoidance of mischief (all of which are considered to be directives in accordance with Allah's will). Spiritual Principles include: the free right and duty to be aware of and to worship Allah and to search for ultimate truth and justice; the duty to respect the human person, known as the natural principle of personalism; the duty to respect the coherent order of all creation, i.e. ecology and environment; and the duty to respect human community based on the sacredness of each of its members.

Keywords: "Al-Mowafaq'at", Imam Shatibi, Al-Maqasid (the purposes), Islamic law, Al-Shari'ah, Rights, Public Interests

---

* اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، انجینئرنگ یونیورسٹی، لاہور

* پی ایچ ڈی سکالر، انجینئرنگ یونیورسٹی، لاہور

اصولِ فقہ کے ذیلی مباحث میں ایک عنوان **"احکامِ شریعت کے مقاصد اور اس کے مدارج"** کا بھی آتا ہے، موضوع کی اہمیت اور طبعی ترتیب کا تقاضا تھا کہ اسے تمام اصولی موضوعات ومباحث کی تمہید قرار دیاجاتا، یاکم ازکم اصولِ اربعہ، کتاب، سنت، اجماع اور قیاس میں سے اصل رابع، یعنی قیاس کے مباحث کی ابتداء اس سے ہوتی۔ تاکہ وہ مقاصد ومصالح جو شرعی احکام میں ملحوظ رکھے گئے ہیں، ان پر روشنی پہلے پڑتی، اور متعلقہ مسائل کو سمجھنے میں اس سے مدد ملتی۔ لیکن اصولِ فقہ کے ماہرین اس موضوع کو ایک ذیلی وضمنی بحث کے طور پر غالباً اس لیے ذکر کرتے ہیں کہ نصوص میں ان مقاصد کا ذکر یک جاطور پر اور صراحت کے ساتھ کہیں نہیں ملتا۔ حالانکہ ان کا معتبر ہونا اور احکامِ شریعت کا ان کے گرد دائر ہونا ایک ایسی حقیقت ہے، جس کا انکار نہیں کیاجاسکتا۔ اور یہ بات نصوص یعنی قرآنی آیات واحادیث کے استقراءاور تتبع سے ثابت ہے۔

علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الموافقات"(اصولِ فقہ اور اسرارِ شریعت کی ایک جامع کتاب) میں اس موضوع پر بہت زیادہ تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے خود ہی یہ سوال قائم کیاہے کہ جب یہ حقیقت ہے کہ احکامِ شریعت میں مقاصد ومصالح کا لحاظ رکھا گیاہے اور تمام احکام ضروری، حاجیاتی اور تحسینی مصالح کے گرد دائر ہیں، تو پھر اس کا ثبوت تو قطعی دلیل سے ہونا چاہئے۔ کیونکہ یہ مقاصد تو شریعت کی روح اور بنیادی اصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے لکھاہے کہ دراصل شرعی احکام پر تفصیلی نظر ڈالنے سے ان مقاصد کے ملحوظ ہونے کا یقین اسی طرح ہوتا ہے، جس طرح کہ لوگوں کو حاتم کی سخاوت کا یقین ہے، شرعی نصوص کے عموم وخصوص، مطلق ومقید اور دوسرے قرائن سب اس کی تائید کرتے ہیں کہ شریعت میں ان مقاصد کی رعایت رکھی گئی ہے۔ اور تمام تر شرعی احکام کی بنیاد انہیں مقاصد اور کلیات واصول پر ہے اور یہ علم استقرائی ہونے کے باوجود اسی طرح یقینی ہے، جس طرح کہ قدرِ مشترک کے تواتر سے یقینی علم حاصل ہوا کرتا ہے۔ اس لیے کہاجاسکتاہے کہ اس کے ثبوت میں ایک نہیں، بلکہ بہت سے دلائل ہیں۔ اور ان مقاصد کی واقعیت ہر شک وشبہہ سے بالاتر ہے۔[1]

انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل کی دولت سے نوازاہے اور اس کا یہ امتیاز ہی اس کی تکلیف کا مدار اور شرعی احکام کا مخاطب ومکلف ہونے کی بنیاد ہے اور ہمارا عقیدہ ہے کہ باری تعالیٰ حکیم ہے اور حکیم کا کوئی

فعل حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتا اور وہ رؤف ورحیم بھی ہے، اس لیے اس کے ہر فرمان میں انسان کی سعادت اور اس کی بھلائی بھی ملحوظ رکھی گئی ہے، شریعت کے عمومی نصوص سے اس کی نشاندہی ہوتی ہے، حضور اکرم ﷺ کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿ وَمَآ أَرۡسَلۡنَٰكَ إِلَّا رَحۡمَةٗ لِّلۡعَٰلَمِينَ ﴾ (۲)

(ہم نے آپ کو ساری کائنات کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔)

عام دینی احکام کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿مَا يُرِيدُ ٱللَّهُ لِيَجۡعَلَ عَلَيۡكُم مِّنۡ حَرَجٖ وَلَٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمۡ وَلِيُتِمَّ نِعۡمَتَهُۥ عَلَيۡكُمۡ ﴾ (۳)

(اللہ یہ نہیں چاہتا کہ دین میں تم پر تنگی پیدا کرے۔ لیکن وہ چاہتا ہے کہ تمھیں پاک کرے اور تم پر اپنی نعمتوں کو مکمل کر دے۔)

نماز کے بارے میں کہا گیا:

﴿إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ تَنۡهَىٰ عَنِ ٱلۡفَحۡشَآءِ وَٱلۡمُنكَرِۗ ﴾ (۴)

(بے شک نماز بے حیائی کی باتوں اور منکرات سے روکتی ہے۔)

روزہ کی فرضیت کے مقصد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

﴿كُتِبَ عَلَيۡكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُونَ ﴾ (۵)

(تم پر روزہ اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح کہ تم سے پہلے لوگوں پر۔ تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔)

قصاص کی مشروعیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

﴿ وَلَكُمۡ فِي ٱلۡقِصَاصِ حَيَوٰةٞ يَٰٓأُوْلِي ٱلۡأَلۡبَٰبِ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُونَ ﴾ (۶)

(اور تمھارے لیے قصاص میں زندگی ہے، اے عقل والو!)

یہ اور اس طرح کی سینکڑوں آیات اور احادیث ایسی ہیں، جن میں واضح طور پر ان مقاصد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جو شرعی احکام میں ملحوظ رکھے گئے ہیں اور ان "مصالح" کی نشاندہی کی گئی ہے، جن

کا روبہ عمل لانا ان احکام کا مقصود ہے "مقاصد شریعت" کا جاننا ہر شخص کے لیے مفید ہے، شرعی حکم کے ساتھ اگر اس کی مصلحت و حکمت بھی معلوم ہو تو آدمی کے یقین میں اضافہ اور ایمان میں تازگی پیدا ہوتی ہے اور علم الیقین کے بعد حق الیقین کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام غزالی، علامہ عزالدین، ابن عبد السلام، علامہ ابن القیم، علامہ شاطبی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہم نے اسرار شریعت کو اپنا موضوع بنایا اور شرعی احکام کی حکمت سے روشناس کرنے کی کوشش کی ہے۔

علمائے مجتہدین کے لیے اصول وکلیات پر نظر اور شریعت کے مقاصد کو جاننا اور بھی ضروری ہے۔ تاکہ وہ نئے مسائل میں ان مقاصد سے راہنمائی حاصل کر سکیں اور ان نصوص میں جو بظاہر متعارض نظر آتی ہوں، تطبیق دے سکیں اور کسی جزئیہ کا حکم تلاش کرنے میں شریعت کے عمومی مصالح اور مزاج و مقاصد کو فراموش کر کے غلطی کا ارتکاب نہ کر بیٹھیں۔ جہاں تک اس فرسودہ اشکال کا تعلق ہے کہ باری تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض ہیں یا نہیں؟ اور ان مقاصد و مصالح پر زور دینے میں خدا کی ذات کی طرف نقص کا انتساب تو لازم نہیں آئے گا؟ تو یہ بحث اصولِ فقہ کی نہیں، بلکہ علمِ کلام کی ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے گو کہ یہ دعویٰ کیا ہے کہ باری تعالیٰ کے احکام بھی اسی طرح "معلل بالعلۃ" نہیں ہیں، جس طرح کہ اس کے افعال معلل بالاغراض نہیں ہیں۔ لیکن ان کی یہ بات قابل تسلیم نہیں ہے اور جیسا کہ محقق ابن الہمام نے لکھا ہے کہ اکثر فقہائے متاخرین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں بندوں کے مصالح کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے(۷)۔

اشاعرہ اور ارباب ظواہر اگرچہ اس کے قائل ہیں کہ باری تعالیٰ ایسا حکم دے سکتا ہے جس کی کوئی مصلحت نہ ہو۔ لیکن وہ بھی اس بات پر زور دیتے ہیں کہ عملاً جو احکام دیے گئے ہیں، ان میں مصلحت پائی جاتی ہے، احناف اور شوافع میں سے جو لوگ مصالح کو ہی احکام کی علت قرار دیتے ہیں، وہ اس کی توجیہ کرتے ہیں کہ علت سے مراد حکم کی علت ہے، ایسی علت نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کو اس پر ابھارنے والی ہو کہ وہ یہی حکم دے، دوسرا نہ دے۔

جن حضرات نے مصالح کو ہی علت قرار دیا ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حق میں رحیم ہے، وہ شر و فساد کو دور کرتا اور بندوں کی راحت کے لیے حرج اور تنگی کے اسباب کو ختم کرتا ہے، اس لیے اس کا حکم مصلحت سے خالی نہیں ہو سکتا۔ حاصل یہ ہے کہ جس طرح یہ بات زیبا نہیں ہے کہ

اللہ تعالیٰ کے اوپر کوئی بات لازم وواجب کی جائے۔ اسی طرح یہ بات بھی نامناسب ہے کہ اس کے فعل کو بے مقصد اور عبث قرار دیا جائے۔ چنانچہ معتزلہ اور ارباب ظواہر دونوں ہی افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ اور صحیح نقطہ نظر وہی ہے جس کی تائید محقق ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے فقہاء رحمۃ اللہ علیہم نے کی ہے، علامہ انور شاہ کشمیری فرمایا کرتے تھے کہ باری تعالیٰ کے افعال کو معلل بالاغراض کے بجائے معلل بالغایات کہنا چاہئے۔ فیض الباری کے مقدمہ میں شاہ صاحب کے نقطہ نظر کی ترجمانی ان لفظوں میں کی گئی ہے:

ذكرالشيخ ابن الهمام في التحرير:أن الفقهاء والمحدثين أجمعوا على أن افعاله تعالى معللة بالأغراض ولادخل فيه للإستكمال فإن كماليته هى التى استوجبت أن ترتب على أفعاله تلك الأغراض فذاته تعالى لاتخلو في مرتبة من المراتب عن الكمال والصفات من فروع الذات كما يقول ابن الهمام وهو تعبير بديع والأنسب عندى أن تترك لفظ الأغراض وأن افعاله تعالىٰ معللة بالغايات (۸)

"ابن ہمام نے تحریر میں ذکر کیا ہے کہ فقہا اور محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے افعال تو اغراض و مقاصد کی علتوں کے ساتھ ہوتے ہیں، ان کی تکمیل کے مطالبے کا کوئی عمل دخل نہیں، اس کے کمال نے تو لازمی طور پر ان اغراض و مقاصد کو اُس کے افعال کے ساتھ جوڑ دیا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی فروع میں کسی بھی حالت میں کمال اور صفات سے خالی نہیں ہوتا، جیسا کہ ابن ہمام فرماتے ہیں، اور وہ تعبیر بدیع ہے، میرے نزدیک زیادہ مناسب یہ ہے کہ اغراض کا لفظ چھوڑ دیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے افعال اغراض و مقاصد اور نتائج کی علتوں کے ساتھ ہی ہوتے ہیں۔"

اور یہاں ہماری گفتگو کا محور تکوینی افعال نہیں، بلکہ تشریعی احکام ہیں۔ بہر صورت لفظی نزاع خواہ جو بھی قائم کیا جائے، لیکن نصوص کی تعلیل ایک امر واقعہ ہے اور قیاس کے تمام تر مباحث اسی پر قائم ہیں۔ اسی لیے علمائے متاخرین نے تعلیل الاحکام کے موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، جن میں ڈاکٹر محمد مصطفی شلبی کی کتاب "تعلیل الاحکام" قابل ذکر ہے۔ وہ مصالح جن کو بروئے کار لانا شریعت میں ملحوظ رکھا گیا ہے، یا وہ مقاصد جن کو شرعی احکام سے شارع نے پورا کرنا چاہا ہے، علمائے اصول نے استقراء اور تتبع کے بعد ان کی تین قسمیں کی ہیں۔

مقاصد شریعت کے تین مدارج

مقاصد شریعت کے تین مدارج متعین کئے گئے ہیں:

۱۔ ضروری مصالح

۲۔ حاجیاتی مصالح

۳۔ تحسینی مصالح

۱) ضروری مصالح:

اس سے مراد وہ امور ہیں، جن پر انسان کی دینی اور دنیوی زندگی موقوف ہے۔ جن میں خلل واقع ہونے سے نہ صرف انسان کی دنیوی زندگی فساد اور انتشار کا شکار ہوتی ہے، بلکہ آخرت کی زندگی بھی بگڑتی ہے اور ثواب وراحت کے بجائے آدمی عذاب ومصیبت کا مستحق بن جاتا ہے۔

ضروری مصالح کے ذیل میں پانچ چیزوں کی حفاظت شریعت کا مطمحِ نظر اور شرعی احکام کا مقصود ومدعا ہے۔ اور انہی پانچوں کلیات واصول کی حفاظت سے انسان کی دنیوی زندگی کی سلامتی بھی وابستہ ہے۔ اور آخرت میں فوز وفلاح اور سعادات وکامرانی بھی؛ اور وہ درجہ بدرجہ اس طرح ہیں:

۱۔ دین کی حفاظت

۲۔ جان کی حفاظت

۳۔ عقل کی حفاظت

۴۔ نسل کی حفاظت

۵۔ مال کی حفاظت

دین کی حفاظت: اللہ تعالیٰ نے انسان کی صلاح وفلاح کے لیے دین نازل کیا اور انسان کی قوت نظری اور عملی دونوں کی تکمیل کے لیے صحیح عقیدہ اور عبادت کی تلقین کی، اور یہ بات فرض کی کہ آدمی سچے دین سے وابستہ رہے اور دین کی حفاظت کی خاطر جہاد فرض کیا، غلط افکار وعقائد کی ترویج کی ممانعت کی، ارتداد کی سزا متعین کی اور دینِ حق سے پھر جانے پر عقوبت رکھی ہے۔ گو کہ اصولی حیثیت سے فکر وعقیدہ کی آزادی دی ہے۔ لیکن جب یہ آزادی دینِ حق کی راہ میں رکاوٹ بننے لگے، تو پھر فسادِ دین کے سدّباب کا حکم دیا۔ اسلام دین کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔

اسلام انسانی عقائد کو ایمان کے بنیادی ارکان کے ذریعہ دلوں میں پیوست کرتا ہے ،اور یہ عقائد کوئی موروثی یا تقلیدی نہیں، بلکہ معقول اور منطقی دلائل پر مبنی ہیں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے آفاق و انفس کی ایسی کھلی نشانیاں بیان کی ہیں، جنہیں دیکھ کر ایک بندہ فطری طور پر اللہ کی ذات پر ایمان لانے پر مجبور ہوتا ہے اوراس کے قانون کا پابند ہو جاتا ہے۔ اس پابندی کے لیے اسلام بندے کو عبادات کا ایسا کورس دیتا ہے، جن کی بدولت ایمان میں استحکام پیدا ہوتا ہے اوراپنے خالق سے اس کا تعلق مضبوط ہوتا ہے۔اس کے بعد اسلام بندے کو مکلف کرتا ہے کہ وہ جس عقیدے پر ایمان لایا ہے اوراس کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزار رہا ہے اس کی طرف لوگوں کو دعوت بھی دے۔

اسلام کا دعوی ہے کہ یہی دین حق ہے۔اسلام کے علاوہ اور کوئی دین بندے سے قبول نہیں کیاجائے گا۔ دنیا کی درستگی اور آخرت کی کامیابی کے لیے اللہ کا اتارا ہوا یہ نظام حیات ہے، اس کے باوجود اسے اپنانے اور نہ اپنانے میں انسان کو اختیار دیا گیا۔ اسلام کسی پر اپنا عقیدہ کسی پر زبردستی تھوپنے کی اجازت نہیں دیتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَآ إِكۡرَاهَ فِي ٱلدِّينِۖ ﴾ (۹)

(دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں۔)

یہ آیت کریمہ اس پس منظر میں نازل ہوئی کہ چند انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم کی اولاد اب تک یہودی یاعیسائی دین پر تھی، انہوں نے اپنے بچوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا چاہا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی، جس میں انھیں مجبور کرنے سے منع کر دیا گیا۔ اسلام نے غیر مسلموں کو مذہبی آزادی ہی نہیں دی، بلکہ ان کے لیے ایسے قوانین دیئے، جن کے تناظر میں وہ اپنے مذہبی شعائر کو بہ احسن وخوبی انجام دے سکتے ہیں ۔ دین کے تحفظ کی خاطر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ غیر مسلموں کے معبودوں کو برا بھلا نہ کہیں، مبادا کہ وہ جہالت کی بنیاد پر اللہ کو سب وشتم کا نشانہ بنائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَا تَسُبُّواْ ٱلَّذِينَ يَدۡعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ فَيَسُبُّواْ ٱللَّهَ عَدۡوَۢا بِغَيۡرِ عِلۡمٖۗ ﴾ (۱۰)

(اور (ایمان والو!) یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انہیں گالیاں نہ دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے آگے بڑھ کر جہالت کی بنا پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں۔)

لیکن یہ بھی سچائی ہے کہ جب کوئی پوری رغبت کے ساتھ اسلام قبول کرتا ہے، تو اس کے لیے اس بات کی گنجائش نہیں رہتی کہ پھر اس سے پھر جائے۔ یہ تو بہت بڑی غداری ہے، جب بادشاہ کے ساتھ غداری یا محکمہ افواج کے سربستہ رازوں کے افشا پر موت کی سزا دی جاسکتی ہے، تو جو اِنسان اللہ کے نازل کردہ قانون کا پابند بن کر پھر اس کی اطاعت کا قلادہ گردن سے نکال پھینکتا ہے، حالانکہ اسے اپنانے میں اسے اختیار تھا۔ تو ظاہر ہے، ایسے انسان کی سزا موت ہی ہونی چاہیے کہ وہ ایک تو خالق کائنات کے ساتھ غداری کر رہا ہے، تو دوسری طرف سماج میں فکری انتشار کا باعث اور ضعیف الاعتقاد لوگوں کے لیے فتنے کا سبب بن رہا ہے۔ اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ[11]

(جو مرتد ہو جائے اسے قتل کر دو۔)

غرضیکہ اسلام دین حق ہونے کے باجود ہر مذہب کے ماننے والوں کو اپنے اپنے مذہب کے مطابق چلنے کی اجازت دیتا ہے، اس لیے یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اسلام دوسرے مذاہب کو برداشت نہیں کرتا۔ سچائی یہ ہے کہ اسلام ہر انسان کو مذہبی تحفظ فراہم کرتا ہے۔

جان کی حفاظت: اس کرۂ ارض پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور توالد و تناسل کے سلسلہ اور نسلِ انسانی کے وجود اور اس کی بقا اور استمرار کے لیے نکاح کو مشروع قرار دیا ہے، کھانا پانی اور لباس کی وہ مقدار جو جان کی حفاظت کے لیے ضروری ہو اُس کے استعمال کو ضروری قرار دیا، دوسری طرف انسانی جان کو پیش آنے والے خطرات سے باز رہنے کی تلقین کی ہے، خودکشی کو حرام کیا ہے، قتل نفس کی سزا رکھی ہے اور قصاص، دیت اور کفارہ وغیرہ متعین کئے ہیں، تاکہ انسانی جان کی حفاظت کی جاسکے۔

اسلام کی نظر میں ساری جانیں برابر تحفظ کا حق رکھتی ہیں، کھانا، پینا، لباس و پوشاک اور رہائش یہ انسانی زندگی کی بقا کے وسائل ہیں، اسلام انہیں اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے تاکہ جان کی حفاظت ہو سکے، بلکہ بسا اوقات اسلامی حکومت زندگی کے یہ لوازمات فراہم کرنے کی پابند ٹھہرتی ہے، اسی طرح حکومت کی ذمہ داری ہے کہ جان کی حفاظت کے لیے قضا و عدالت، حفاظتی دستوں اور محکمہ افواج کا انتظام کرے۔ اسلام کو جان کی حفاظت اس قدر مطلوب ہے کہ دوسروں پر زیادتی کو حرام ٹھہراتا ہے، چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ کسی فرد کے قتل ناحق کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿أَنَّهُۥ مَن قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِى ٱلْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ ٱلنَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَآ أَحْيَا ٱلنَّاسَ جَمِيعًا﴾[۱۲]

(جو کوئی کسی انسان کو جبکہ اس نے کسی کی جان نہ لی ہو یا زمین میں فساد برپا نہ کیا ہو، قتل کرے تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر ڈالا اور جو کوئی کسی ایک جان کو (ناحق قتل ہونے سے) بچائے تو گویا اس نے تمام انسانوں کی جان بچائی۔)

اور سنن کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا فِي غَيْرِ كُنْهِهِ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ.[۱۳]

(جس نے کسی معاہد (ذمی) کو بغیر کسی وجہِ جواز کے قتل کر دیا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی۔)

ساری مخلوق اگر ایک مومن کے قتل میں شریک ہو جائے, تو سب کی سب جہنم کی حقدار ہو گی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

لَوْ أَنَّ أَهْلَ السَّمَاءِ، وَالْأَرْضِ اشْتَرَكُوا فِي دَمِ مُؤْمِنٍ لَأَكَبَّهُمُ اللَّهُ فِي النَّارِ[۱۴]

(اگر سارے آسمان اور زمین والے ایک مومن کے قتل میں شریک ہوں، تو سب کو اَللہ جہنم میں اوندھے منہ ڈال دے گا۔)

اور اگر کسی نے کسی کو ناحق قتل کر دیا تو اسلام قصاص کے طور پر اسے بھی قتل کر دینے کا حکم دیتا ہے، کہ اگر قاتل کو مقتول کے بدلے قتل کر دیا جائے تو ہزاروں انسانوں کو ڈر لاحق ہو گا اور قتل کی جرأت نہ کر سکیں گے۔ اس طرح لوگوں کی جانیں محفوظ ہوں گی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَكُمْ فِى ٱلْقِصَاصِ حَيَوٰةٌ يَٰٓأُو۟لِى ٱلْأَلْبَٰبِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾[۱۵]

(عقل و خرد رکھنے والو! تمھارے لیے قصاص میں زندگی ہے امید ہے کہ تم بچ سکو۔)

اور اگر غلطی سے کسی کا قتل ہو جاتا ہے جسے "قتل خطا" کہتے ہیں، تو ایسی حالت میں مقتول کے ورثاء کے لیے دیت اور کفارہ طے کیا گیا ہے۔

عقل کی حفاظت: عقل اللہ تعالیٰ کی ایسی نعمت ہے جو اِنسان کو بہت سی دوسری مخلوقات پر امتیاز بخشتی ہے اور وہی اس کے احکامِ شریعت کے مکلف ہونے کی بنا بھی ہے۔ شریعت نے عقل کی حفاظت کی تلقین کی ہے اور اس میں بالیدگی کے لیے علم کو ضروری قرار دیا ہے۔ اور ہر اس چیز سے روکا ہے، جو اِنسان کی عقل کو کمزور کرے، یا زائل کر کے جرم کا ارتکاب کرے۔ اس کی حد متعین کی ہے اور اس کے لیے کوڑوں کی سزا طے کی ہے۔ اسلام عقل کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔

عقل کی بدولت ہی انسان مکلف ٹھہرتا ہے، اسلام عقل سے کام لینے کی تاکید کرتا ہے، عقل کی مادی اور معنوی طریقے سے افزائش پر زور دیتا ہے۔ عقل کی مادی افزائش یہ ہے کہ بہترین اور صحت بخش غذا کا استعمال کیا جائے اور عقل کی معنوی افزائش یہ ہے کہ علم کے ذریعہ عقل میں وسعت پیدا کی جائے، اسلام نے عقل کو خرافات اور اوہام پرستی سے پاک کیا۔ کاہنوں، نجومیوں اور جوتشیوں کے چکروں سے آزادی عطا کی۔ پھر ہر اس کام کو حرام ٹھہرایا، جو انسانی عقل کو متاثر کرے۔ چنانچہ نشہ آور اشیاء کے استعمال پر پابندی لگادی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلْخَمْرُ وَٱلْمَيْسِرُ وَٱلْأَنصَابُ وَٱلْأَزْلَٰمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ ٱلشَّيْطَٰنِ فَٱجْتَنِبُوهُ ﴾ (۱۶)

(ایمان والو! بیشک، شراب، جوا، استھان اور پانسے کے تیر یہ سب شیطانی کام ہیں اس لیے ان سے بچو۔)

عربی میں "خمر" ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو عقل کو ڈھانپ لے، اس طرح اسلام نے تمام نشہ آور چیزوں کو حرام ٹھہرایا تاکہ عقل کی حفاظت ہو سکے۔ اور اس سلسلے میں ضابطہ یہ بیان کیا کہ کسی چیز کی حرمت کا اعتبار اس میں نشہ کے پائے جانے پر ہو گا، چاہے کم مقدار میں استعمال کرنے کی وجہ سے اس میں نشہ نہ بھی پایا جائے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

مَا أَسْكَرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ (۱۷)

(جس چیز کی زیادہ مقدار نشہ لائے اس کی کم مقدار بھی حرام ہے۔)

اور اگر کوئی شراب پیتا ہے تو شریعت نے اس کے لیے بھی حد کی سزا مقرر کی ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شرابی کو اسّی کوڑے مارنے کا حکم صادر کیا تھا۔

نسل کی حفاظت: نسل انسانی کی حفاظت کی خاطر ایک طرف نکاح کو مشروع قرار دیا گیا ہے، تو دوسری طرف نسب کو اختلاط سے بچانے اور عداوت و دشمنی سے روکنے کے لیے زنا کو حرام قرار دیا ہے۔ اسی طرح حدّ قذف متعین کی، تاکہ معاشرہ میں بے حیائی کی باتیں نہ پھیلیں اور نسلِ انسانی شک وشبہ کا شکار نہ ہو اور انسانی جان کی طرح اس کی نسل بھی محفوظ رہے۔

نسب کا مفہوم: نسب کا لغوی مطلب "باپ کی طرف منسوب" کرنا ہے۔ اصطلاحی تعریف یہ ہے:

الْقَرَابَةُ وَهِيَ الِاتِّصَال بَيْنَ إِنْسَانَيْنِ بِالِاشْتِرَاكِ فِي وِلَادَةٍ قَرِيبَةٍ أَوْ بَعِيدَةٍ[۱۸]

(اس سے مراد قرابت ہے اور قرابت دو انسانوں کے مابین پیدائشی تعلق کو کہتے ہیں خواہ وہ تعلق قریب کا ہو یا دُور کا۔)

جواہر الإکلیل میں ہے کہ نسب کا لفظ "معین والد کی طرف منسوب" کرنے پر بولا جاتا ہے۔[۱۹]

نسب صرف 'باپ' کے لئے: قرآنِ کریم میں اس بارے میں صریح حکم آیا ہے:

﴿ ٱدْعُوهُمْ لِءَابَآئِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِندَ ٱللَّهِ ۚ فَإِن لَّمْ تَعْلَمُوٓا۟ ءَابَآءَهُمْ فَإِخْوَٰنُكُمْ فِى ٱلدِّينِ وَمَوَٰلِيكُمْ ۚ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَآ أَخْطَأْتُم بِهِۦ وَلَٰكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴾[۲۰]

(اور اللہ نے تمھارے منہ بولے بیٹوں کو تمھارے حقیقی بیٹے نہیں بنایا، یہ تمھارے زبانی دعوے ہیں، اللہ ہی حق بات کہتا اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ انہیں ان کے حقیقی باپوں سے ہی منسوب کرو، یہی اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف والا طریقہ ہے۔ اگر تمھیں ان کے باپوں کا علم نہ ہو تو پھر یہ تمھارے دینی بھائی یا تمھارے آزاد کردہ غلام ہیں۔)

صحیح بخاری میں ہے کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، کیونکہ انہیں اوائل اسلام میں زید بن محمد رضی اللہ عنہ کہا جاتا تھا[۲۱]۔

صحیح بخاری کی ہی ایک اور حدیث میں ہے:

أَنَّ أَبَا حُذَيْفَةَ وَكَانَ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبَنَّى سَالِمًا وَأَنْكَحَهُ بِنْتَ أَخِيهِ هِنْدَ بِنْتَ الْوَلِيدِ بْنِ عُتْبَةَ وَهُوَ

مَوْلًى لِامْرَأَةٍ مِنْ الْأَنْصَارِ كَمَا تَبَنَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْدًا وَكَانَ مَنْ تَبَنَّى رَجُلًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ دَعَاهُ النَّاسُ إِلَيْهِ وَوَرِثَ مِنْ مِيرَاثِهِ حَتَّى أَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿ اُدْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ ﴾ (۲۲)

(ابو حذیفہ نے، جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ بدر میں شریک ہونے والوں میں سے تھے، سالم کو اپنا 'لے پالک' بیٹا بنا رکھا تھا... جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے زید کو بنایا تھا۔ جاہلیت کا دستور یہ تھا کہ جو جسے اپنا "لے پالک" بنالیتا، لوگ اسی کی طرف اسے منسوب کیا کرتے، اور اسے ہی وارث بنایا جاتا، حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل کر دیا کہ انہیں ان کے باپوں کے نام سے ہی پکارو۔)

نسب و نسل کی اہمیت کے پیش نظر قرآنِ کریم میں اس کے متعلق بعض آیات بھی نازل کی گئی تھیں، بعد میں آیتِ رجم کی طرح ان کی تلاوت کرنا منسوخ قرار دے دیا گیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

إِنَّا كُنَّا نَقْرَأُ فِيمَا نَقْرَأُ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ أَنْ لَا تَرْغَبُوا عَنْ آبَائِكُمْ فَإِنَّهُ كُفْرٌ بِكُمْ أَنْ تَرْغَبُوا عَنْ آبَائِكُمْ (۲۳)

(اپنے باپوں سے اپنی نسبت کو ہٹاؤ مت، جو کوئی اپنے باپ کے علاوہ اپنی نسبت کرے گویا یہ تمھارے کفر کے مترادف ہے۔)

درست نسب کی اسلام میں اہمیت اس قدر زیادہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ (۲۴)

(جو شخص علم رکھنے کے باوجود اپنے آپ کو باپ کے علاوہ دوسرے کی طرف منسوب کرے تو ایسے شخص پر جنت حرام ہے۔)

نبی کریم ﷺ نے ایک فرمان میں نسب میں طعنہ زنی کرنے کو جاہلیت قرار دیا ہے(۲۵)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

مَنْ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ أَوْ اِنْتَمَى إِلى غَيْرِ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ اَلْمُتَتَابِعَة إِلى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (۲۶)

(جو شخص باپ کے سوا یا کوئی غلام اپنے آقا کے سوا دوسرے کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے تو اس پر قیامت قائم ہونے تک متواتر اللہ کی لعنت برستی رہتی ہے۔)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب لعان کی آیات نازل ہوئیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَيُّمَا امْرَأَةٍ أَدْخَلَتْ عَلَى قَوْمٍ مَنْ لَيْسَ مِنْهُمْ، فَلَيْسَتْ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ، وَلَنْ يُدْخِلَهَا اللَّهُ جَنَّتَهُ، وَأَيُّمَا رَجُلٍ جَحَدَ وَلَدَهُ، وَهُوَ يَنْظُرُ إِلَيْهِ، احْتَجَبَ اللَّهُ مِنْهُ، وَفَضَحَهُ عَلَى رُءُوسِ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ (۲۷)

(جو عورت اپنے خاندان میں ایسے بچے کو داخل کرے جو اُن کا نہیں تو اللہ کے ہاں اس کا کوئی حصہ نہیں اور اللہ اسے اپنی جنت میں بھی داخل نہ کرے گا۔ ایسے ہی جو شخص اپنے بیٹے سے انکار کر دے حالانکہ اسے معلوم ہے کہ وہ اس کا بیٹا ہے تو اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس سے پردہ کرلے گا، اور اگلوں پچھلوں میں اسے رسوا کرے گا۔)

مندرجہ بالا قرآنی آیات اور احادیثِ نبویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں نسب کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور نسب کو غلط یا خلط ملط کرنے کی شدید مذمت پائی جاتی ہے۔ ان سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ اسلام کی رو سے نسب اور نسل صرف باپ کے لئے مخصوص ہے اور یہ نسب ماں کی طرف سے نہیں چلتا۔

فقہا کا نقطہ نظر

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب 'احکام القرآن' میں لکھتے ہیں:

فَكَانَ مَعْقُولًا فِي كِتَابِ اللَّهِ: أَنَّ وَلَدَ الزِّنَا لَا يَكُونُ مَنْسُوبًا إِلَى أَبِيهِ: الزَّانِي بِأُمِّهِ. لِمَا وَصَفْنَا: مِنْ أَنَّ نِعْمَتَهُ إِنَّمَا تَكُونُ: مِنْ جِهَةِ طَاعَتِهِ لَا: مِنْ جِهَةِ مَعْصِيَتِهِ (۲۸)

(کتاب اللہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ولد الزنا کو اُس کے باپ سے منسوب نہ کیا جائے کیونکہ اولاد اللہ کی نعمت ہے اور یہ نعمت اللہ کی اطاعت کے نتیجے میں ملتی ہے نہ کہ نافرمانی پر۔)

امام ابو بکر جصاص حنفی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب 'احکام القرآن' میں لکھتے ہیں:

فَالْمِيرَاثُ إِنَّمَا يَتَعَلَّقُ حُكْمُهُ بِثُبُوتِ النَّسَبِ مِنْهُ لَا بِأَنَّهُ مِنْ مَائِهِ، أَلَا تَرَى أَنَّ وَلَدَ الزِّنَا لَا يَرِثُ الزَّانِيَ لِعَدَمِ ثُبُوتِ النَّسَبِ وَإِنْ كَانَ مِنْ

مَائِهِ[۲۹]

(وراثت کا تعلق نسب کے ثابت ہونے سے ہے، نہ کہ اس بنا پر کہ بچہ اس کے نطفہ سے ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ولد الزنا زانی کا وارث نہیں بن سکتا، کیونکہ اس کا نسب اس سے ثابت نہیں ہے باوجود اس کے، کہ وہ اس کے نطفہ سے ہے۔)

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی "المبسوط" میں لکھتے ہیں:

رَجُلٌ أَقَرَّ أَنَّهُ زَنَى بِامْرَأَةٍ حُرَّةٍ، وَأَنَّ هَذَا الْوَلَدَ ابْنُهُ مِنْ الزِّنَا، وَصَدَّقَتْهُ الْمَرْأَةُ) فَإِنَّ النَّسَبَ لَا يَثْبُتُ مِنْ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِقَوْلِهِ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – «الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ»، وَلَا فِرَاشَ لِلزَّانِي، وَقَدْ جَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – حَظَّ الزَّانِي الْحَجَرَ فَقَطْ وَقِيلَ هُوَ إشَارَةٌ إلَى الرَّجْمِ وَقِيلَ هُوَ إشَارَةٌ إلَى الْغَيْبَةِ كَمَا يُقَالُ لِلْغَيْبَةِ الْحَجَرُ أَيْ هُوَ غَائِبٌ لَا حَظَّ لَهُ، وَالْمُرَادُ هُنَا أَنَّهُ لَا حَظَّ لِلْعَاهِرِ مِنْ النَّسَبِ وَبَقِيَ النَّسَبُ مِنْ الزَّانِي حَقُّ الشَّرْعِ إمَّا بِطَرِيقِ الْعُقُوبَةِ؛ لِيَكُونَ لَهُ زَجْرًا عَنْ الزِّنَا إذَا عَلِمَ أَنَّ مَاءَهُ يَضِيعُ بِهِ [۳۰]

(کسی آدمی نے اس امر کا اعتراف کر لیا کہ اس آزاد عورت سے زنا کے نتیجے میں اس کا یہ بیٹا پیدا ہوا ہے اور اس بات کی عورت نے بھی تصدیق کر دی تو ان دونوں میں سے کسی کی بات پر نسب ثابت نہیں ہو گا، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: بچہ بستر کے مالک کا ہے اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔ چونکہ زانی کا یہ بستر نہیں، اس لئے اللہ کے رسول ﷺ نے زانی کے لیے بدلہ میں صرف پتھر رکھے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ اس میں زانی کے رجم کی طرف اشارہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں کچھ نہ ملنے کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ عربی میں حجر اس کے لیے بولا جاتا ہے جس کا کوئی حصہ نہ ہو۔ مراد یہ کہ زانی کا نسب میں کوئی حصہ / حق نہیں ہے۔ زانی سے نسب کا یہ حق لینا شرعی عقوبت کی بنا پر ہے، تاکہ زانی کو اِس امر کی تنبیہ کر دی جائے کہ تیرا نطفہ ضائع ہی جائے گا۔)

امام ابن حزم ظاہری رحمۃ اللہ علیہ اپنی معروف کتاب "المحلّٰی بالآثار" میں لکھتے ہیں:

وَالْوَلَدُ يلْحقُ فِي النِّكَاحِ الْصَّحِيْحِ [۳۱]

(بچے کا صحیح نکاح کے نتیجے میں ہی (باپ سے) الحاق کیا جائے گا۔)

کویت میں ۴۵ جلدوں میں تیار ہونے والے الموسوعۃ الفقہیۃ میں ہے:

ذَهَبَ الْفُقَهَاءُ إِلَى أَنَّهُ لاَ يَثْبُتُ النَّسَبُ بِالزِّنَا مُطْلَقًا (۳۲)

(فقہا کا اس امر پر اتفاق ہے کہ زنا سے نسب مطلقاً ثابت نہیں ہوتا۔)

شریعت نے نکاح کے بغیر صرف نطفہ کی بنا پر نسب کا اعتبار نہیں کیا!!

واضح رہنا چاہئے کہ اسلام نے چودہ سو برس قبل اس بات کی شہادت دے دی تھی کہ بچے کی ولادت میں ماں اور باپ دونوں کے جرثوموں کا کردار ہوتا ہے۔ جدید سائنس بڑی تحقیق کے بعد کچھ عرصہ قبل اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ دونوں کے جرثوموں کے اشتراک سے زائیگوٹ یعنی 'نطفہ امشاج' تیار ہوتا ہے (۳۳)۔ اور جسے برتری / سبقت حاصل ہو جائے، بچے میں زیادہ مشابہت بھی اسی کی پائی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں حضرت اُمّ سلیم کا نبی کریم ﷺ سے مکالمہ کتبِ حدیث میں موجود ہے:

أَنَّهَا سَأَلَتْ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَرْأَةِ تَرَى فِي مَنَامِهَا مَا يَرَى الرَّجُلُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا رَأَتْ ذَلِكَ الْمَرْأَةُ فَلْتَغْتَسِلْ» فَقَالَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ: وَاسْتَحْيَيْتُ مِنْ ذَلِكَ، قَالَتْ: وَهَلْ يَكُونُ هَذَا؟ فَقَالَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «نَعَمْ، فَمِنْ أَيْنَ يَكُونُ الشَّبَهُ؟ إِنَّ مَاءَ الرَّجُلِ غَلِيظٌ أَبْيَضُ، وَمَاءَ الْمَرْأَةِ رَقِيقٌ أَصْفَرُ، فَمِنْ أَيِّهِمَا عَلَا، أَوْ سَبَقَ، يَكُونُ مِنْهُ الشَّبَهُ (۳۴)

(اُنہوں نے نبی ﷺ سے عورت کے اس خواب کے بارے میں دریافت کیا جو وہ مرد کی طرح دیکھتی ہے (یعنی احتلام) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب عورت بھی ایسا خواب دیکھے تو غسل کرے۔ اُمّ سلیم کہتی ہیں کہ مجھے اس پر بڑی شرم آئی اور میں نے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی! کیا عورتوں میں بھی ایسا ہوتا ہے (یعنی احتلام) تو آپ ﷺ نے جواب دیا: بالکل ورنہ (عورت سے بچے کی) مشابہت کا کیا مطلب؟ آدمی کا پانی گاڑھا سفید ہوتا ہے اور عورت کا پتلا زرد، ان میں سے جس کی خصوصیات غالب آجاتی ہیں، بچہ اسی سے مشابہ ہوتا ہے۔)

یہودیوں کے عالم عبد اللہ بن سلام کو جب نبی کریم ﷺ کے مدینہ تشریف آوری کی خبر ہوئی تو آپ نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ مجھے تین باتوں کا جواب دیں، کیونکہ ان کا جواب صرف ایک نبی

ہی دے سکتا ہے۔ تیسرا سوال یہ تھا کہ بچہ ماں یا باپ سے مشابہ کیوں ہوتا ہے؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

وَأَمَّا الْوَلَدُ فَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَ الْمَرْأَةِ نَزَعَ الْوَلَدَ وَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الْمَرْأَةِ مَاءَ الرَّجُلِ نَزَعَتْ الْوَلَدَ [۳۵]

(جہاں تک بچے کے بارے میں سوال کا تعلق ہے تو جب آدمی کا پانی عورت پر سبقت کر جاتا ہے، بچے کی اُس سے مشابہت ہو جاتی ہے اور جب عورت کا پانی سبقت کر جائے تو بچہ اُس کے مشابہ پیدا ہوتا ہے۔)

یہ جوابات سن کر عبد اللہ بن سلام' اسلام لے آئے۔

اس موضوع پر بکثرت احادیث ملتی ہیں، جس میں ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ اگر مرد کے پانی کا غلبہ ہو جائے تو بچہ کی مشابہت اپنے چچاؤں سے ہوتی ہے، بصورتِ دیگر اپنے ماموں وغیرہ سے [۳۶]۔

ان احادیث سے یہ تو پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس امر کا علم دیا تھا کہ بچے کی والدین سے مشابہت کی حقیقی اور ٹھوس طبعی بنیادیں موجود ہیں، لیکن اس امر کا تعین ہو جانے کے باوجود آپ ﷺ نے مختلف واقعات میں اس مشابہت کی بنیاد پر نسب کو ثابت نہیں کیا، بلکہ اس طبعی امر پر شرعی حیثیت کو ہی غالب قرار دیا۔ بلکہ شریعت میں تو یہاں تک احتیاط موجود ہے کہ جہاں نکاح موجود ہو، وہاں صرف مشابہت کی بنا پر شکوک وشبہات اور وسوسوں کو راہ دینا مناسب نہیں۔ جیسا کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ کے پاس یہ شکایت کی کہ میرے ہاں سیاہ رنگ کا بچہ پیدا ہوا ہے۔ تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: تمھارے پاس اونٹ ہیں، ان کا رنگ کیا ہے؟ اُس نے جواب دیا: سرخ۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا اس میں بھورے رنگ کا بھی ہے؟ اس نے جواب دیا: ہاں، آپ ﷺ نے پوچھا: وہ کہاں سے آگیا؟ اس نے کہا: شاید کہ اس نے کسی پچھلے اونٹ کی خصوصیت کھینچ لی ہو۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: فلعل ابنك هذا نزعه [۳۷] (شاید کہ تمھارے اس بیٹے نے (بھی تمھارے بڑوں میں کسی کی خصوصیت) کھینچ لی ہو۔) یعنی نبی کریم ﷺ نے اس کی بنا پر اسے شک وشبہ میں پڑنے سے روک دیا، اور اسے اجازت نہ دی کہ اس بنا پر وہ اپنے بیٹے سے انکار کرے۔

مال کی حفاظت: مال بھی اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے، انسان کی زندگی کا قیام ونظام اسی سے وابستہ ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایک طرف مال کمانے کی اجازت دی اور اس کے لیے جدوجہد اور سعی کا حکم دیا

تو دوسری طرف بیع وشراء اور اجارہ وعاریت وغیرہ کو مشروع قرار دیا۔ تاکہ مال کی حفاظت کا فریضہ انجام دیا جاسکے۔

یہ پانچوں امور ان اصول وکلیات میں سے ہیں جو دینِ حق کے بنیادی مقاصد قرار دیے گئے ہیں، اور دنیا کی دوسری شریعتوں اور صالح قوانین میں بھی کسی نہ کسی حد تک ان امور کی رعایت رکھی گئی ہے۔ لیکن جس جامعیت کے ساتھ اسلام نے ان امور کی حفاظت پر زور دیا ہے اور اس کے لیے قوانین وضع کئے ہیں وہ اس کا ہی امتیاز ہے، یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ انسان کا اس دنیا میں وجود محض اس لیے کہ اس کی جان کی حفاظت کی جائے، یا اس کی عقل اور مال کی حفاظت کی جائے، ایک فعلِ عبث ہے۔ چنانچہ یہ چیزیں اسلام میں آخرت کی زندگی سے مربوط ہیں، انسان کا وجود اس کائنات میں اس لیے مطلوب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبودیت کا حق ادا کرے اور آخرت کی زندگی کی سعادت کے لیے خود کو تیار کرے۔ البتہ جب تک وہ اس دنیا میں رہے اس وقت تک اس کی جان، مال، عزت اور عقل سب کی حفاظت کی ضمانت ان شرعی احکام میں مضمر ہے، جو اسلام نے دیے ہیں۔

یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ ان پانچوں اصولوں میں جو زیادہ اہم ہو، اُس کی خاطر اس سے کمتر اصولوں کو قربان کیا جائے گا۔ مثلاً اگر دین کی حفاظت کی خاطر جان دینے کی ضرورت ہو تو اس سے دریغ نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی کا مال لے کر کھانے سے جان کی حفاظت ممکن ہو، تو جان کی حرمت کو مال کی حرمت پر مقدم رکھا جائے گا۔ جن مقاصد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ شرعی احکام کا دارومدار ان کی تکمیل پر ہے۔ ان کا ذکر کرتے ہوئے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

> وَمَقْصُودُ الشَّرْعِ مِنَ الْخَلْقِ خَمْسَةٌ: وَهُوَ أَنْ يَحْفَظَ عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ، وَنَفْسَهُمْ، وَعَقْلَهُمْ، وَنَسْلَهُمْ، وَمَالَهُمْ، فَكُلُّ مَايَتَضَمَّنُ حِفْظَ هٰذِهِ الْأُصُولِ الْخَمْسَةِ فَهُوَمَصْلَحَةٌ، وَكُلُّ مَايُفَوِّتُ هٰذِهِ الْأُصُولَ فَهُوَ مَفْسَدَةٌ، وَ دَفْعُهَا مَصْلَحَةٌ[۳۸]
>
> (خلق کے بارے میں شریعت کے مقاصد پانچ ہیں اور وہ یہ ہیں کہ اس کے دین، اس کی جان، اس کی عقل، اس کی نسل اور اس کے مال کی حفاظت کی جائے۔ پس ہر وہ بات جو اِن اصولِ خمسہ کی حفاظت کی ضامن ہو وہ ''مصلحت'' قرار پائے گی اور ہر وہ چیز جو اِن پانچوں امور کی حفاظت میں مخل ہو وہ ''مفسدہ'' قرار پائے گی اور اس کا ازالہ ''مصلحت'' ہو گا۔)

پھر فرماتے ہیں:

هَذِهِ الْأُصُول الْخَمْسَةُ حِفْظُهَا وَاقِعٌ فِی رُتْبَةِ الضَّرُوْرِيَّاتِ فَهِیَ أَقْوَى الْمَرَاتِبِ فِي الْمَصَالِحِ ومثاله قضاء الشرع بقتل الكافر المضل وعقوبة المبتدع الداعی إلى بدعته فإن هذا يفوت على الخلق دينهم وقضاؤه بإيجاب القصاص أدبه حفظ النفوس وإيجاب حد الشرب إذ به حفظ العقول التی هی ملاك التكليف وإيجاب حد الزنا إذ به حفظ النسل والأنساب وإيجاب زجر الغصاب والسراق إذ به يحصل حفظ الأموال التی هی معاش الخلق وهم مضطرون إليها وتحريم تفويت هذه الأصول الخمسة والزجر عنها يستحيل أن لاتشتمل عليه ملة من الملل وشريعة من الشرائع التی أريد بهاإصلاح الخلق [۳۹]

(ان پانچوں اصول کی حفاظت ضروریات میں سے ہے، جو مصالح کا سب سے قوی ترین درجہ ہے۔ اور اس کی مثال یہ ہے کہ شریعت نے ایسے کافر کے قتل کا حکم دیا ہے جس کا کفر دوسروں تک متعدی ہو۔ اسی طرح ایسے بدعتی کی سرزنش کا حکم دیا ہے جو اپنی بدعت کی طرف لوگوں کو دعوت دے۔ کیونکہ اس سے خلق دین کی حفاظت کا مقصد متاثر ہوتا ہے اور شریعت نے قصاص کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ جان کی حفاظت ممکن ہے اور شراب پینے کی حد متعین کی ہے کہ عقول کی حفاظت کی جاسکے، جو انسان کی تکلیف کا مدار ہے اور حد زنا متعین کی تاکہ اس کے ذریعہ نسل اور نسب کی حفاظت کی جاسکے اور چوروں اور غاصبوں کی سزا متعین کی ہے۔ تاکہ لوگوں کے مال کی حفاظت کی جاسکے، جس سے خلق کا معاش وابستہ ہے اور لوگوں کو اِس کی احتیاج ہے، یہ پانچوں ایسے امور ہیں، جن کی حفاظت کا خیال نہ رکھنا کسی ایسی ملت و شریعت میں ممکن نہیں، جو خلق کی اصلاح کے لیے نازل کی گئی ہو۔)

۲) حاجیاتی مصالح

شریعت کے مقاصد و مصالح کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ انسانی زندگی سے تنگی اور مشقت کو دور کیا جائے۔ گویا ان مصالح و تحقیق پر دنیوی واخروی زندگی موقوف تو نہیں ہے۔ لیکن دفع حرج و مشقت کے لیے ان کی رعایت ضروری ہے، مثال کے طور پر سفر میں نماز کو قصر کے ساتھ پڑھنے کی اجازت۔ اسی طرح

رمضان میں مریض اور مسافر کے لیے روزہ نہ رکھنے کی اجازت، یا قیام پر قدرت نہ رکھنے والے شخص کے لیے اس بات کی اجازت کہ وہ بیٹھ کر نماز ادا کرے، حیض ونفاس میں مبتلا عورت کے لیے نماز نہ پڑھنے کی تاکید اور سفر وحضر میں خفین پر مسح کرنے کی اجازت وغیرہ ایسے احکام ہیں جو شرعی مقاصد ومصالح کی اس دوسری قسم کے ذیل میں آتے ہیں۔

اسی طرح قرض لین دین کی اجازت، کسی دوسرے کی طرف سے حقوق کے بارے میں ضامن وکفیل بننے کی اجازت، ضرورت پڑنے پر بیع کو فسخ کرنے اور نکاح کے رشتہ کو طلاق کے ذریعہ ختم کرنے کی اجازت بھی اسی ذیل میں آتی ہے، جیسا کہ حدود وعقوبات کے مسائل ہیں، مقتول کے ولی کو اِس بات کا حق کہ وہ قصاص معاف کردے، یا دیت میں تخفیف کردے، یا بعض حالات میں دیت کی بجائے قاتل کے اس کے اقارب واصدقاء یا عاقلہ پر وجوب، یہ ساری چیزیں اسی لیے مشروع کی گئی ہیں، تاکہ حرج اور مشقت کو دور کیا جائے۔ علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وَأَمَّا الْحَاجِيَّاتُ، فَمَعْنَاهَا أَنَّهَا مُفْتَقَرٌ إِلَيْهَا مِنْ حَيْثُ التَّوْسِعَةِ وَرَفْعِ الضِّيقِ الْمُؤَدِّي فِي الْغَالِبِ إِلَى الْحَرَجِ وَالْمَشَقَّةِ اللَّاحِقَةِ بِفَوْتِ الْمَطْلُوبِ، فَإِذَا لم تراع دخل علتي الْمُكَلَّفِينَ–عَلَى الْجُمْلَةِ–الْحَرَجُ وَالْمَشَقَّةُ، وَلَكِنَّهُ لَا يَبْلُغُ مَبْلَغَ الْفَسَادِ الْعَادِيِّ الْمُتَوَقَّعِ فِي الْمَصَالِحِ الْعَامَّةِ.وَهِيَ جَارِيَةٌ فِي الْعِبَادَاتِ، وَالْعَادَاتِ، وَالْمُعَامَلَاتِ، وَالْجِنَايَاتِ: فَفِي الْعِبَادَاتِ: كَالرُّخَصِ الْمُخَفَّفَةِ بِالنِّسْبَةِ إِلَى لحوق المشقة بالمرض وَالسَّفَرِ، وَفِي الْعَادَاتِ كَإِبَاحَةِ الصَّيْدِ وَالتَّمَتُّعِ بِالطَّيِّبَاتِ مِمَّا هُوَ حَلَالٌ، مَأْكَلًا وَمَشْرَبًا وَمَلْبَسًا وَمَسْكَنًا وَمَرْكَبًا، وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ.وَفِي الْمُعَامَلَاتِ، كَالْقِرَاضِ، وَالْمُسَاقَاةِ، وَالسَّلَمِ، وَإِلْقَاءِ التَّوَابِعِ فِي الْعَقْدِ عَلَى المتبوعات، كمثرة الشَّجَرِ، وَمَالِ الْعَبْدِ.وَفِي الْجِنَايَاتِ، كَالْحُكْمِ بِاللَّوْثِ، وَالتَّدْمِيَةِ، وَالْقَسَامَةِ، وَضَرْبِ الدِّيَةِ عَلَى الْعَاقِلَةِ، وَتَضْمِينِ الصُّنَّاعِ (۴۰)

(حاجیات سے مراد وہ مصالح ہیں، جن کی ضرورت تنگی کو دور کرنے اور حرج ومشقت کو رفع کرنے کے لیے پیش آئے اور اگر ان کی رعایت نہ رکھی جائے تو مکلفین کی زندگی مشقت کی وجہ سے دوبھر ہوجائے۔ لیکن اس طرح کا فساد متصور نہ ہو، جو ضروری مصالح

کو نظر انداز کرنے سے برپا ہوتا ہے "حاجیات" کا خانہ بھی عبادات، عادات، معاملات اور جنایات سب کو عام ہے۔ چنانچہ عبادات میں اس کی مثال وہ رخصتیں ہیں جو مشقت لاحق ہونے کے اندیشہ سے دی گئی ہیں، جو مرض یا سفر کی وجہ سے پیش آتی ہیں۔اور عادات میں شکار کا حلال ہونا، پاکیزہ اور حلال چیزوں سے استفادہ کرنے کی اجازت شامل ہے۔ خواہ اس کا تعلق کھانے پینے کی چیزوں سے ہو یا لباس و مسکن اور سواری وغیرہ سے اور معاملات میں اس کی مثال مضاربت، مساقاۃ اور مسلم وغیرہ کی اجازت ہے اور جنایات میں قسامت اور عاقلہ پر دیت کا وجوب اور ضائع شدہ مال کی ضمانت وغیرہ اس کی مثال ہے۔

۳) تحسینی مصالح

مصالح و مقاصد کا تیسرا درجہ تحسینی اور کمالیاتی مصالح ہیں، جن کی رعایت پر نہ تو زندگی موقوف ہو اور نہ ان کی عدم رعایت سے حرج اور مشقت ہی کا اندیشہ ہو، بلکہ ان کا تعلق اخلاق وعادات اور زندگی کے آداب سے ہو، یعنی مروت اور عقل انسانی کا تقاضا ہو کہ ان مصالح کا تحقق مستحسن ہے اور فطرتِ سلیمہ اس کا تقاضا کرتی ہے کہ انسانی معاشرہ میں یہ خصلتیں پائی جائیں اور انسانی زندگی ان خوبیوں سے آراستہ ہو، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول:

الرُّتْبَةُ الثَّالِثَةُ: مَا لَا يَرْجِعُ إِلَى ضَرُورَةٍ وَلَا إِلَى حَاجَةٍ وَلَكِنْ يَقَعُ مَوْقِعَ التَّحْسِينِ وَالتَّزْيِينِ وَالتَّيْسِيرِ لِلْمَزَايَا وَالْمَزَائِدِ وَرِعَايَةِ أَحْسَنِ الْمَنَاهِجِ فِي الْعَادَاتِ وَالْمُعَامَلَاتِ[۴۱]

(تیسرا درجہ (مصالح کا) جو نہ "ضرورت" کے خانہ میں آتا ہو اور نہ "حاجت" کے۔ لیکن اس کا شمار ان امور میں ہوتا ہو، جنھیں تحسین و تزئین، آسانی اور اضافے کے لیے اختیار کیا جاتا ہے اور عادات و معاملات میں جس کی رعایت مستحسن سمجھی جاتی ہے۔)

عبادات میں نفلی نمازیں، نفلی روزے، نفلی صدقات کو اِس کی مثال قرار دیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح طہارت، ستر عورت وغیرہ کے حکم کو بھی فقہاء نے اسی ذیل میں شمار کیا ہے، بیع و شراء میں ناپاک چیزوں کی خرید و فروخت کی ممانعت، کھانے پینے میں پاکیزہ چیزوں کا اہتمام اور خبائث سے اجتناب، عقوبات میں لاش کو مثلہ کرنے کی ممانعت اور عورتوں اور بچوں وغیرہ کے قتل سے اجتناب کا حکم بھی اسی ذیل میں آتا ہے، علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ مصالح کی اس قسم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَأَمَّا التَّحْسِينَاتُ، فَمَعْنَاهَا الْأَخْذُ بِمَا يَلِيقُ مِنْ مَحَاسِنِ الْعَادَاتِ، وَتَجَنُّبُ الْمُدَنِّسَاتِ الَّتِي تَأْنَفُهَا الْعُقُولُ الرَّاجِحَاتُ، وَيَجْمَعُ ذَلِكَ قِسْمُ مَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ فِي الْعِبَادَاتِ، كَإِزَالَةِ النَّجَاسَةِ وَبِالْجُمْلَةِ الطَّهَارَاتُ كُلُّهَا وَسَتْرِ الْعَوْرَةِ، وَأَخْذِ الزِّينَةِ، وَالتَّقَرُّبِ بِنَوَافِلِ الْخَيْرَاتِ مِنَ الصَّدَقَاتِ وَالْقُرُبَاتِ، وَأَشْبَاهِ ذَلِكَ. وَفِي الْعَادَاتِ، كَآدَابِ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ، وَمُجَانَبَةِ الْمَآكِلِ النَّجِسَاتِ وَالْمَشَارِبِ الْمُسْتَخْبَثَاتِ، وَالْإِسْرَافِ وَالْإِقْتَارِ فِي الْمُتَنَاوَلَاتِ. وَفِي الْمُعَامَلَاتِ، كَالْمَنْعِ مِنْ بَيْعِ النَّجَاسَاتِ، وَفَضْلِ الْمَاءِ وَالْكَلَأِ، وَفِي الْجِنَايَاتِ، كَمَنْعِ قَتْلِ الْحُرِّ بِالْعَبْدِ، أَوْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ وَالرُّهْبَانِ فِي الْجِهَادِ (۴۲)

(تحسینیات سے مراد اچھی عادتوں کا اختیار کرنا اور ان امور واحوال سے اجتناب ہے جنھیں عقل سلیم ناپسند کرتی ہو اور ان سب کے مجموعہ کو مکارم اخلاق سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، عبادات میں اس کی مثال نجاست کا ازالہ اور طہارت اور پاکیزگی کا حصول ہے ستر عورت، زینت وآرائش اور نفلی عبادتوں اور صدقات کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش وغیرہ، عادات میں کھانے پینے کے آداب، ناپاکی اور خبیث چیزوں سے اجتناب، اسراف اور بخل سے پرہیز، معاملات میں ناپاک چیزوں کی خرید وفروخت کی ممانعت، پانی اور چارہ کی زائد مقدار کی فروخت اور جنایات میں عورتوں، بچوں اور راہبوں کے جہاد کے دوران قتل کی ممانعت وغیرہ اس کی مثالیں ہیں۔)

شریعت کے بعض احکام ایسے ہیں جنھیں مذکورہ بالا تینوں مدارج ''ضروری، حاجیاتی اور تحسینی'' کے تکملہ اور تتمہ کی حیثیت دی جاسکتی ہے، مثال کے طور پر: قصاص میں مماثلت کا لحاظ حفظ نفس کے مقصد کی تکمیل کے لیے ہے۔ اسی طرح شراب کی تھوڑی سی مقدار کی حرمت حفظ عقل کی مصلحت کا تتمہ ہے۔ کیونکہ شراب کی تھوڑی مقدار زیادہ کا خوگر بننے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اسی طرح اجنبی عورت کو دیکھنے اور اس کے ساتھ خلوت میں بیٹھنے کی ممانعت ہے، جو حفظ نسل کے مقصد کی تکمیل کے لیے ہے۔ اسی طرح اذان اور جماعت کی مشروعیت اقامتِ دین کی مصلحت کی تکمیل کے لیے ہے۔ تاکہ دین کا صحیح طور پر غلبہ

اور اس کی حفاظت کا مقصد پورا ہو سکے۔ اسی طرح غصب کردہ مال کے ضمن میں مماثلت کی قید اور ربا کی حرمت کو حفظِ مال کے مقصد کی تکمیل کے لیے متعین کیا گیا ہے۔

دوسری قسم یعنی حاجیاتی مصالح کی تکمیل کے لیے جو چیزیں مشروع کی گئی ہیں ان میں نکاح میں کفاءت کی رعایت۔ اسی طرح صغیرہ کے نکاح میں مہرِ مثل کا لحاظ اور مجہول کی بیع کی ممانعت اور مشتری کے لیے خیارِ رویت اور خیارِ شرط وغیرہ کی مشروعیت بھی بیع وشراء کی عمومی مصلحت کا تتمہ اور تکملہ ہے، تحسینی مصالح کی تکمیل کے لیے صدقاتِ نافلہ میں پاک مال کا خرچ کرنا، عقیقہ اور قربانی وغیرہ میں افضل ترین جانور کے انتخاب کی تلقین کو اِس کی مثال قرار دیا جاسکتا ہے، وہ مصالح جن کو ''ضروریات'' میں شمار کیا گیا ہے، وہ بقول امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ ''اصولِ دین، قواعدِ شرعیہ اور کلیاتِ ملت'' کی حیثیت رکھتی ہیں۔ چنانچہ انہیں ہر حال میں مقدم رکھا جائے گا، مثال کے طور پر اگر ''ضروری'' یا حاجیاتی مصلحت کا تقاضا ہو تو تحسینی مصلحت کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ آپریشن یا مرض کی تشخیص کی خاطر جس سے جان کی حفاظت وابستہ ہے ستر عورت کی مصلحت کو نظر انداز کیا جائے گا جو کہ تحسینی مصالح میں شمار کیا جاتا ہے۔

اسی طرح ضرورت اور اضطرار کی حالت میں ''میتہ'' کا کھانا حلال ہو گا اور تحسینی مقصد یعنی مطعومات میں سے خبیث چیزوں سے احتراز کی مصلحت کو نظر انداز کیا جائے گا ''بیع سلم اور استصناع'' کے جواز کی بناء بھی یہی ہے کہ ''حاجت'' کی خاطر ''تحسینی'' مقصد یعنی مبیع کے وجود کی شرط کو نظر انداز کیا گیا اور ضروریات میں بھی باہم فرق مراتب کا لحاظ ہو گا، دین کی حفاظت کی خاطر جان کی حفاظت کو نظر انداز کیا جائے گا۔ اسی طرح جان کی حفاظت کی خاطر مال کی حفاظت کی مصلحت کو نظر انداز کیا جائے گا، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے ائمہ اصول نے نسل کی حفاظت کو عقل کی حفاظت پر مقدم رکھا ہے، جب کہ دوسرے فقہاء کے یہاں ترتیب میں ''عقل'' نسل سے مقدم ہے ''مقاصد'' اور ''مصالح'' کی ایک اور تقسیم بھی کی جاتی ہے کچھ مقاصد ایسے ہیں جن کا تعلق فرد کی ذات سے ہے اور کچھ مصالح ایسی ہیں جن کا تعلق ساری امت یا مسلمانوں کی جماعت سے ہے، مثال کے طور پر دشمنوں سے ملک کی حفاظت، دین کی حفاظت، قرآنِ کریم کی حفاظت، سنت کی حفاظت، اسی طرح حرمین شریفین کی دشمنوں کے ہاتھ میں چلے جانے سے حفاظت، یہ سب کلی مصالح ہیں جن کی خاطر جزوی مصالح کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔

علامہ ابن عاشور رحمۃ اللہ علیہ نے مصالح کی ایک اور تقسیم بھی کی ہے، جس کی رو سے کچھ مصالح تو وہ ہیں جو قطعی ہیں جن کی نشان دہی خود نصوص سے ہوتی ہے یا مجموعی طور پر شرعی احکام کے تتبع اور استقراء سے، یا عقل اس بات کی شہادت دے کہ اسے ترک کرنے میں امت کو زبردست نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا، جیسے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ کرنا کہ مانعینِ زکوٰۃ سے قتال کیا جانا ضروری ہے، دوسری قسم کے مصالح وہ ہیں جو ظنی ہیں، اس کی مثال خوف کی وجہ سے حفاظت کے لیے کتے کے پالنے کا جواز ہے، جو دلیلِ ظنی سے ثابت ہے اور تیسری قسم ان مصالح کی ہے جو وہمی ہیں اور ان کا دائرہ بے حد وسیع ہے، اس کی مثال شراب، افیون، ہیروئین، کوکین وغیرہ کے بارے میں ان کے استعمال کرنے والوں کا یہ وہم کہ یہ چیزیں مفید اور نشاط آور ہیں، شریعت نے اس طرح کی "وہمی" مصالح کو نظر انداز کیا ہے اور ان چیزوں کی حرمت کا حکم دیا ہے۔

خلاصہ بحث

مقاصد شریعت کے مدارج کے اس طرح پر ذکر سے یہ خیال نہیں ہونا چاہئے کہ وہ چیزیں جو ضروریات میں شمار کی گئی ہیں وہ سب کی سب نفل یا مکروہ کے ذیل میں آئیں گی۔ بلکہ اس کے برعکس ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایک چیز مدارج کے لحاظ سے تو تحسینیات میں شمار ہوئی ہو۔ لیکن شرعی حکم کے لحاظ سے وہ قطعی حرام ہو یا واجب ہو، اس لیے کہ ایجاب و تحریم اور اباحت و کراہیت وغیرہ علیحدہ موضوع ہیں اور مقاصد شریعت اور اس کے مدارج ایک علیحدہ بحث ہے اور اس کی تفصیل حکم تکلیفی کے مدارج میں آئے گی۔ یہاں اس کے ذکر کا موقع نہیں ہے، مثال کے طور پر ستر عورت اور طہارت کے مسائل کو یہاں تحسینیات شمار کیا گیا ہے۔ لیکن سب جانتے ہیں کہ ستر عورت کی ایک مقدار فرض ہے اور طہارت بھی جنابت کی حالت میں ضروری ہے، اس کی تقسیم تو مختصر طور پر یوں ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خطاب جس چیز سے متعلق ہو وہاں طلب "جازم" ہو گا یا نہیں ہو گا۔ اگر طلب فعل ہو تو "واجب" ہو گا اور اگر طلب ترک فعل ہو تو "حرام" ہو گا اور اگر طلب "غیر جازم" ہو تو دونوں جانب یا تو برابر ہوں گے تو وہ مباح ہو گا اور اگر جانب وجود غالب ہو تو مندوب ہو گا اور اگر جانب عدم غالب ہو تو مکروہ ہو گا۔ خواہ اس کا تعلق ان امور سے ہو جو مقاصد و مصالح کے لحاظ سے ضروریات میں شمار کئے گئے ہوں یا حاجیات میں یا کمالیات میں۔

اصول و قواعد ہمیشہ عمومی احوال کو پیشِ نظر رکھ کر بنائے جاتے ہیں۔ بعض جزئیات پر کسی قاعدہ کے کسی خاص وجہ سے منطبق نہ ہونے کی وجہ سے اصل قاعدہ کی جامعیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مثلاً عقوبات اس لیے مشروع کی گئی ہیں کہ جرم کا ارتکاب کرنے والا شخص اپنے جرم سے باز آجائے۔ لیکن ممکن ہے کہ کسی خاص شخص پر یہ اثر مرتب نہ ہو۔ اسی طرح سفر میں قصر صلوٰۃ اور روزے کے افطار کی مشروعیت مشقت کے پیشِ نظر کی گئی ہے۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ بادشاہ وقت یا کسی مرفہ الحال شخص کا سفر اس طرح پر ہو کہ اسے قطعی کوئی مشقت نہ ہو۔ لیکن اس کی وجہ سے وہ اس رخصت سے فائدہ اُٹھانے کے حق سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح طہارت کی مشروعیت تو نظافت کے لیے کی گئی ہے۔ لیکن مٹی کے ذریعہ تیمم کو بھی طہارت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے، جس میں بظاہر آلودگی ہے۔

جان کی حفاظت شریعت کے بنیادی مقاصد میں سے ایک ہے۔ چنانچہ اگر جان کی حفاظت مال کے اتلاف کے بغیر ممکن نہ ہو تو جان کی حفاظت کو ترجیح دی جائے گی۔ لیکن اگر جان کی حفاظت کا مقصد دین کو مٹانے کا باعث ہو تو پھر دین کی حفاظت کے مقصد کو ترجیح دی جائے گی۔ جیسا کہ جہاد کی مشروعیت اور قتل مرتد کے مسئلہ سے یہ بات واضح ہے۔ اسی طرح اگر جان کی حفاظت سے کئی جانوں کا اتلاف لازم آتا ہو تو پھر کئی جانوں کی حفاظت کی فکر کی جائے گی۔ چنانچہ اگر کفار کسی مسلمان کو ڈھال بنالیں اور اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو کہ مسلمان کی جان قربان کئے بغیر کفار پر غلبہ و نصرت حاصل کی جاسکے تو ایسی صورت میں اس مسلمان کی جان کو اجتماعی مصلحت پر قربان کئے جانے کو گوارا کیا جائے گا۔

اور اگر کسی کو سلاح کے زور پر اس بات پر مجبور کیا جائے کہ وہ کفریہ کلمات کہے۔ ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا تو ایسی صورت میں اس کے لیے یہ جائز ہو گا کہ کلماتِ کفر زبان سے ادا کرے اور اس کا دل مومن ہو۔ اسی طرح اکراہ کی وجہ سے شراب کا پینا، کسی دوسرے شخص کا مال کھانا، نماز اور روزہ کو ترک کرنا سب جان کی حفاظت کی خاطر مباح ہو گا۔ لیکن اگر اسے اس بات پر مجبور کیا جائے کہ وہ کسی دوسرے شخص کو قتل کر دے تو اس کے لیے یہ جائز نہ ہو گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص مخمصہ میں مبتلا ہو اور اس کے پاس کھانے کے لیے کچھ نہ ہو تو اس کے لیے یہ بات جائز نہیں ہو گی کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھائے۔

دو مصلحتوں کے درمیان اگر تعارض ہو تو جو قوی تر مصلحت ہو، اسے ترجیح دی جائے گی، مثال کے طور پر اگر ایک شخص نماز ادا کر رہا ہو اور اس کی نظر ایک ڈوبتے ہوئے شخص پر پڑ گئی تو ڈوبنے والے شخص کو بچانا نماز کی ادائیگی پر مقدم ہو گا اور اس شخص کا فریضہ ہو گا کہ پہلے ڈوبتے شخص کو بچائے۔ پھر اپنی نماز ادا کرے۔ اسی طرح محرمات کے درمیان بھی فرقِ مراتب اور درجات ہیں، شراب کا پینا شراب بیچنے کے مقابلہ میں زیادہ سنگین جرم ہے اور شادی شدہ عورت سے زنا کرنا غیر شادی شدہ عورت سے زنا کے مقابلہ میں زیادہ سنگین جرم ہے۔

اگر چند افراد کسی جزیرہ یا صحرا، یا کسی ظالم حکمران کی جیل میں اس طریقہ پر محصور ہو گئے ہوں کہ ان کے پاس کھانے کا کوئی سامان نہ ہو اور فاقہ کے اس درجہ کو پہنچ گئے ہوں کہ ان کے لیے سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہ رہ گیا ہو کہ وہ اپنے رفقاء میں سے کسی ایک کو قربان کر کے اس کا گوشت کھالیں۔ تاکہ باقی لوگوں کی جان بچ سکے تو کیا شرعاً اس کی اجازت ہو گی؟

چند افراد کشتی میں سوار ہوئے موجوں کی شدت اور ہوا کہ تھپیڑوں نے انہیں ایسی حالت سے دوچار کر دیا کہ ان کے لیے ڈوبنے سے بچنے کا صرف ایک ہی ذریعہ باقی رہ گیا ہو کہ وہ اپنے ساتھ سوار کسی ایک فرد کو دریا میں ڈال دیں تاکہ کشتی کا وزن کم ہو اور کشتی سلامت رہ سکے۔ ورنہ اس کا یقین ہے کہ سب کے سب ڈوب کر ہلاک ہو جائیں گے تو کیا ایسی صورت میں یہ بات جائز ہو گی کہ کسی فرد کو اس ارادہ سے دریا کی نذر کر دیا جائے۔ تاکہ دوسروں کی جان بچائی جا سکے۔

کفار نے چند مسلمانوں کو اس طریقہ پر ڈھال بنالیا ہو کہ اگر ان مسلمان قیدیوں کی جان کا خیال کیا جائے تو سارا عالمِ اسلام کفار کے تسلط میں چلا جائے گا اور سینکڑوں افراد کی جانوں کو خطرہ لاحق ہو جائے گا، ایسی صورت میں کیا یہ درست ہو گا کہ ان بے قصور مسلمان قیدیوں کی جان کی پرواہ کئے بغیر عمومی مصلحت کو سامنے رکھا جائے اور انہیں نشانہ بنایا جائے۔ تاکہ کفار پر غلبہ حاصل ہو سکے، یہ اور اس طرح کے بہت سے مسائل ہیں جن کا جواب مقاصدِ شریعت اور ان کے مدارج کو سامنے رکھ کر معلوم کیا جا سکتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱) الشاطبی، ابراہیم بن موسیٰ بن محمد، ابو اسحاق،: الموافقات، دار الفکر العربی، بیروت، ۲/ ۳۴

۲) سورۃ الانبیاء:۱۰۷

۳) سورۃ المائدۃ:٦

۴) سورۃ العنکبوت:۴۵

۵) سورۃ البقرۃ:۱۸۳

٦) سورۃ البقرۃ:۱۷۹

۷) ابن ہمام، محمد بن عبد الواحد، کمال الدین،: التحریر فی اصول الفقہ الجامع بین اصطلاحی الحنفیۃ والشافعیۃ ،دار الکتب العربیۃ، بیروت، لبنان، ط:۱۹۸۳، ۱/ ۲۰۳

۸) کاشمیری، محمد انور شاہ، مولانا: فیض الباری علی صحیح البخاری مع حاشیۃ البدر الساری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط:۱۴۲٦ھ / ۲۰۰۵ء، ص:۱۰۴

۹) سورۃ البقرۃ:۲۵٦

۱۰) سورۃ الانعام:۱۰۸

۱۱) بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح، کتاب استتابۃ المرتدین والمعاندین وقتالہم، باب حکم المرتد و المرتدۃ، ح:٦۹۲۲، مکتبہ اسلامیہ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، ط:۲۰۰۹ء، ۸/ ۲۸۸؛
ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، السجستانی،: السنن، کتاب الحدود، باب الحکم فیمن ارتد، ح:۴۳۵۱، دار السلام، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، ۴/ ۳۳۱

۱۲) سورۃ المائدۃ:۳۲

۱۳) سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی الوفاء للمعاھد و حرمۃ ذمتہ، ح:۲۷٦۰، ۳/ ۲۳۱؛ النسائی، احمد بن شعیب،: السنن، کتاب القسامۃ، باب تعظیم قتل المعاھد، حدیث نمبر ۴۷۵۱، دار السلام، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، ٦/ ٦۰۷
معَاھد (ھا پر زبر) سے مراد ایسا شخص ہے جو کافر ہوتے ہوئے حکومتِ اسلامیہ میں رہ رہا ہو، اور ٹیکس وغیرہ ادا کرتا ہو، اسے ذمی بھی کہا جاتا ہے۔

۱۴) الترمذی، محمد بن عیسیٰ، ابو عیسیٰ،: الجامع، ابواب الدیات، باب الحکم فی الدماء (ح:۱۳۹۸)، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور،، ط:۱۹٦۳، ۱ء، ۱/ ۲۰۳

نوٹ:اس روایت کی سند میں یزید رقاشی ضعیف راوی ہے۔

۱۵) سورۃ البقرۃ:۱۷۹

۱۶) سورۃ المائدۃ:۹۰

۱۷) جامع ترمذی، ابواب الاشربۃ، باب ماجاء ما أسکر کثیرہ فقلیلہ حرام (ح:۱۸۶۵)، ۲/۳۶؛
سنن ابی داؤد، کتاب الاشربۃ، باب ماجاء فی السکر، ح:۳۶۸۱،۳/۸۷۲

۱۸) الخطیب الشربینی،: مغنی المحتاج الی معرفۃ معانی الفاظ المنھاج، محقق،: محمد خلیل العیتانی، دار المعرفۃ، بیروت، ۳/۴

۱۹) محمد الامیر الکبیر،: الاکلیل شرح مختصر خلیل، محقق،: عبد اللہ الصدیق الغماری ابو الفضل، مکتبۃ القاھرۃ، ۲/۱۰۰

۲۰) سورۃ الاحزاب:۵

۲۱) الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب قولہ: اُدْعُوْھُمْ لِاٰبَآئِھِمْ ھُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰہِ، ح:۴۷۸۲

۲۲) ایضاً، کتاب المغازی، ح:۵،۴۰۰۰/۳۱۴

۲۳) ایضاً، کتاب المحاربین من اھل الکفر والردۃ، ح:۸،۶۸۳۰/۲۳۴؛ کتاب الفرائض، باب من ادعی الی غیر ابیہ، ح:۸،۶۷۶۸/۲۰۴

۲۴) ایضاً، کتاب الفرائض، باب من ادعی الی غیر ابیہ، ح:۸،۶۷۶۶/۲۰۴

۲۵) ایضاً، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب القسامۃ فی الجاھلیۃ، ح:۵،۳۸۵۰/۲۱۰

۲۶) الالبانی، محمد ناصر الدین،: صحیح سنن ابی داؤد، ابواب النوم، باب فی الرجل ینتمی الی غیر موالیہ، ح:۴۲۶۸، مکتبۃ التربیۃ العربی لدول الخلیج، الریاض، ط:۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء، ۳/۹۶۳

۲۷) سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب التغلیظ فی الانتفاء، ح:۲،۲۲۶۳/۷۲۶؛
سنن النسائی، کتاب الطلاق، باب التغلیظ فی الانتفاء من الولد، ح:۵،۳۵۱۱/۳۵۶

۲۸) الشافعی، محمد بن ادریس، الامام،: احکام القرآن، بیروت، لبنان، ۲/۱۹۰

۲۹) الجصاص، احمد بن علی، ابو بکر،: احکام القرآن، محقق،: محمد صادق القمحاوی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۳/۳۳۸

۳۰) السرخسی، محمد بن احمد بن ابی سہیل، ابو بکر: المبسوط، دار المعرفۃ، بیروت، مسئلہ:۱۷،۲۰۰۹/۱۵۵

۳۱) ابن حزم، علی بن احمد بن سعید الاندلسی، ابو محمد،: المحلی بالآثار، محقق: احمد شاکر، بیروت، مسئلہ: ۱۰، ۲۰۰۹/ ۱۴۲

۳۲) الموسوعۃ الفقہیۃ، مطابع دار الصفوۃ، وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیۃ، کویت، ۴۰/ ۲۳۷

۳۳) نطفۃ امشاج کا تذکرہ اس آیت کریمہ میں کیا گیا ہی—إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ (الدھر: ۷۶/ ۲)

۳۴) مسلم، مسلم بن حجاج، القشیری، الامام،: الصحیح و مع شرحہ الکامل للنواوی، کتاب الحیض، باب بیان صفۃ منی الرجل و المرأۃ و ان الولد مخلوق من مائیھما(ح: ۳۱۱)، قدیمی کتب خانہ، مقابل آرام باغ ، کراچی، ط: ۱، ۲/ ۱۴۶

۳۵) الجامع الصحیح، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، ح: ۵، ۳۹۳۸/ ۲۷۹

۳۶) الصحیح لمسلم (ح: ۳۱۴)، ۱/ ۱۴۶

۳۷) الجامع الصحیح، کتاب الطلاق، باب اذا عرض بنفي الولد، ح: ۷، ۵۳۰۵/ ۶۷

۳۸) الغزالی، محمد بن محمد بن محمد، ابو حامد،: المستصفی في علم الأصول، دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱/ ۱۷۴

۳۹) ایضاً

۴۰) الموافقات ۲/ ۵۔۶

۴۱) المستصفٰی في علم الاصول: ۱/ ۲۹۰

۴۲) الموافقات ۲/ ۶

****

قرآنی اصولوں کی روشنی میں معاشرتی استحکام

(پاکستان کے تناظر میں)

Social Integration in the light of Qur'anic Principles
(in Pakistan's perspective)

ڈاکٹر میمونہ تبسم*

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر**

ABSTRACT

Islam is the religion of nature. It not only approves the social interaction among the masses, but also helps in its development towards positive ends. Islam has given natural and universal principles which help its followers to develop a harmonious society, discouraging all the attempts to divide the society into different sections. Islamic society is based upon the following fundamental principles i.e equality, harmony of thoughts, justice, *amar-bil-maaruf-wa-nahi-anilmunkar* (ask for good and forbid from evil), unity, sense of responsibility, virtue and evil, abolition of sectarianism & fulfillment of promises, reflecting the universality of the religion, Islam.

Pakistan today, is facing various social problems like terrorism, corruption, poverty, unemployment, broken families, sectarianism, onslaught of western culture and demand of unrestricted liberty by womenfolk. The moral degradation of the society is due to the fact that the true Islamic spirit and moral teachings and trainings of Islam have not been applied with true mind and honest intentions. The moral values are ignored by the media which is the cause of great concern.

***Keywords*:** *Social Integration, religion of nature, Qur'anic Principles, fundamental principles.*

* اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ کالج خواتین یونیورسٹی، لاہور

* چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف سرگودھا

اسلام دین فطرت ہے، اسلام انسانوں کے باہمی میل جول سے پیدا ہونے والی اجتماعیت کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ اس اجتماعیت کی نشوونما میں معاونت بھی کرتا ہے اور ایسے فطری و آفاقی رہنما اصول فراہم کرتا ہے جن سے معاشرتی اجتماعیت کو تقویت ملے۔ اسلام کسی ایسی سوچ کو مستقل نہیں قرار دیتا، جو خالق کائنات کی اس خاکی مخلوق میں باہمی تفریق پر منتج ہو، اسلام اختلاف کی کسی بھی غیر فطری بنیاد کو تسلیم نہیں کرتا۔

قرآنی اصولوں کی روشنی میں معاشرتی استحکام

اسلام کا سارا معاشرتی ڈھانچہ کچھ بنیادی اصولوں پر استوار ہے۔ ان میں کچھ بنیادی اصول ذیل کی سطور میں ذکر کئے جارہے ہیں، جو معاشرتی استحکام کے لئے اشد ضروری ہیں:

وحدت نسل انسانی:

اسلام وحدتِ نسل انسانی کا داعی ہے، وہ انسانوں کی محدود تفریق کا قائل نہیں، جیسے رنگ و نسل، زبان و وطن وغیرہ۔ یہ معاشرے کی اساس نہیں، بلکہ ان پر تفاخر معاشرہ کو عدم استحکام سے دوچار کر دیتا ہے، اسی لیے اسلام انسانوں کے درمیان ان ظاہری اختلافات کو باعثِ فضیلت یا سببِ ذلت تسلیم نہیں کرتا، بلکہ انہیں محض ذریعۂ پہچان قرار دیتا ہے۔ اس سلسلے میں ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَجَعَلْنَٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓاْ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ﴾ (۱)

(اور ہم نے تمہارے کنبے اور قبیلے بنادیئے ہیں تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے)۔

وحدت نسل انسانی کا یہ داعیہ معاشرتی استحکام کی جوہری اساس ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُواْ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَٰحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَآءً ۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ٱلَّذِى تَسَآءَلُونَ بِهِۦ وَٱلْأَرْحَامَ ۚ ﴾ (۲)

(اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور تم اللہ سے ڈرو، جس کے نام سے تم ایک دوسرے سے سوال کیا کرتے ہو اور قرابت سے بھی ڈرو)۔

نبی کریم ﷺ نے معاشرتی تفریق کو ختم کر کے ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا، جس میں رنگ و نسل قوم و قبیلہ زبان و وطن، غرضیکہ کسی بنیاد پر بھی کوئی شخص کسی سے افضل اور اعلیٰ نہیں۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ، إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَظُّمَهَا بِالْآبَاءِ، النَّاسُ مِنْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ (3)

(اے گروہ قریش! اللہ نے تم سے جاہلیت کے غرور اور اس پر فخر کرنے کو دور کر دیا، لوگ آدمؑ سے ہیں اور آدمؑ مٹی سے تھے)۔

اسلامی معاشرہ میں انسان ہونے کی حیثیت سے سب برابر ہیں، نہ تو امارت کسی کے لیے وجہ تکریم ہے اور نہ غربت وجہ ذلت۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ ءَادَمَ﴾ (4)

(ہم نے آدم علیہ السلام کے بیٹوں کو عزت کے قابل بنایا ہے)۔

قرآن مجید نے معاشرہ میں لوگوں کی عزت اور ذلت کا معیار اچھے اعمال اور تقویٰ مقرر کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِكُلٍّ دَرَجَٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوا۟﴾ (5)

(ہر ایک کا درجہ اس کے کاموں کے لحاظ سے ہے)۔

رسول کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ایک مشہور خطبہ میں فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ أَلاَ إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ أَلاَ لاَ فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى أَعْجَمِيٍّ وَلاَ لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلاَ لأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلاَ أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلاَّ بِالتَّقْوَى (6)

(اے لوگو! بیشک تمہارا رب ایک ہے، اور بیشک تمہارا باپ ایک ہے، کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے)۔

یعنی تمام مسلمان برابر ہیں اور فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے۔

وحدت فکر انسانی:

اسلام کا دعویٰ ہے کہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے جن اصولوں کی ضرورت تھی، وہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ودیعت کر دیئے۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿ كَانَ ٱلنَّاسُ أُمَّةً وَٰحِدَةً فَبَعَثَ ٱللَّهُ ٱلنَّبِيِّـۧنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ ﴾[7]

(دراصل لوگ ایک ہی گروہ تھے، اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبریاں دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا)۔

مگر انسانوں نے اس وحدت کو ضائع کر کے مصنوعی اور بناوٹی فکری خاکے مرتب کرنے شروع کر دیئے۔ جس کو قرآن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿ وَمَا كَانَ ٱلنَّاسُ إِلَّآ أُمَّةً وَٰحِدَةً فَٱخْتَلَفُوا۟ ﴾[8]

(اور تم سب لوگ ایک ہی امت تھے اور پھر الگ الگ ہو گئے)۔

اس وقت امت مسلمہ ذہنوں اور ماحول میں پائے جانے والے اختلاف اور انتشار کی وجہ سے فکری انحطاط کی شکار ہے اور اپنی سمت کا تعین نہیں کر پا رہی۔ اس جمود کو توڑنے کے لئے ہمیں آپس میں محبت، ایثار اور اتفاق کی ضرورت ہے۔ فرمان نبوی ہے:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لأَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ[9]

(تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے)۔

توحید واطاعت:

اسلام کی تعلیم کی بنیاد توحید ہے، یعنی اللہ کو اس کی ذات صفات اور افعال میں ایک

جاننا اور اسی کی عبادت بجالانا۔ اس وجہ سے اسلامی معاشرہ کی اہم اور سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے تمام افراد صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے سامنے سرنگوں ہوتے ہیں۔ اسلام عبادت کو مقصد زندگی ٹھہراتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ ٱلْجِنَّ وَٱلْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴾ (۱۰)

(میں نے جن وانس کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے)۔

اللہ کی عبادت ہی کمالات کے حصول کا ذریعہ ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَتَيْتُ النَّبِيَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ ثَوْبٌ أَبْيَضُ، فَإِذَا هُوَ نَائِمٌ، ثُمَّ أتيته فَإِذَا هُوَ نَائِمٌ، ثُمَّ أَتَيْتُهُ وَقَدْ اسْتَيْقَظَ فَجَلَسْتُ إِلَيْهِ، فَقَالَ: "مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، ثُمَّ مَاتَ عَلَى ذَلِكَ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ " قُلْتُ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: "وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ " قُلْتُ: وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: "وَإِنْ زَنَى وَإِنْ سَرَقَ " ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ فِي الرَّابِعَةِ: "عَلَى رَغْمِ أَنْفِ أَبِي ذَرٍّ " قَالَ: فَخَرَجَ أَبُو ذَرٍّ وَهُوَ يَقُولُ: "وَإِنْ رَغِمَ أَنْفُ أَبِي (۱۱)

(میں ایک مرتبہ نبی ﷺ کی خدمت میں آیا، آپ ﷺ سفید کپڑا اوڑھے ہوئے سو رہے تھے میں واپس چلا گیا پھر دوبارہ حاضر ہوا، تو سو رہے تھے۔ پھر گیا تو آپ ﷺ جاگ رہے تھے، میں آپ ﷺ کے پاس بیٹھ گیا آپ ﷺ نے فرمایا: "جس بندے نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس پر وہ مر گیا تو وہ جنت میں داخل ہو گا۔" میں نے عرض کیا: اگرچہ وہ زنا کرتا ہو اور چوری کی ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو۔" میں نے جتنی مرتبہ اس طرح کہا آپ ﷺ نے بھی تین مرتبہ فرمایا، پھر چوتھی مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اگرچہ وہ زنا اور چوری کرے، ابو ذر رضی اللہ عنہ کی ناک خاک آلود ہو۔" پھر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا محبت اور شفقت بھرا جملہ دہراتے ہوئے نکلے کہ ابوذر کی ناک خاک آلود ہو!)۔

اس حدیث میں لا الہ الا اللہ سے محض زبانی اقرار مراد نہیں ہے، بلکہ ایسا اقرار جس کے ساتھ قلبی یقین و تصدیق بھی شامل ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ قَالُوا۟ رَبُّنَا ٱللَّهُ ثُمَّ ٱسْتَقَٰمُوا۟ ﴾ (۱۲)

(بلا شبہ وہ لوگ جنہوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے پھر انہوں نے اس پر استقامت اختیار کی)۔

حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ذَاقَ طَعْمَ الْإِيمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللَّهِ رَبًّا، وَبِالْإِسْلامِ دِينًا، وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا (۱۳)

(اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا، جو اللہ کے رب، اسلام کے دین اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہو گیا)۔

ایمان کا ذائقہ چکھنے سے مراد وہ شرح صدر اور اطمینان قلبی ہے، جو حقیقی طور پر ایک مومن کو ہی مل سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی محبت و اطاعت:

اطاعتِ رسول، توحید کا لازمہ ہے۔ قرآن مجید میں اطاعت رسول ﷺ کا ذکر متعدد مرتبہ آیا ہے:

﴿ لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِى رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (۱۴)

(یعنی تمہارے لیے اللہ کے رسول میں عملی نمونہ ہے)۔

﴿ وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمْ عَنْهُ فَٱنتَهُوا۟ ﴾ (۱۵)

(اور یعنی رسول جو کچھ تمہیں دے، اس کو لے لو اور جس سے روکے، اس سے رک جاؤ)۔

﴿ قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِى يُحْبِبْكُمُ ٱللَّهُ ﴾ (۱۶)

(کہہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو۔ تو میری عبادت کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ، حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (۱۷)

(تم میں سے کوئی ایمان دار نہ ہو گا یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد، اس کے بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں)۔

شرفِ انسانیت

توحید کا لازمی نتیجہ شرف انسانیت ہے، کیونکہ توحید انسان کو ہر قسم کی غلامی سے نجات دلاتی ہے اور اس کو اشرف المخلوقات قرار دیتی ہے۔ عظمت آدمیت کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ ءَادَمَ وَحَمَلْنَٰهُمْ فِي ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ وَرَزَقْنَٰهُم مِّنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَفَضَّلْنَٰهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ﴾ (۱۸)

(اور یقیناً ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور ہم نے ان کو خشکی اور تری میں سواری دی اور ان کو اچھی چیزوں سے رزق دیا اور ہم نے ان کو بہتوں پر جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے۔ بڑی فضیلت دی ہے۔)

﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا ٱلْإِنسَٰنَ فِيٓ أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ﴾ (۱۹)

(یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا کیا ہے)۔

عدل و انصاف:

قرآن کریم ایسے معاشرہ کا خواہاں ہے جس میں ہر شخص عدل و انصاف پر عمل کرنا اپنا فریضہ سمجھتا ہو، بلکہ اس کا دائرہ اس قدر وسیع اور ہمہ گیر ہے کہ دشمنوں کو بھی شامل ہے۔ ارشاد ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُونُواْ قَوَّٰمِينَ لِلَّهِ شُهَدَآءَ بِٱلْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَـَٔانُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُواْ ۚ ٱعْدِلُواْ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴾ (۲۰)

(اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے عدل کیا کرو جو پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ ٱلنَّاسِ أَن تَحْكُمُوا۟ بِٱلْعَدْلِ ۚ ﴾ (۲۱)

(اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے کرو۔)

﴿ قُلْ أَمَرَ رَبِّى بِٱلْقِسْطِ ﴾ (۲۲)

(اور کہہ دیجئے میرے رب نے انصاف کا حکم کیا ہے۔)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "انصاف کرنے والے حکام اللہ کے ہاں دائیں جانب نور کے منبروں پر بیٹھے ہوں گے۔ جبکہ اللہ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔ (انصاف کرنے والوں سے) مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے دائرہ اقتدار میں اور اپنے اہل و عیال میں اور رعیت کے معاملات میں عدل و انصاف کرتے ہیں۔ (۲۳)

اسلام جس عدل و انصاف کا قائل ہے وہ کوئی حکم تعبدی نہیں ہے، بلکہ اسلامی عدالت سے معاشرے میں استقامت استحکام اور ترقی و سلامتی آتی ہے۔ الملک یبقی مع الکفر ولا یبقی مع الظلم سے پتا چلتا ہے کہ معاشرتی خطروں اور عدم سلامتی کی بنیادی وجہ بے انصافی اور ظلم ہوتا ہے۔

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب امیر وقت اپنی رعایا میں جور و ظلم کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی مملکت سے برکت اٹھ جاتی ہے۔ بازار، کھیت، باغات سب جگہ مظالم کا دور دورہ ہو جاتا ہے اور جب عدل و انصاف رائج کرنا چاہتا ہے تو ہر جگہ رونق اور برکت نازل ہوتی ہے۔ حضرت ولید بن ہشام نے فرمایا "إِنَّ الرَّعِيَةَ ليصْلح بِصَلَاحِ الْوَالِي وَتُفْسِدُ بِفَسَادِهِ" (۲۴) رعایا کی صلاح اور فلاح کا دارومدار امیر وقت کے صالح و عادل ہونے پر ہے اور رعایا کی بربادی امیر وقت کی فساد نیت سے متعلق ہے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر:

معاشرتی نظم کا تقاضا ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہوتا رہے، کیونکہ لوگوں میں اعمال صالحہ کی اشاعت اور سماجی امور کا اہتمام و انصرام اور تبلیغ و ترویج میں سستی اور غفلت سے پرہیز ایسے امور ہیں، جن پر عمل کرنے کے مثبت اثرات اور ترک کرنے کے منفی اثرات تمام معاشرے پر یکساں طور پر مرتب ہوتے ہیں۔ ان امور پر عمل اور ان کی معاشرتی ترویج اسلامی معاشرے کا بنیادی اصول ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ﴾(۲۵)

(تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو)۔

اس عظیم فریضہ سے انحراف کا نتیجہ قوموں کو ہلاکت اور ان کے انہدام کی شکل میں نکلتا ہے۔ سورۃ المائدہ میں ایک قوم کی گرفت کا سبب ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے:

﴿ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَن مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴾(۲۶)

(آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے روکتے نہ تھے، جو کچھ بھی یہ کرتے تھے یقیناً وہ بہت برا تھا)

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ ﴾(۲۷)

(لوگ اگر ہم ان کے پاؤں زمین میں جما دیں تو نماز پڑھیں گے زکوٰۃ ادا کریں گے، نیکی کی ترغیب دیں گے اور برائی سے باز رکھیں گے)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ

يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ [۲۸]

(جو تم میں سے برائی کو دیکھے اسے چاہیے کہ ہاتھ سے بدل دے یعنی روکے اگر ہاتھ سے طاقت نہ ہو تو زبان سے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پھر دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے)۔

قرآن میں ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَيَنْهَىٰ عَنِ ٱلْفَحْشَآءِ وَٱلْمُنكَرِ وَٱلْبَغْيِ ۚ﴾ [۲۹]

(اور اسلام تمہیں بے حیائی، نامعقول کاموں اور سرکشی سے منع کرتا ہے)۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جب کوئی شخص کسی برائی کو دیکھے تو اپنے ہاتھ سے مٹا دے۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے سمجھا دے۔ اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے [۳۰]۔

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ کی حدود میں برائی کو نہ روکنے والے اور اس کے مرتکب ہونے والے کی مثال ان لوگوں کی مانند ہے جنہوں نے کشتی میں (بیٹھنے کی جگہ کے لیے) قرعہ اندازی کی۔ کچھ لوگ کشتی کے نچلے حصے میں اور کچھ لوگ اوپر والے حصے میں چلے گئے تو جو لوگ ان کے نچلے حصے میں تھے وہ ان لوگوں کے پاس پانی لے کر گزرتے جو کشتی کے اوپر والے حصے میں تھے۔ انہیں اس سے تکلیف ہوئی (اس لیے انہوں نے نچلے حصے والوں کو اوپر آنے سے روک دیا) چنانچہ (نچلے حصے والوں میں سے) ایک شخص نے کلہاڑا اٹھایا اور کشتی کے نچلے حصے میں سوارخ کرنا چاہا تو اوپر کے حصے والے اس کے پاس آئے اور انہوں نے کہا تجھے کیا ہو گیا ہے؟ اس نے جواب دیا تم میرے (اوپر جانے) سے تکلیف محسوس کرتے ہو جبکہ مجھے پانی کی ضرورت ہے، "فَإِنْ أَخَذُوا عَلَى يَدَيْهِ أَنْجَوْهُ وَنَجَّوْا أَنْفُسَهُمْ، وَإِنْ تَرَكُوهُ أَهْلَكُوهُ وَأَهْلَكُوا أَنْفُسَهُمْ" [۳۱]۔ (اگر وہ اس کے ہاتھ پکڑ لیں گے تو اسے بھی نجات دلا دیں گے اور خود بھی نجات پائیں گے اور اگر اسے کچھ نہ کہیں گے تو اسے موت کے حوالے کر دیں گے اور اپنے آپ کو بھی تباہ کر دیں گے"۔

سنن ابی داؤد میں یہ روایت حضرت شعبہ رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے کہ: "جس کسی قوم میں نافرمانیاں ہوتی ہوں اور معاصی سے بچنے والوں کی تعداد زیادہ اور دوسروں کی کم ہو اور پھر وہ نہ روکیں تو ان سب پر عذاب آنے کا اندیشہ ہوتا ہے"(۳۲)۔

حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جن لوگوں میں ان کی نافرمانی کی جائے جب کہ وہ (گناہ کرنے والوں سے) زیادہ طاقتور اور زیادہ زور آور ہوں، اس کے باوجود (مجرموں کو گناہ سے) منع نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان سب پر عذاب نازل کر دیتا ہے"(۳۳)۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تکمیل شرعی سزاؤں کے نفاذ سے ہی ہو سکتی ہے، یہ مقصد ترکِ واجبات اور ارتکابِ حرام پر سزائیں دینے سے حاصل ہو سکتا ہے۔یعنی امر بالمعروف کا فریضہ معاشرتی استحکام کا اساسی عنصر ہے۔

اتحاد و اتفاق:

اتحاد و اتفاق، الفت و یگانگت، مجموعی پیار و محبت کی فضا کا قیام دینی معاشرے کے قیام و استحکام کے بنیادی لوازمات ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ ٱللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُواْ وَٱذْكُرُواْ نِعْمَتَ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَآءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِۦٓ إِخْوَٰنًا ﴾(۳۴)

(اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھالو اور پھوٹ نہ ڈالو، اور اللہ تعالیٰ کی اس وقت کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے)

مزید فرمایا:

﴿ وَلَا تَكُونُواْ كَٱلَّذِينَ تَفَرَّقُواْ وَٱخْتَلَفُواْ مِنۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ ٱلْبَيِّنَٰتُ ﴾(۳۵)

(اپنے پچھلوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اختلاف اور تفرقہ کی زندگی بسر کی)

قرآن کی نظر میں معاشرتی اتحاد و استحکام ایک طرح کی طاقت ہے اور تفرقہ و تشتت پاؤں اکھڑنے کا سبب ہے۔

﴿ وَلَا تَنَٰزَعُواْ فَتَفۡشَلُواْ وَتَذۡهَبَ رِيحُكُمۡۖ وَٱصۡبِرُوٓاْۚ ﴾ (۳۶)

(آپس میں اختلف نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو)۔

جھگڑے یقیناً معاشرتی انحطاط اور زوال کا سبب ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ لَوۡ أَنفَقۡتَ مَا فِي ٱلۡأَرۡضِ جَمِيعٗا مَّآ أَلَّفۡتَ بَيۡنَ قُلُوبِهِمۡ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ أَلَّفَ بَيۡنَهُمۡۚ إِنَّهُۥ عَزِيزٌ حَكِيمٞ ﴾ (۳۷)

(اگر تم دنیا کی ہر چیز خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے لیکن اللہ نے ان میں محبت و الفت ڈال دی ہے)۔

﴿ ٱدۡفَعۡ بِٱلَّتِي هِيَ أَحۡسَنُ فَإِذَا ٱلَّذِي بَيۡنَكَ وَبَيۡنَهُۥ عَدَٰوَةٞ كَأَنَّهُۥ وَلِيٌّ حَمِيمٞ ﴾ (۳۸)

(بدی کو اس خصلت سے کہ بہت اچھی ہے دفع کر دو وہ شخص جس کو تجھ سے عداوت ہے وہ یکایک ایسا ہو جائے گا گویا کہ وہ رشتہ دار یا دوست ہو)۔

ایک اور مقام پر مسلمانوں کی وحدت کو عمارت کے ساتھ یوں تشبیہ دی ہے:

المُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ (۳۹)

(ایک مومن دوسرے مومن کے لئے ایک عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط کرتا ہے اور آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کے درمیان تشبیہ دی)۔

سو مسلم معاشرے کے ہر فرد کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ باہم مل کر ایک جماعت بن کر رہیں۔ اسی طرح حکام اور سرکاری اہل کاروں کو بھی اخروی انجام سے خبر دار کیا گیا ہے۔ اسلام صرف جماعت بن کر رہنے کا تقاضا ہی نہیں کرتا بلکہ وہ مسلمانوں کو یکجا بن کر زندگی گزارنے کی تعلیم دیتا ہے۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ کے بندوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو نبی ہوں گے نہ شہید، مگر قیامت کے روز اللہ کے ہاں (بلند) مراتب و منازل کی وجہ سے انبیاء و شہداء بھی ان پر رشک کریں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمیں

بتائیں وہ کون (سعادت مند) لوگ ہوں گے تاکہ ہم بھی ان سے محبت کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ لوگ جو کسی مالی لالچ یا نسبی تعلق کے بغیر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں گے۔ ان کے چہرے نور سے (منور) ہوں گے اور وہ لوگ نور کے منبروں پر جلوہ افروز ہوں گے۔ جب لوگ خوف زدہ ہو رہے ہوں گے، تو انہیں کوئی خوف نہ ہو گا۔ جب لوگ غمگین و پریشان ہو رہے ہوں گے، تو انہیں کوئی غم اور پریشانی نہ ہو گی۔" آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾[۴۰] (آگاہ رہو! بے شک اولیاء اللہ پر کوئی خوف نہ ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے)۔

احساس ذمہ داری:

اجتماعی شعور پیدا کرنے، اسے بیدار رکھنے اور موثر بنانے کے لیے اسلام نے جو اقدامات کیے ہیں، اس میں بہت اہم فرد کا اپنا احساس ہے فرد اپنے گناہوں کا تنہا ذمہ دار ہے۔ معاشرتی جرائم کی جو سزا اجتماعی ہے وہ معاشرہ نافذ کرتا ہے لیکن اس کا انفرادی معاملہ اس کے رب کے ساتھ ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ﴾[۴۱]

(اور جو شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے وہ اسی پر ہے اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔)

ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا ٱكْتَسَبَتْ ۗ﴾[۴۲]

(اسی کے لئے ہے وہ جو اس نے کمایا اور تم پر ہے جو تم نے کمایا)۔

ہر انسان کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہونا چاہیے اپنا فرض ادا کرتے ہیں دوسروں سے تقابل نہیں کرنا چاہیے قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ ۖ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا ٱهْتَدَيْتُمْ﴾[۴۳]

(اپنی فکر کرو جب تم سیدھی راہ پر چل رہے ہو، تو جو شخص گمراہ رہے، اسی سے تمہارا کوئی نقصان نہیں)۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ[۴۴]

(تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اسکی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا)۔

جب انسان کو اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ اسے احکام الٰہی کے مطابق زندگی گزارنی ہے۔ تو یہ احساس اس کو ذمہ دار انسان بنا دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے ہر انسان جو یہاں بوتا ہے، وہی آخرت میں کاٹے گا۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے، آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو محکمہ قضا کا منصب سپرد کیا۔ عدالتِ فاروقی کے متعلق امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فَمَكَثَ عُمَرُ سَنَةً لاَ يَأْتِيهِ اثْنَانِ أَوْ لاَ يَقْضِي بَيْنَ اثْنَيْنِ[۴۵] (پورے سال میں حضرت عمرؓ کے پاس دو شخصوں کا بھی دعویٰ نہ پہنچا اور دو شخص بھی کوئی شکایت لے کر نہ آئے)۔

ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حکومت کے عمال و عہدیداران میں چار طرح کی خصوصیات کا ہونا ضروری ہے: ۱) قوت کے ہوتے ہوئے نرم دلی؛ ۲) سخت مزاجی کے بغیر اصولی سخت گیری؛ ۳) خرچ میں احتیاط و اعتدال لیکن بخل نہ ہو اور ۴) سخاوت لیکن اسراف نہ ہو[۴۶]۔

امام طاؤس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا فرض اس پر ختم نہیں ہو جاتا کہ متدین حکام مقرر کر کے صرف ان کو عدل و انصاف کی تاکید کروں۔ بلکہ میرا یہ بھی ایک فرض ہے کہ میں دیکھوں "اعمل بما امرته ام لا" یعنی ہمارے حکام ہمارے اصول و شرائط پر کاربند ہیں یا نہیں؟[۴۷]

قیام خیر و رفع شر:

قرآن مجید ایسے معاشرے کی تائید کرتا ہے، جس میں خیر و شر کے پیمانے متعین ہوں اور افراد معاشرہ ان سے تجاوز نہ کریں۔ معاشرتی استحکام کے لیے اسلام نے جس ظن کو بنیادی حکمت عملی قرار دیا ہے، وہ قرآن کے الفاظ میں یوں ہے:

﴿ لَّوْلَآ إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ ٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا ﴾[۴۹]

(اسے سنتے ہی مومن مردوں اور عورتوں نے اپنے حق میں نیک گمانی کیوں نہ کی۔)

اس طرح جھوٹی خبریں نشر کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے:

﴿ٱللَّهُ ٱلصَّٰدِقِينَ بِصِدۡقِهِمۡ وَيُعَذِّبَ ٱلۡمُنَٰفِقِينَ إِن شَآءَ أَوۡ يَتُوبَ عَلَيۡهِمۡۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ غَفُورٗا رَّحِيمٗا﴾ (۵۰)

(اگر یہ منافق اور وہ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور وہ لوگ جو مدینہ میں غلط افواہیں اڑانے والے ہیں، باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے پھر تو وہ چند دن ہی آپ کے ساتھ اس میں رہ سکیں گے۔)

قرآن مجید میں منہیات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱجۡتَنِبُواْ كَثِيرٗا مِّنَ ٱلظَّنِّ إِنَّ بَعۡضَ ٱلظَّنِّ إِثۡمٞۖ وَلَا تَجَسَّسُواْ وَلَا يَغۡتَب بَّعۡضُكُم بَعۡضًاۚ﴾ (۵۱)

(اے ایمان والو! کثرت گمان سے بچو، بے شک بعض گمان گناہ ہیں۔ اور تجسس میں نہ پڑو اور تم میں سے بعض، بعض کی غیبت نہ کرے)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّهُ يُسْتَعْمَلُ عَلَيْكُمْ أُمَرَاءُ فَتَعرِفُونَ وتُنْكِرُونَ، فَمَنْ كَرِهَ فَقَدْ بَرِئَ، وَمَنْ أَنْكَرَ فَقَدْ سَلِمَ، وَلَكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ قَالوا: يَا رَسُول اللهِ، أَلَا نُقَاتِلُهُمْ؟ قَالَ: لَا، مَا أَقَامُوا فِيْكُمُ الصَّلاةَ (۵۲)

(تم پر ایسے لوگ مقرر کیے جائیں گے تم ان کی تعریف بھی کرو گے اور تنکیر بھی۔ پس جس نے کراہت کی تو بری ہو گیا تو جس نے تنکیر کی وہ سلامتی پا گیا لیکن جو راضی ہو گیا اس نے ان کی پیروی کی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بولے: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم ان سے لڑیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں جب تک وہ نماز قائم کرتے ہیں)۔

محتسب کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ لوگوں کو جمعہ، نماز باجماعت، سچ بولنے اور امانت ادا کرنے کا حکم دے اور جھوٹ، خیانت اور دیگر ایسی برائیوں سے منع کرے، جو جھوٹ اور خیانت میں داخل ہیں جیسا کہ ناپ تول میں کمی اور اشیاء سازی، خرید و فروخت کے معاملات میں ملاوٹ اور دھوکہ وغیرہ۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ﴾ (۵۳)

(ناپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لیے خرابی ہے۔ جو لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں اور جب ان کو ناپ کر دیا ماپ اور وزن کم دیں)۔

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں:

كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ (۵۴)

(تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور وہ اپنی رعایا کے متعلق پوچھا جائے گا۔)

فرقہ واریت کا خاتمہ:

معاشرتی استحکام کے لیے فرقہ واریت کا خاتمہ بہت ضروری ہے، اور اسی طرح مساوات، عدلی و احسان اور دوستی کی ترغیب دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴾ (۵۵)

(یاد رکھو، سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں میں ملاپ کرا دیا کرو)۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ يَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ فَإِنَّهَا ضَلَالَةٌ فَمَنْ أَدْرَكَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَعَلَيْهِ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ المَهْدِيِّينَ، عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ (۵۶)

(تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہا، وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا۔ خبر دار! دین میں نئی نئی بدعات ایجاد کرنے سے بچنا اگر تم میں سے کوئی یہ زمانہ پالے، اسے چاہیے کہ میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقے کو لازم پکڑے اور اسے داڑھوں سے مضبوط رکھے)۔

ایفائے عہد:

ایفائے عہد ایک بنیادی اخلاقی وصف ہے، کیونکہ وعدے کا لحاظ انسان کی صداقت کا مظہر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ هُمْ لِأَمَٰنَٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَٰعُونَ ﴾ (۵۷)

(اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہدوں کا پاس رکھنے والے ہیں)۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ایک وعدہ شکن کے لئے قیامت کے دن ایک نشان ہو گا، جو اس کی وعدہ شکنی کرے گا، اور جان رکھو کہ سب سے بڑا قوم کا سردار ہے، اگر وہ وعدہ شکنی کرے تو بڑی وعدہ شکنی ہو گی۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَوۡفُواْ ﴾ (۵۸)

(اے ایمان والو! اپنے وعدوں کو پورا کرو)۔

﴿ ٱلَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهۡدِ ٱللَّهِ وَلَا يَنقُضُونَ ٱلۡمِيثَٰقَ ﴾ (۵۹)

(دانشمند وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں اور مضبوط باندھنے کے بعد توڑ نہیں ڈالتے)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا: إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ (۶۰)

(چار خصلتیں جس شخص میں ہو، وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان میں سے ایک خصلت ہو، اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے، حتیٰ کہ وہ اسے چھوڑ دے۔ جب امانت رکھوائی جائے، خیانت کرے۔ اور جب بولے، تو جھوٹ بولے۔ اور جب وعدہ کرے، تو وعدہ خلافی کرے اور جب جھگڑے، تو گالی گلوچ کرے)۔

قانون کی حکمرانی:

قانون کی حکمرانی کسی بھی معاشرہ کے ارتقاء اور بقا کے لیے روح کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسلامی شرعی سزاؤں کا خاصہ یہ ہے کہ اگر معاشرے میں اس کا صحیح نفاذ کر دیا جائے، تو اس کے نتیجے میں معاشرتی استحکام یقینی ہو جاتا ہے۔

﴿ وَٱلسَّارِقُ وَٱلسَّارِقَةُ فَٱقْطَعُوٓاْ أَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَٰلًا مِّنَ ٱللَّهِ ۗ وَٱللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴾ (۶۱)

(چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو، یہ بدلہ ہے اس کا جو انہوں نے کیا، عذاب اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ قوت و حکمت والا ہے۔)

معاشرہ کے نظم و نسق کے لئے قانون ایک لازمی امر ہے۔ ارشاد ہے:

﴿ تِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا ۚ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴾ (۶۲)

(یہ اللہ کی حدیں ہیں ان سے تجاوز نہ کرو جو ان حدوں سے تجاوز کریں وہی ظالم ہیں۔)

اگر ان حدود کو معاشرے میں نافذ کر دیا جائے تو اس کے نتیجے میں معاشرتی استحکام لازمی ہو جاتا ہے۔

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلْقِصَاصُ فِى ٱلْقَتْلَى ۖ ٱلْحُرُّ بِٱلْحُرِّ وَٱلْعَبْدُ بِٱلْعَبْدِ وَٱلْأُنثَىٰ بِٱلْأُنثَىٰ ۚ ﴾ (۶۳)

(تم پر قتل کا قصاص فرض کیا گیا ہے آزاد کے بدلے میں آزاد غلام کے بدلے میں غلام اور عورت کے بدلے میں عورت)۔

﴿ وَلَا تَبْخَسُوا۟ ٱلنَّاسَ أَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا۟ فِى ٱلْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴾ (۶۴)

(اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ (۶۵)

(خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں کی جاسکتی)۔

اس کے ساتھ ساتھ معاشرتی استحکام کے لیے جو امور نہایت اہمیت کے حامل ہیں، ان میں عدل اجتماعی، ناخواندگی و جہالت کا خاتمہ، مفلس و نادار طبقات کی محرومیوں کا ازالہ، اطعام مساکین کا اہتمام، نوجوان نسل کے جملہ مسائل کا حل، انتظامی بدعنوانیوں کا خاتمہ اور استحکام معاشرہ کے بارے مفید رویوں کی تعلیم وتربیت کا اہتمام شامل ہے۔

رواداری:

اسلامی معاشرہ کی ایک نمایاں خصوصیت رواداری ہے، اسلام نے رواداری کو فروغ دینے کے لیے ایک بنیادی اصول وضع کیا کہ ہر وہ شخص جو دائرہ اسلام میں داخل ہو گا۔ اس کے لیے لازمی ہے کہ وہ اللہ، یوم آخرت ملائکہ سابقہ کتب سماوی اور بلا تفریق انبیاءؑ پر ایمان لائے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿مَنْ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْأَخِرِ وَٱلْمَلَٰٓئِكَةِ وَٱلْكِتَٰبِ وَٱلنَّبِيِّۦنَ﴾ (۶۶)

(جو اللہ اور آخرت کے دن اور فرشتوں پر اور کتابوں اور نبیوں پر ایمان لائے۔)

دوسری جگہ آتا ہے:

﴿قُلْ ءَامَنَّا بِٱللَّهِ وَمَآ أُنزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ أُنزِلَ عَلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ وَٱلْأَسْبَاطِ وَمَآ أُوتِىَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَٱلنَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُۥ مُسْلِمُونَ﴾ (۶۷)

(کہہ کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر اتارا گیا اور اس پر جو ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور اس کی اولاد پر اتارا گیا اور جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور نبیوں کو ان کے رب کی طرف دیا گیا۔ ہم ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں۔)

اس زریں اصول کی آب یاری کے لیے مسلمانوں نے مذہبی اور سیاسی معاملات میں کامل رواداری کا ثبوت دیا۔

عورت کا مقام

اسلام سے قبل دنیا کے ہر معاشرے میں عورت انسانی حقوق سے محروم تھی اور ذلت کی زندگی گزار رہی تھی۔ ایک غیر مسلم مورخ ڈاکٹر گستاؤلی لکھتا ہے:

> اسپارٹا میں اس بدنصیب عورت کو جس سے کسی قومی سپاہی کے پیدا ہونے کی امید نہ ہوتی، مار ڈالتے تھے۔ جس وقت کسی عورت کے بچہ ہو چکتا تھا تو فوائد ملکی کی غرض سے اسے (عورت کو) دوسرے شخص کی نسل لینے کے لیے اس کے خاوند سے عاریتاً لے لیتے۔ (۶۸)

تاریخ عالم کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی مذہب نے بھی عورت کو عزت کا مقام نہیں دیا۔ صرف اسلام نے عورت کو عزت بخشی۔

ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ ٱلَّذِى عَلَيْهِنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾ (۶۹)

(عورتوں کے کچھ حقوق ہیں اور جس طرح کہ بھلائی کے ساتھ دستور کے مطابق ان پر کچھ فرائض ہیں اور مردوں کو ان پر فضیلت حاصل ہے۔)

اسلام نے مرد اور عورت کو بحیثیت انسان مساوی قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُوا۟ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَٰحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَآءً ۚ ﴾ (۷۰)

(اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔ جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کر دیا۔ پھر دونوں کی نسل سے مردوں اور عورتوں کی ایک بڑی تعداد دنیا میں پھیلا دی ہے۔)

عالمگیریت:

اسلامی معاشرہ اپنے اندر عالمگیریت رکھتا ہے۔ اسلام سے قبل کسی مذہب نے بھی عالمگیر معاشرہ کی بنیاد نہیں رکھی۔ ہندوؤں کا ایمان ہے وہ خدا کی چہیتی قوم ہیں۔ یہودیوں کا بھی یہی نظریہ ہے کہ

وہی خدا کی محبوب ترین قوم ہے اور نجات صرف یہودیوں کے لیے ہے۔ قرآن مجید نے ان کے تعصبات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

﴿ نَحْنُ أَبْنَٰٓؤُا۟ ٱللَّهِ وَأَحِبَّٰٓؤُهُۥ ﴾ (۷۱)

(ہم خدا کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں)

دین اسلام نے عالمگیر معاشرے کی بنیاد رکھی، اور اعلان کیا کہ اللہ رب العالمین ہے، یعنی وہ صرف مسلمانوں کا نہیں، بلکہ تمام جہانوں کا پالنہار ہے۔ آپ ﷺ کے متعلق فرمایا گیا:

﴿ وَمَآ أَرْسَلْنَٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَٰلَمِينَ ﴾ (۷۲)

(ہم نے تجھے تمام دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔)

یعنی رسول کریم ﷺ صرف مسلمانوں کی طرف ہی نہیں، بلکہ دنیا کے تمام لوگوں کی ہدایت کے لیے مبعوث کیے گئے ہیں۔

معاشرتی استحکام اور پاکستان:

مملکت خداداد پاکستان کو آج گوناگوں مسائل کا سامنا ہے۔ ان میں دہشت گردی، کرپشن، رشوت، سود، افلاس، بیروزگاری، خاندانی انتشار مذہبی فرقہ پرستی، مغرب کی اندھی تقلید، بے دینی، کفر و الحاد، بے جا آزادی نسواں کا مطالبہ، اخلاقی قدروں کی پامالی اور مسئلہ کشمیر سر فہرست ہیں۔ معاشرتی استحکام کے لیے ان مسائل کا تسلی بخش حل ضروری ہے۔

وطن عزیز پاکستان میں قائم ہونے والی حکومتوں کا قیام و استحکام معاشرہ میں مخلص نہ ہونا بجائے خود ایک عظیم لمحہ فکریہ ہے، کیونکہ اقتدار کے حصول و تحفظ کی خاطر تمام شرعی، اخلاقی اور ملکی قوانین نظر انداز کر دیے جاتے ہیں۔

موجودہ دور میں دہشت گردی، تخریب کاری، ڈاکہ زنی رہزنی، بے حیائی اور دیگر اخلاقی اقدار کی پامالی کا سبب نوجوان نسل کی تربیت کا فقدان ہے۔ نوجوان نسل کی صحیح خطوط پر تربیت سے ہی پاکستانی معاشرہ ایک مثالی معاشرہ بن سکتا ہے۔

معاشرتی استحکام کے لیے ضروری ہے کہ لوگوں کو روزگار کے مواقع فراہم کیے جائیں، معقول تنخواہیں دی جائیں، گداگری کو ختم کرنے کے لیے مناسب اقدامات کئے جائیں، جرائم کو ختم کرنے کے لیے اسلامی حدود کا نفاذ کیا جائے۔

پاکستانی معاشرتی ڈھانچہ اور اس کے اندر جاری و ساری تمدنی روح دونوں ہی ناہمواریوں کا شکار اور خستہ حال ہیں۔ دین سے محبت اور حب الوطنی کے جذبات رکھنے والے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ حالات کی نزاکت کے مطابق اپنی ذمہ داریوں پر غور کریں اور تمام بے جا قسم کی گروہی تعصبات سے بالاتر ہو کر پاکستان کے تحفظ کا سوچیں۔ چند اہم اقدامات ذیل کی سطور میں تحریر کئے جا رہے ہیں:

☆ نظام تعلیم کی تشکیل نو کی جائے۔

☆ عدلِ اجتماعی قائم کیا جائے۔

☆ معاشرتی ناہمواریاں اور طبقاتی کشمکش کو ختم کیا جائے۔

☆ عائلی نظام کو اسوۂ حسنہ پر استوار کیا جائے۔

☆ دور حاضر کے فتنہ اباحیت کو روکنے کی کوشش کی جائے۔

☆ ملک میں قانون کی حکمرانی کو یقینی بنایا جائے۔

☆ حدود اور تعزیرات اسلامی کو فی الفور نافذ کیا جائے۔

☆ فرقہ واریت کے خاتمے کے لئے علمائے کرام اپنی ذمہ داریوں کو نبھائیں۔

☆ دوہرا نظام تعلیم ختم اور اس کی نصاب میں جدت لائی جائے۔

☆ شر کا باعث عناصر کا قلع قمع کیا جائے۔

☆ خائن ملازمین کی بروقت گرفت کر کے ان کو قانون کے حوالے کیا جائے۔

☆ انصاف کی دستیابی ہر سطح پر اور فوری ہو۔

☆ دیانتدار لوگوں کو محتسب لگایا جائے۔

☆ مسلمان ممالک کے ساتھ باہمی تعلقات کو فروغ دیا جائے۔

☆ پورے معاشرے میں اسلامی نظام کا نفاذ صحیح روح کی ساتھ کیا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا بھر کے مسلم ممالک کی فلاح و بہبود کا انحصار درج بالا اور انہی جیسے دیگر اقدامات پر ہے۔ تاکہ امت مسلمہ اپنے معاشروں کو بحران سے نکال کر نئے پاکیزہ معاشرے کی تصویر ساتھ لے کر ساری دنیا میں ایمان آور قدروں کے احیاء کا پیغام پہنچائیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱) سورۃ الحجرات:۱۳

۲) سورۃ النساء:۱

۳) ابن ہشام، عبد الملک، السیرۃ النبویۃ (مکتبہ الریاض، الریاض) 4/41-40

۴) سورۃ الاسراء:۷۰

۵) سورۃ الانعام:۱۳۲

۶) احمد بن حنبل، مسند احمد (دار الفکر، بیروت) ۵/۵۱۱

۷) سورۃ البقرہ:۲۱۳

۸) سورۃ یونس:۱۹

۹) ترمذی، محمد بن عیسیٰ، ابو عیسیٰ، السنن (دار السلام، الریاض، ۱۹۹۹ء) رقم الحدیث:۲۵۱۵

۱۰) قشیری، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح (دار السلام، الریاض، ۱۹۹۹ء)، رقم الحدیث:۲۳۷

۱۱) سورۃ الاحقاف:۱۳

۱۲) مسلم، الجامع الصحیح، رقم الحدیث:۱۵۱

۱۳) سورۃ الاحزاب:۲۱

۱۴) سورۃ الحشر:۷

۱۵) سورۃ آل عمران:۳۱

۱۶) ترمذی، السنن، رقم الحدیث:۲۵۱۵

۱۷) سورۃ اسرائیل:۷۰

۱۸) سورۃ التین:۴

۱۹) سورۃ المائدہ:۸

۲۰) سورۃ النساء:۵۸

۲۱) سورۃ الاعراف:۲۹

۲۲) مسلم، الجامع الصحیح، رقم الحدیث:۷۲۲۱، نسائی السنن، رقم الحدیث:۵۳۹۴

۲۳) مستطرف، ۱/۱۰۲

۲۴) سورۃ آل عمران:۱۱۰

۲۵) سورۃ المائدہ:۷۹

۲۶) سورۃ الحج:۴۱

۲۷) مسلم، الجامع الصحیح، رقم الحدیث:۱۷۷

۲۸) سورۃ النحل:۹۰

۲۹) ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، السنن (دار السلام، الریاض، ۲۰۰۰ء) رقم الحدیث:۴۳۴۰۔ ترمذی، السنن، رقم الحدیث:۲۱۷۲

۳۰) بخاری، الجامع الصحیح، رقم الحدیث:۲۶۸۶

۳۱) ابو داؤد، السنن، رقم الحدیث:۴۳۳۸

۳۲) ابن ماجہ، محمد بن یزید، السنن (دار السلام، الریاض، ۱۹۹۹ء) رقم الحدیث:۴۰۰۹

۳۳) سورۃ آل عمران:۱۰۳

۳۴) سورۃ آل عمران:۱۰۵

۳۵) سورۃ الانفال:۴۶

۳۶) سورۃ الانفال:۶۳

۳۷) سورۃ حٰم السجدہ:۳۴

۳۸) بخاری، الجامع الصحیح، رقم الحدیث:۶۰۲۶

۳۹) سورۃ یونس:۶۲

۴۰) سورۃ الانعام:۱۶۴

۴۱) سورۃ البقرہ:۲۸۶

۴۲) سورۃ المائدہ:۱۰۵

۴۳) بخاری، الجامع الصحیح، رقم الحدیث:۸۹۳

۴۴) ہندی، علی المتقی، کنز العمال، ۲/۱۷۳

۴۵) ہندی، علی المتقی، کنز العمال، ۲/۴۳

۴۶) سورۃ النور:۱۲

۴۷) سورۃ الاحزاب:۲۴

۴۸) سورۃ الحجرات:۱۲

۴۹) مسلم، الجامع الصحیح، رقم الحدیث:۱۸۵۴

۵۰) سورۃ المطففین:۳،۲،۱

۵۱) بخاری، الجامع الصحیح، رقم الحدیث:۸۹۳

۵۲) سورۃ الحجرات:۱۰

۵۳) ترمذی، السنن، رقم الحدیث:۲۶۷۶

۵۴) سورۃ المومنون:۸

۵۵) سورۃ المائدہ:۱

۵۶) سورۃ الرعد:۲۰

۵۷) بخاری، الجامع الصحیح، رقم الحدیث:۳۴

۵۸) سورۃ المائدہ:۳۸

۵۹) سورۃ البقرہ:۲۲۹

۶۰) سورۃ البقرہ:۱۷۸

۶۱) سورۃ ہود:۸۵

۶۲) احمد بن حنبل، المسند (مؤسسۃ قرطبۃ، القاہرۃ) رقم الحدیث:۶۶/۵

۶۳) سورۃ البقرہ:۱۷۷

۶۴) سورۃ البقرہ:۲۵۶

۶۵) چیمہ، غلام رسول، اسلام کا عمرانی نظام، ص:۴۵

۶۶) سورۃ البقرہ:۲۲۸

۶۷) سورۃ النساء:۱

۶۸) سورۃ المائدہ:۱۸

۶۹) الانبیاء:۱۰۷

****

عدل اجتماعی کے تصورات کا جائزہ و اہمیت

(قرآن وحدیث اور عالمی مذاہب کے تناظر میں)

Significance and analysis of the concepts of Collective Jusitce

(in the light of Quran-o-Sunnah & world reliogions)

ڈاکٹر آسیہ رشید*

ABSTRACT

Human beings have been created in proportion and perfection by the Creator, as He is Just and Fair and likes justice and fairness in making and implementing laws. Justice is the key on every level from individual to State and interstate for peaceful and smooth functioning. Justice holds universal acceptance from the laws of nature to the creation of beings, while injustice leads to chaos. It causes the decline and disgrace among civilized societies.

The chaos and terrorism in contemporary world is all because of injustices by individuals and by the States. The teachings of the messangers of Allah were to create the justice and equality at every level in the society. Deviation from the teachings of Allah and His messangers with respect to justice is a way towards destruction. Any nation that forgoes justice becomes victim of injustice itself and the consequences are ultimate anarchy and chaos.

Islam as a universal religion demands the justice in every sphere of life. Islam and its teachings are for peace and prosperity. It promulgates and promotes human dignity and the value of Justice, equality and peace. Today the Ummah is in desperate need of adopting and practicing justice and fairness as the Creator has shown in His Word and Work.

Keywords: *Collective justice, Quran-o-Sunnah, World Religions, human dignity, value of Justice.*

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، نمل، اسلام آباد

اللہ نے انسان کو بہترین، متناسب اور تعدیل کے ساتھ تخلیق کیا، اس لئے کہ اللہ عادل ہے اور عدل کو پسند کرتا ہے[1]۔ عدل انسانی فطرت بھی ہے اور انسانی ساخت میں بھی شامل ہے۔ متوازن و معتدل زندگی گزارنے اور امن و امان کو برقرار رکھنے کے لئے نیز کسی بھی قوم کی نظریاتی و تمدنی بنیادوں کو مستحکم رکھنے کے لئے حکومتی اور معاشرتی سطحوں پر عدل کا قیام انتہائی ناگزیر ہے۔ عدل کو آفاقی حقیقت کا درجہ حاصل ہے۔ دنیا کا کوئی بھی معاشرہ ہو خواہ مسلم معاشرہ یا غیر مسلم، اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ عدل کی تلقین کم و بیش تمام مذاہب میں کی گئی ہے۔

عدل اجتماعی کے بغیر سماج کی پیچیدگیوں، بے چینی، بدامنی اور انتشار سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ معاشرے کی ساری ٹوٹ پھوٹ، لوگوں کے مزاج میں عود کر آنے والے ہیجان و اضطراب اور تیزی سے بڑھتی ہوئی عدم برداشت کی کیفیت، داخلی خلفشار دہشت گردی کے رجحانات کو پختہ کرنے والی انتہا پسندی کے پیچھے کارفرما عوامل کا کھوج لگائیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب عدل اجتماعی کے فقدان کا ہی نتیجہ ہے۔ انبیاء کی بعثت کا ایک بنیادی مقصد یہ بھی تھا کہ معاشرے میں عدل و انصاف کا قیام ہو، چاہے وہ معاشرتی عدل ہو یا معاشی، قانونی عدل ہو یا سیاسی اور مذہبی۔

نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد بھی احکام الٰہی کے نفاذ کے ساتھ ساتھ نظام عدل قائم کر کے دنیا میں انسانوں کے رائج کئے گئے جابرانہ و ظالمانہ نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا تھا۔ عدل سے مراد باہمی تعلقات اور لین دین میں دیانتداری، عدالتی معاملات میں سچی گواہی اور عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے، انفرادی اور اجتماعی معاملات میں اعتدال کو اپنا کر افراط و تفریط سے بچنا ہے۔ عدل ظلم کی ضد ہے۔ ظلم معاشرے کے لئے تباہی کا باعث بنتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُونُواْ قَوَّٰمِينَ لِلَّهِ شُهَدَآءَ بِٱلْقِسْطِۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَـَٔانُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُواْۚ ٱعْدِلُواْ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰۖ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَۚ إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرُۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴾[2]

(اے ایمان والو! اللہ کی خاطر قائم رہنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو۔ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر مشتعل نہ کر دے کہ تم عدل کو چھوڑ دو۔ عدل کیا

کرو، یہی بات تقویٰ کے قریب تر ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ جو کچھ تم کرتے ہو یقیناً اللہ اس سے باخبر ہے)

زندگی کے ہر شعبے میں قیام عدل کے لئے قرآن و نبی کریم ﷺ کی تعلیمات میں مکمل راہنمائی فراہم کر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۖ وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾ (۳)

(بلاشبہ ہم نے رسولوں کو واضح دلائل دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔ اور لوہا (بھی) نازل کیا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لئے اور بھی فائدے ہیں اور اس لئے بھی کہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ اسے دیکھے بغیر کون اس کی اور اس کے رسول کی مدد کرتا ہے اور اللہ بڑا طاقتور ہے اور زبردست ہے)۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی فرماتے ہیں:

"'میزان' یعنی وہ معیار حق و باطل جو ٹھیک ٹھیک ترازو کی طرح تول تول کر یہ بتادے کہ افکار، اخلاق اور معاملات میں افراط و تفریط کی مختلف انتہاؤں کے درمیان انصاف کی بات کیا ہے؟ انبیاء کے مشن کے فوراً بعد معاً بعد یہ فرمانا خود اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہاں لوہے سے مراد سیاسی و جنگی طاقت ہے اور کلام کا مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو قیام عدل کی محض اسکیم پیش کر دینے کے لئے مبعوث نہیں فرمایا تھا، بلکہ یہ بات بھی ان کے مشن میں شامل تھی کہ اس کو عملاً نافذ کرنے کی کوشش کی جائے اور وہ قوت فراہم کی جائے جس سے فی الواقع عدل قائم ہو سکے، اسے درہم برہم کرنے والوں کو سزا دی جاسکے اور اس کی مزاحمت کرنے والوں کا زور توڑا جاسکے"۔ (۴)

عدل کی لغوی و اصطلاحی تعریف

لغت کے اعتبار سے عدل کے معنیٰ برابری اور انصاف کے ہیں، یعنی کسی چیز کو دو ایسے حصوں میں تقسیم کر دینا کہ کسی ایک میں کمی بیشی نہ ہو، عدل کہلاتا ہے۔ لیکن حقیقتاً کسی شے کا ٹھیک اپنے محل اور حدود کے اندر ہونے کا نام عدل ہے۔ ہر جگہ ناپی تولی ہوئی برابری عدل نہیں ہوتی۔ بلکہ حقوق کا توازن و

تناسب کے ساتھ ادا کرنا عدل کہلاتا ہے۔ عدل، ظلم و جور کی ضد ہے اور عدل کے معنیٰ ہر حق دار کو اس کا حق بغیر کسی کمی بیشی کے دلانا ہے۔ یعنی کسی معاملے میں افراط و تفریط کے بغیر[۵]۔

کلمہ عدل کے مترادف الفاظ القسط، الانصاف ہیں۔ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

أَنه مُسْتقيم، وَهُوَ ضِدُّ الجَوْر. العَدْلُ مِنْ أَسْمَاءِ اللهِ سُبْحَانَهُ هو الَّذِي لَا يَمِيلُ بِهِ الْهَوَى والعَدْلُ: الحُكْم بِالْحَقِّ[۶]

(عدل کا معانی "سیدھا" ہے اور یہ جور کی ضد ہے۔ عدل لفظ اللہ کے ناموں میں سے ہے، یعنی وہ خواہشات کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ عدل حق کے ساتھ فیصلہ کرنے کو کہتے ہیں۔)

امام جرجانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

اَلْعَدْلُ: الأَمْرُ مُتَوَسِّطٌ بَيْنَ الْإِفْرَاطِ وَالتَّفْرِيْطِ[۷]

(عدل افراط و تفریط کے درمیان متوسط کام کو کہتے ہیں)

ابو بکر رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"قد انتظم العدل فی العمل والقول قال الله تعالی ﴿وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا﴾[۸]

(تحقیق کہ اپنے عمل اور قول کو عدل کے ساتھ منظم کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب بھی بات کرو تو عدل کے ساتھ کرو)۔

عبرانی میں صداقاۃ اور مشپاط اور Tzedek یا Tzedakah بولا جاتا ہے۔ انگریزی میں Justice اردو لغت میں اس کا ہم معنی لفظ 'انصاف' ہے

سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول:

"کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں اس طرح بانٹ دیا جائے کہ ان دو میں سے کسی میں ذرہ بھی کمی یا بیشی نہ ہو تو اس کو عربی میں "عدل" کہتے ہیں اور اسی سے وہ معنیٰ پیدا ہوتے ہیں جن میں ہم اس لفظ کو اپنی زبان میں بولتے ہیں۔ یعنی جو بات ہم کہیں یا جو کام کریں"۔[۹]

مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ عدل کا تصور دو مستقل حیثیتوں سے قریب ہے۔ ایک یہ کہ لوگوں کے درمیاں حقوق میں توازن و تناسب قائم ہو دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے

سے دیا جائے۔ اردو زبان میں اس کا مفہوم انصاف سے کر دیا جاتا ہے کہ دو آدمیوں میں تقسیم نصف نصف کی بنیاد پر ہو، اس سے عدل کے معنیٰ مساویانہ حقوق مراد لے لیے جاتے ہیں۔ در اصل عدل جس چیز کا تقاضا کرتا ہے وہ توازن و تناسب ہے، نہ کہ برابری۔ بعض حیثیتوں سے تو عدل بے شک معاشرے میں برابری چاہتا ہے، مثلاً حقوق شہریت میں، مگر بعض دوسری حیثیتوں سے مساوات بالکل خلاف عدل ہے۔ مثلاً والدین اور اولاد کے درمیان معاشرتی اور اخلاقی مساوات اور اعلیٰ درجہ کی خدمات انجام دینے والوں اور کمتر درجے کی خدمات ادا کرنے والوں کے درمیان معاوضوں کی مساوات[۱۰]۔

بعض لوگ عدل و مساوات کا عام مفہوم لے کر غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ حالانکہ عدل کا معنیٰ ہر طرح پر مساوات لینا مشکل اور محال اور بعید از عقل و فراست ہے، بلکہ عدل کا معنیٰ جو چیز کسی محل کے قابل ہو۔ اس کو اپنے محل میں استعمال کرنا ہے۔ مرد کو مرد کے حقوق اور عورت کو عورت کے حقوق دینا عدل ہے۔ ان دونوں میں ہر طرح سے برابری کا نام عدل نہیں ہو سکتا[۱۱]۔

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُونُواْ قَوَّٰمِينَ لِلَّهِ شُهَدَآءَ بِٱلْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَـَٔانُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُواْ ۚ ٱعْدِلُواْ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ ﴾[۱۲]

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے، کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔)

شیخ الہند نے اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں لکھا ہے کہ قوامین للہ میں حقوق اللہ کی طرف اور شہداء بالقسط میں حقوق العباد کی طرف اشارہ ہے۔ عدل کا مطلب ہے کسی کے ساتھ بدون افراط و تفریط معاملہ کرنا جس کا وہ واقعی مستحق ہے عدل و انصاف کی ترازو ایسی صحیح اور برابر ہونی چاہیے کہ عمیق سے عمیق محبت اور شدید سے شدید عداوت اس کے دونوں پلڑوں میں سے کسی کو جھکا نہ سکے۔ معلوم ہوتا ہے کہ "عدل و قسط" یعنی دوست دشمن کے ساتھ یکساں انصاف کرنا اور حق کے معاملے میں جذبات محبت و عداوت سے قطعاً مغلوب نہ ہونا، یہ فضیلت حصول تقویٰ کے مؤثر ترین اور قریب ترین اسباب میں سے ہے[۱۳]۔

عدل کی تاریخ:

دنیا کے مختلف معاشروں میں ہمیں اجتماعی عدل کا فقدان نظر آتا ہے۔ مسیحیت رومن امپیریلزم (Imperialism) کے زیر سایہ پروان چڑھی، اس وقت یہودیت جمود کا شکار ہو کر بے جان رسموں اور کھوکھلے بے روح مظاہر میں تبدیل ہو چکی تھی۔ رومن ایمپائر کے پاس اس کے وہ مشہور قوانین تھے جو اب بھی یورپ کے قوانین کا منبع ہیں۔ رومن سماج اپنی مخصوص سماجی قدریں اور خود بنایا ہوا اجتماعی نظام رکھتا تھا۔ مسیحیت نے رومن سماج کو کوئی نیا نظام یا نئے قوانین نہیں دیے بلکہ یکسو ہو کر روحانی تزکیہ و تطہیر پر زور دینا ضروری سمجھا ہے۔ مسیحیت نے خواہشات نفس پر قابو پانا سکھایا جس سے انسان پر فکر آخرت دنیاوی ضروریات پر غالب ہو گئی اور ان کی اصل منزل عالم خیال کی مقدس تمنائیں قرار پائیں۔ اس کی خاطر اس نے اجتماعی زندگی کو حکومت وقت کے حوالے کر دیا۔ کہ وہ اپنے سیکولر قانون کے ذریعے اس کی تنظیم عمل میں لائے۔ اس طرح کی ریاست میں عدل وانصاف کس طرح میسر ہو سکتا تھا؟

چونکہ اہل یورپ نے دین و دنیا کو الگ رکھا اور یہاں سے ان کے ہاں تفریق دین و دنیا پیدا ہوئی۔ یورپ ہمیشہ عملی زندگی کی تنظیم و تعمیر سے کنارہ کش رہا۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اگر چرچ معاشرتی و سیاسی زندگی سے کنارہ کش رہتا تو مذہبی افراد کے لئے ممکن نہ تھا کہ وہ اپنے مادی مفادات کا تحفظ کر سکیں، اپنے اثر و رسوخ کو قائم رکھ سکیں اس کے لئے ضروری تھا کہ چرچ امراء کے مدّ مقابل ایک قوت بن کر ابھرے، بعض ادوار میں تو چرچ کو اس قدر غلبہ حاصل تھا کہ جو کسی طرح بھی بادشاہوں کے غلبے سے کم نہ تھا۔ اس کے نتیجے میں ریاست اور چرچ انتظامیہ کے مابین کشمکش کا آغاز ہوا اور عوام نے چرچ کا ساتھ دیا۔ جب ان دونوں طاقتوں میں صلح ہوئی تو دونوں کے اپنے مفادات تھے اور سارا جھگڑا دنیاوی اقتدار کا تھا۔ یورپ کی زندگی میں مذہب اور سائنس اور چرچ اور فکر و نظر کے درمیان کشمکش کا آغاز یہیں سے ہوا۔

اسلام کی نشوونما ایک قبائلی بدوی معاشرہ میں ہوئی۔ یہ دین کی ابتدائی نشوونما کے لیے سازگار ترین حالات تھے۔ کیونکہ اسے بِلا کسی حقیقی رکاوٹ کے ایسا معاشرہ تیار کرنے کا موقع ملا، جو یہ قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس معاشرہ کی تنظیم کے لیے قانون سازی اور اس کی نشوونما اور بقاء کے لئے مختلف تدابیر اختیار کی گئیں۔

اسلام صرف عبادت پر زور نہیں دیتا بلکہ اجتماعی زندگی اس کا اثاثہ ہے۔اس کی ترغیب ہمیں قرآن نے دی اور اس کی تاکید محمد رسول اللہ ﷺ نے کی۔اسلام کے اصل منبع کے قریب رہنے والے مخلص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم نے بھی یہی سمجھا۔

قرآن میں اللہ رب العالمین فرماتے ہیں :

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا نُودِىَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوْمِ ٱلْجُمُعَةِ فَٱسْعَوْاْ إِلَىٰ ذِكْرِ ٱللَّهِ ﴾(۱۵)

(اے ایمان والو!جمعہ کے دن جب نماز کے لیے اذان دی جائے تو ذکر الٰہی کی طرف دوڑ کر آؤ)۔

نماز اور دیگر فرائض کی ادائیگی کے بعد جو وقت بچتا ہے،وہ سعی و عمل اور زندگی کی جدوجہد کے لیے فارغ ہے۔اسی میں انسان عملی زندگی کے تقاضے پورا کرتا ہے۔اللہ رب العالمین فرماتے ہیں:

﴿ وَجَعَلْنَا ٱلَّيْلَ لِبَاسًا ٥ وَجَعَلْنَا ٱلنَّهَارَ مَعَاشًا ﴾ (۱۶)

(اور رات کو پردہ پوش بنایا۔اور دن کو معاش کا وقت بنایا)۔

اسلام میں عبادات محض مراسم بجالانے کا نام نہیں بلکہ پوری زندگی کا ہر لمحہ احکام الٰہی کے تابع کرنے کا نام ہے یہ بھلے اور نیک کام اور اجتماعی خدمت عبادت میں شمار ہوتے ہیں(۱۷)۔

دنیا کے مختلف معاشروں میں تصور عدل

یہودی تصور عدل: موجودہ موسوی شریعت میں ہمیں قانون عدل کی لچک کہیں نظر نہیں آتی اور نہ ہی عفو و درگزر کی کوئی صورت،تورات کی کتاب احبار میں ہے:

"اور جو انسان مار ڈالے گا سو مار ڈالے گا۔توڑنے کے بدلے میں توڑنا،آنکھ کے بدلے میں آنکھ دانت کے بدلے میں دانت"(۱۸)

دوسری بات جو یہودی تصور عدل میں پائی جاتی ہے وہ اسرائیلی اور غیر اسرائیلی میں امتیاز ہے۔ایک ہی معاملہ اگر یہودی کے ساتھ کیا جاتا تو وہ ناجائز قرار اور اگر غیر یہود سے کیا جاتا تو جائز مثلاً:

"جو قرض ایک شخص نے دوسرے کو دیا ہو وہ سات سال بعد ضرور معاف کر دیا جائے مگر پردیسی سے تو اس کا مطالبہ کر سکتا ہے"(۱۹)

"سود لینا ممنوع ہے، باپ بھائی کو سود پر قرض نہ دیتا، مگر پردیسی کو سود پر قرضہ دیا جا سکتا ہے۔"(۲۰)

عہد نامہ عتیق اور تالمود اسرائیلی اور غیر اسرائیلی کے درمیان تفریق کرتی ہے۔(۲۱)

سید ابو الاعلیٰ مودودی بیان کرتے ہیں:

"تالمود میں کہا گیا ہے کہ اگر اسرائیلی کا بیل کسی غیر اسرائیلی کے بیل کو زخمی کر دے تو اس پر کوئی تاوان نہیں، مگر غیر اسرائیلی کا بیل اگر اسرائیلی کے بیل کو زخمی کرے تو اس پر تاوان ہے۔ اگر کسی شخص کو کسی جگہ کوئی گری ہوئی چیز ملے تو اسے دیکھنا چاہیے کہ گردوپیش آبادی کن لوگوں کی ہے اگر اسرائیلیوں کی ہو تو اسے اعلان کرنا چاہیے۔ غیر اسرائیلیوں کی ہو تو اسے بلا اعلان وہ چیز اپنے پاس رکھ لینی چاہیے۔ ربیّ اشماعیل کہتا ہے "اگر امی اور اسرائیلی کا مقدمہ قاضی کے پاس آئے تو قاضی اگر اسرائیلی قانون کے مطابق اپنے مذہبی بھائی کو جتوا سکتا ہو تو اس کے مطابق جتوائے اور کہے کہ یہ ہمارا قانون ہے۔ اگر امیوں کے قانون کے تحت جتوا سکتا ہے تو اس کے تحت جتوائے اور کہے کہ یہ تمہارا قانون ہے اگر دونوں قانون ساتھ نہ دیتے ہوں تو پھر جس حیلے سے بھی وہ اسرائیلی کو کامیاب کر سکتا ہو، کرے۔ ربیّ شموایل کہتا ہے کہ "غیر اسرائیلی کی ہر غلطی سے فائدہ اٹھایا جائے۔"(۲۲)

عدل و انصاف کے اس تصور نے یہود میں برائیاں پیدا کر دی تھیں اور کر دی ہیں۔ یہود کے قانون میں لچک کے فقدان نے انہیں سخت مزاج درشت بنا دیا تھا۔ قرآن نے بھی اس کا ذکر کیا ہے(۲۳)۔

یہود' اسرائیل اور غیر اسرائیل میں امتیاز برتتے تھے۔ اس سے ان میں تکبر و نخوت کوٹ کوٹ کر بھر گئی۔ قرآن نے اس کا بھی ذکر کیا ہے(۲۴)۔

چونکہ یہود خود کو اللہ کی لاڈلی قوم سمجھتے۔ وہ کہتے تھے کہ دوزخ کی آگ ہمیں چھوئے گی نہیں، مگر چند دن۔ قرآن کریم میں ہمیں اس کا بھی تذکرہ ملتا ہے(۲۵)۔ اسرائیلیوں کے اس قانون امتیاز نے انہیں اتنا دلیر کر دیا کہ انہوں نے اسرائیلی فرد کے لیے شرعی قوانین میں بھی ترمیم شروع کر دی(۲۶)۔

آج ہم اپنے معاشرے میں دیکھتے ہیں کہ سود خوری اس وقت دنیا کی ۸۰ فیصد معاشیات پر قابض ہے۔اس پر تمام مسلم علماء، اسکالرز، سائنسدان اور معاشی ماہرین کو سوچنے اور کوئی ایسی پالیسی بنانے کی ضرورت ہے۔

عیسوی تصور عدل: موسوی تصور عدل میں ہمیں درگزر کی کوئی گنجائش نہیں ملتی۔ جبکہ عیسوی عدل اس کے بالکل برعکس ہے۔ایک طرف ہمیں افراط نظر آتا ہے تو دوسری طرف تفریط۔ یہاں سب کچھ عفو و درگزر کے حوالے کر دیا گیا اور قصاص کی کوئی گنجائش نہیں۔

"کسی بدی کا بدلہ بدی سے نہ دو کیونکہ یہ کام تو حیوان بھی کرتے ہیں بدی نتیجہ نیکی کے ساتھ دو جو تم سے عداوت رکھے اس کے لیے دعا مانگو۔"(۲۷)

لوقا میں لکھا ہے کہ آگ آگ سے نہیں بجھائی جاتی، بلکہ پانی سے، اس لیے کہتا ہوں کہ بدی پر بدی غالب نہ آئے، بلکہ نیکی کے ذریعے سے (۲۸)۔

عیسائی بھی کلام الٰہی میں تحریف کے مرتکب ہوئے تھے (۲۹)۔

یہودیوں کی طرح عیسیٰ علیہ السلام بھی صرف بنی اسرائیل کے لیے آئے تھے۔لہٰذا یہ بھی اپنے آپ کو باقی اقوام سے برتر اور خدا کا چہیتا سمجھنے لگے (۳۰)۔

پھر عیسوی تصور عدل میں عفو و درگزر کی تعلیم تھی جو فطرت انسانی سے بھی متضاد تھی، اس لیے دیندار طبقہ نے ترکِ دنیا اور رہبانیت اپنائی (۳۱)۔

جس معاشرے میں تعزیرات و قصاص کا قانون سرے سے ہی نہ ہو، وہاں امن و امان کیسے برقرار رہ سکتا ہے؟

عہد جاہلیت میں نظام عدل:

عرب عدل کو بہت اہمیت دیتے تھے۔شہر میں مختلف قبائل رہتے تھے اور کسی ایک قبیلہ کے سپرد تنازعات کا تصفیہ تھا۔سردار قبیلہ یہ فرض سرانجام دیتا تھا۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی یہ خدمت انجام دی تھی۔ مجرم کو قتل کرنے کا حق مقتول کے ورثاء یا سردار قبیلہ کو پہنچتا تھا۔لیکن جرمانے یا ایک سو اونٹ کے معاوضے پر راضی نامہ بھی ہو سکتا تھا۔حدود کی بہت سخت سزائیں ہوتی تھیں۔ مثلاً چور کے ہاتھ کاٹے جاتے اور زانی کو سنگسار کیا جاتا یا کوڑے لگائے جاتے۔اسلام نے جاہلیت کے بعض رسم و

رواج سے فائدہ اٹھایا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے صرف ان رسوم سے استفادہ کیا کہ جو قرآنی احکامات کے مطابق تھے اور جنہیں عقلِ سلیم بھی تسلیم کرتی تھی۔ عربوں میں نظام عدل کی درج ذیل شکلیں رائج تھیں(۳۲)۔

- پنچائیت
- پیچیدہ مقدمات میں کاہنوں سے رجوع کیا جاتا تھا، جو مذہبی پیشوا یا علم غیب کے مدعی تھے۔
- تحکیم، یعنی ثالث یا حکم کا کام ادا کرنے والی بعض شخصیتیں۔ مثلاً ایک مشہور حکم عامر بن ظرب العدوانی تھا۔

ان تین طریقوں کے علاوہ ایک اور غیر معمولی طریقہ بھی زمانۂ جاہلیت کے دور میں پایا جاتا تھا۔ شہر مکہ میں ''حلف الفضول'' نام کا ایک ادارہ قائم تھا۔ یہ ایک اجتماعی حلف تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ شہری حدود میں جو مظلوم پائے جائیں، ان کی مدد کی جائے اور ظالم کو سزا دی جائے۔ نبی کریم ﷺ نے بھی اس معاہدے میں شرکت فرمائی تھی۔ یہ ادارہ بنو امیہ کے عہد تک قائم رہا(۳۳)۔ مکہ کی شہری ریاست میں بھی نظام عدل موجود تھا اور تین طریقوں کی شکل میں پایا جاتا تھا(۳۴)۔

- ضلعی کونسل (الاسراہ)
- مجلس اعلیٰ (دار الندوہ)
- کثیر المقاصد ادارے

اسلام میں عدل کی اہمیت:

قرآنی تصور عدل: قرآن و سنت کی بہت سی نصوص میں عدل کا حکم کی فضیلت کا بیان آیا ہے۔ عدل کے متضاد عمل کا نتیجہ ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يَأۡمُرُكُمۡ أَن تُؤَدُّواْ ٱلۡأَمَٰنَٰتِ إِلَىٰٓ أَهۡلِهَا وَإِذَا حَكَمۡتُم بَيۡنَ ٱلنَّاسِ أَن تَحۡكُمُواْ بِٱلۡعَدۡلِۚ إِنَّ ٱللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِۦٓۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ سَمِيعَۢا بَصِيرَۢا ﴾ (۳۵)

(مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو، اللہ تم کو نہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے اور یقناً اللہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے۔)

امر یہاں وجوب کے لیے ہے، جو کہ مسلم و کافر سب کو شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عدل کو ہر ایک کے لیے، ہر ایک پر، ہر حال میں واجب کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُونُواْ قَوَّٰمِينَ لِلَّهِ شُهَدَآءَ بِٱلْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَـَٔانُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُواْ ۚ ٱعْدِلُواْ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ﴾ (۳۶)

(اے لوگو، جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔)

عدل و انصاف کی عدم دستیابی سے انسانی معاشرہ کا امن و سکون ختم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے بندوں کو عدل کی خاص طور پر بار بار تاکید کی ہے۔ مثلاً

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يَأْمُرُ بِٱلْعَدْلِ ﴾ (۳۷)

(بے شک اللہ تعالیٰ عدل کا حکم فرماتا ہے۔)

﴿ وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ ٱلنَّاسِ أَن تَحْكُمُواْ بِٱلْعَدْلِ ۚ ﴾ (۳۸)

(اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو۔)

سورۃ النسا میں اپنے نفس کے مقابلہ میں بھی عدل و انصاف سے کام لینا کا حکم فرمایا۔ فرمایا:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُونُواْ قَوَّٰمِينَ بِٱلْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰٓ أَنفُسِكُمْ أَوِ ٱلْوَٰلِدَيْنِ وَٱلْأَقْرَبِينَ ﴾ (۳۹)

(اے ایمان والو! انصاف کے علمبردار اور اللہ کے لیے گواہی دینے والے رہو خواہ تمہیں گواہی خود اپنے خلاف اور اپنے والدین اور اقربا کے خلاف دینی پڑے۔)

علامہ سید سلیمان ندوی اس آیت کے سلسلہ میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

"عدل و انصاف کی راہ میں ان دونوں سے بھی زیادہ ایک کٹھن منزل ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنے نفس کے مقابلہ میں بھی عدل و انصاف کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے"(۴۰)

لوگ اجتماعی عدل و انصاف کے فیصلہ یا گواہی میں اسی لیے غلط بیانی کرتے ہیں کہ جس فریق کی طرفداری مقصود ہے، اس کو فائدہ پہنچ جائے۔ تو ارشاد ہوا کہ اللہ اپنے امیر اور اور غریب دونوں بندوں کے حق میں تم سے زیادہ خیر خواہ ہے۔ تمہاری کم بین نظر تو آس پاس تک جا کر رہ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں سب کچھ ہے۔

عدل و انصاف کی اہمیت کا اس سے زیادہ ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے قول کے مطابق، جس کا مطلب و مفہوم یہ ہے کہ مسلمان حاکم اگر ظالم ہو تو اس کی حکومت تباہ ہو جاتی ہے اور اگر کافر حاکم انصاف پسند ہو تو اس کی حکومت باقی رہتی ہے۔ جناب رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"قیامت کے دن جب کہ خدا کے سایہ کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہ ہو گا۔ سات شخصوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے سایہ میں لے گا۔ جن میں سے ایک شخص امام عادل (منصف حاکم) ہو گا۔"(۴۱)

علامہ جلال الدین دوانی اپنی مشہور و معروف تصنیف "اخلاق جلالی" میں لکھتے ہیں:

"حضرت رسالت پناہ علیہ صلوات اللہ و سلامہ فرمودہ کہ نزدیک تریم مردمان بخدائے تعالیٰ از روئے منزلت در روز قیامت بادشاہ عادل است"

(حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن قدر و منزلت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ نزدیک شخص بادشاہ عادل ہو گا۔)

اس سے آگے علامہ صاحب کہتے ہیں:

"دور حدیث مصطفوی ست عدل ساعۃ بخیر من عبادۃ ستین سنۃ یعنی عدل یک ساعت بہتر از عبادت ہفتاد سال ست چہ اثر عدل یک ساعت بہمہ عبا عباد و در رہمہ بلادی رسد و متہائے متماوی می ماند"۔

(حدیث مصطفوی میں ہے کہ ایک ساعت یا ایک گھڑی ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے کیونکہ (بقول علامہ) ایک ساعت کا عدل تمام بندوں اور تمام شہروں تک پہنچتا ہے اور مدت دراز تک باقی رہتا ہے۔)(۴۲)

اسلامی حکومت جب ملوکیت میں بدل گئی اور حکمرانوں نے اپنی عیش پرستی کے لیے غریبوں کا استحصال کرنا شروع کیا تو معاشرے میں جرائم میں بھی اضافہ ہونے لگا۔ اس صورت حال نے فقہاء کو بہت پریشان کیا۔ چنانچہ انہوں نے چوری کی شرعی حد کی اس طرح تشریح کی کہ حکمرانوں کے لیے یہ ممکن نہ رہا کہ وہ اسے اپنے ذاتی مقاصد کے لیے استعمال کر سکیں۔ اس بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فتویٰ دیا کہ معاشرہ چونکہ اسلام کے عدل اجتماعی کی برکتوں سے محروم ہے اس لیے کسی چور کے ہاتھ نہیں کاٹے جا سکتے۔ ہاں اسے اس جرم سے باز رکھنے کے لیے قید میں ڈالا جا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس جرم کو دوبارہ نہ کرے۔ بعد ازاں مسلمان حکمرانوں نے چوروں کے ہاتھ کاٹنے کی بجائے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس فتویٰ کو اختیار کر لیا(۴۳)۔

عہد رسالت میں عدل: مسلمانوں کا نظام عدل اقوام عالم کے لیے صدیوں تک مشعلِ راہ بنا رہا۔ اور دوسری متمدن قوموں کے نظام ہائے عدل پر نمایاں فوقیت کا حامل رہا۔ برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کا آٹھ سو سال دور حکومت اسلامی قوانین کی ترویج میں نہایت اہم زمانہ ہے۔ عدل کو عربی میں قضاء بھی کہا جاتا ہے۔ ہر قوم اور تہذیب میں عدل و انصاف کا کچھ نہ کچھ تصور پایا جاتا ہے لیکن یہ تصور ہر زمانے میں ہر جگہ ایک سا نہیں رہتا۔ سو ہر قوم، ہر زمانے میں سزا کا تصور و معیار جداگانہ رہا۔

اسلامی عدل کا سب سے بڑا ماخذ رسالت مآب ﷺ کا مبارک عہد ہے۔ جس میں زمانہ جاہلیت کے تمام رسوم و رواج اور ادارے معطل قرار دیئے گئے۔ جس دستور پر مدینہ کی ریاست کی بنیاد پڑی، وہ دنیا کا بہترین دستور شمار کیا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی ذات مبارک سب سے افضل اور سب کے لیے قرار پائی۔ کیونکہ آپ ﷺ کی ذات عدل و انصاف کا آخری اور بہترین مرجع تھی۔ اس طرح مومنین کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا۟ فِىٓ أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا۟ تَسْلِيمًا ﴾(۴۴)

(اے رسول! تمہارے رب کی قسم لوگ اس وقت تک مومن کہلانے کے مستحق نہ ہوں گے جب تک کہ وہ اپنے باہمی تنازعات میں تم کو حکم نہ بنائیں اور پھر تم جو فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں کوئی بوجھ یا بھار محسوس نہ کرو اور تمہارے ہر حکم اور فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم نہ کریں۔)

نبی کریم ﷺ نے ہجرت سے پہلے ہی بیت عقبہ کی رو سے ہر قبیلے میں نقیب مقرر کیے گئے۔ اس کے علاوہ ایک عریف (دس آدمیوں پر ایک عہدہ دار) مقرر کیا۔ جب نقیب کے فیصلے سے ناراضگی ہوتی تو آنحضرت ﷺ کے پاس مرافع ہوتا تھا۔ مدینہ میں آنحضرت ﷺ نے قاضی مقرر فرمائے، جو فیصلہ کرتے تھے۔ (۴۵)

نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو گورنر مقرر کیا۔ یہ تمام عمال فیصلہ قرآن و حدیث کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کے عہد میں خطبہ حجۃ الوداع اسلامی عدل کے لیے ایک بہت بڑا پروانہ اور اعلان حقوق انسانی ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع کی مثال دنیا کے کسی تمدن میں موجود نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ کے عہد میں قضاۃ، احتساب، مصالحت، صدقات، پولیس، جلاد کا محکمہ قائم ہو چکا تھا۔ (۴۶)

عہد نبوی میں عدل اجتماعی کی چند مثالیں:

نبی کریم ﷺ جب بھی کسی کو حاکم بنا کر بھیجتے یا کسی سرکاری امور کی بجا آوری کے لئے روانہ فرماتے یا زکوۃ کی وصولیابی کے لئے تعینات کرتے تو عدل کا دامن تھامے رکھنے کی ہدایات صادر فرماتے۔ اس آسمان نے وہ دن بھی دیکھا جب خیبر کے یہود اس بات کے منتظر تھے کہ اب انہیں غلام بنا کر اسلامی افواج میں تقسیم کر دیا جائے گا، ان کی جائیدادیں اور تیار فصلیں اجاڑ دی جائیں گی اور ان کی خواتین کو بھی جانوروں کی طرح ہانک کر لے جایا جائے گا۔ کیونکہ اس وقت کا دستور یہی تھا، لیکن وقت کی رفتار تھم گئی۔ تاریخ انسانی نے مشاہدہ کیا کہ صفحۂ ہستی پر پہلی مرتبہ فاتح و مفتوح کے درمیان مذاکرات ہوئے اور فصلوں کی ایک نسبت کی تقسیم پر معاہدہ طے پا گیا اور پھر اگلی فصل پر جب ایک قاصد نبوی ﷺ خیبر پہنچا اور فصلوں کو نصف نصف تقسیم کیا گیا، تو اس قاصد نے یہود سے کہا کہ ان میں سے جو حصہ چاہو، لے لو اور جو چاہے، تم چھوڑ دو، وہ ہم لے جائیں گے۔ اس پر خیبر کے یہود بول اٹھے کہ خدا کی قسم! اسی عدل و انصاف

کا حکم ہمیں تورات میں دیا گیا تھا اور اسی عادل کے حامل کی پیشین گوئی تورات میں کی گئی تھی کہ وہ آخری نبی ﷺ ہوں گے ۔ایک مرتبہ ایک یہودی اور انصاری پیغمبروں علیہم السلام میں افضلیت پر بحث کر رہے تھے۔دوران بحث یہودی نے موسیٰ علیہ السلام کو اس انداز سے پیش کیا جیسے وہ محمد ﷺ سے افضل ہوں۔انصاری یہ برداشت نہ کر سکے اور اسے ایک تھپڑ رسید کر دیا۔یہودی نے حضور اکرم ﷺ کی عدالت میں شکایت پیش کی، فریقین کو سن کر حضور کریم ﷺ نے مقدمے کا فیصلہ فرمایا اور نصیحت کے طور پر کہا"دوسرے پیغمبروں پر میری فوقیت میں مبالغہ نہ کرو۔روز قیامت سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔میں جاگنے والوں میں سب سے پہلا ہوں گا اور دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے تخت کے برابر کھڑے ہیں(۴۷)۔

حضرت عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ کو خیبر کے یہودیوں نے شہید کر دیا۔مقتول کے وارث نے آنحضرت ﷺ کی عدالت میں مقدمہ پیش کیا، لیکن اس واقعہ کا کوئی عینی شاہد پیش نہ کر سکے تو آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک سو اونٹ خون بہا میں دلوا دیئے۔آنحضرت ﷺ کے پاس ایک شخص کسی آدمی کو پکڑ لایا، عرض کیا کہ اس آدمی نے میرے بھائی کو قتل کر دیا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ!اب اس کو بھی اسی طرح سے مار ڈالو۔قاتل نے اس شخص سے کہا کہ خدا سے ڈرو اور مجھے معاف کر دو، تمہارے لیے یہی بہتر ہے اور تمہارے بھائی کے لیے بھی یہی بہتر ہے کہ معاملہ یوم حشر پر چھوڑ دے۔اس پر اس شخص نے قاتل کو چھوڑ دیا۔بعد میں آنحضور ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ قصاص کے بدلے میں یہی بہتر تھا کہ مقتول حشر کے دن اللہ سے فریاد کرے کہ یا اللہ!اس شخص نے میری جان کیوں لی؟(۴۸)

ایک شخص سے آپ ﷺ نے کھجوریں قرض کے طور پر لیں۔چند روز کے بعد وہ تقاضے کے لیے آ گیا۔آپ ﷺ نے ایک انصاری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس کا قرضہ ادا کر دو۔انصاری رضی اللہ عنہ نے کھجوریں دیں لیکن وہ کم تر درجہ کی تھیں۔انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: تم رسول کریم ﷺ کی کھجوریں لینے سے انکار کرتے ہو؟بولا: ہاں!رسول اکرم ﷺ ہی عدل نہ کریں گے تو اور کون کرے گا؟آپ ﷺ کی آنکھوں میں پانی بھر آیا اور فرمایا کہ بالکل سچ ہے۔پھر آپ ﷺ نے بہتر کھجوریں دلوائیں۔ایک دفعہ آپ ﷺ نے ایک پیالہ مستعار لیا۔اتفاقاً وہ پیالا گم ہو گیا۔آپ ﷺ نے اس کا تاوان ادا کر دیا۔اسی طرح ایک دفعہ بنو مخزوم کی ایک بلند مرتبہ عورت نے چوری کی۔قریش کی عزت کے لحاظ سے لوگ چاہتے تھے کہ ملزمہ سزا

سے بچ جائے اور معاملہ دب جائے۔لوگوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو سفارش کے لیے تیار کیا۔انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی کی درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غضب آلود ہو کر فرمایا کہ بنی اسرائیل اسی کی بدولت تباہ ہوئے۔وہ غریبوں کو تو سزا دیتے تھے اور امیروں کو بخش دیتے تھے۔خدا کی قسم !اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔(۴۹)

خلافت راشدہ میں عدل: خلافت راشدہ کے زمانے میں مملکت کا پورا نظم و نسق قرآن و سنت نبوی کا آئینہ دار تھا۔ قرآن و حدیث ہی مملکت کا دستور تھا۔عہد صدیقی میں تمام اکابر صحابہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہر مشکل مسئلہ میں رجوع فرماتے تھے۔ قرآن شریف کی جمع اور ترتیب آپ رضی اللہ عنہ ہی کا کام تھا۔خلافت کے لیے باتفاق آراء آپ کے ہاتھ پر جو بیت کی گئی،وہ بیت خاصہ کہلاتی ہے(۵۰)۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بعض اہم قانونی مسائل طے فرمائے۔ بہت سے مسئلوں کی وضاحت بھی کی۔اس کی ایک مثال حق حصانت کے سلسلے میں ملتی ہے۔جس میں خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ فریق تھے۔آپ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ فرمایا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ! اس بچے کے لیے اس کی ماں کا تھوک تمہارے دیے ہوئے شہد سے بہتر ہے۔اسی طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قانون وراثت میں بھی ایک اہم مثال قائم فرمائی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا کہ دادا' حقیقی بہنوں اور بھائیوں کو وراثت سے محروم کر دے گا۔خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے اس خیال سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ متفق ہیں۔چند حضرات اس خیال کے مخالف ہیں ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام مالک، امام شافعی اور امام زید رحمۃ اللہ علیہم شامل ہیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مثالی حکومت کا نقشہ مرتب کیا اور ایسے طرز حکومت کی بناء ڈالی، جو اسلام کی حقیقی روح تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی مجلس شوریٰ میں حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف، معاذ بن جبل، حضرت ابی بن کعب، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم جیسی شخصیات تھیں۔کوئی ملکی مسئلہ کثرت رائے کے بغیر طے نہیں پاتا تھا(۵۱)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک فرمان میں لکھا کہ مقدمات میں پہلے قرآن کے مطابق فیصلہ کریں اور اگر اس سے کوئی مسئلہ حل نہ ہو سکے تو حدیث سے، اور اگر اس حدیث سے بھی حل نہ ہو سکے تو اجماع کے ذریعے طے کریں اور اگر اس سے بھی حل نہ ہو سکے تو اجتہاد کریں۔ نیز وہ قاضیوں کو مشکل اور اہم مسائل کے متعلق فیصلے لکھ کے بھیجتے تھے(۵۲)۔

سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دنیا میں عدل و انصاف کی وہ مثالیں قائم کیں، جن کی نظیر ان کے بعد دنیا والوں کو نہیں مل سکتی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا وہ قول بالکل صحیح ثابت ہوا جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ "آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد کے خلفاء کو مشقت میں ڈال دیا ہے۔"(۵۳)

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں نہ صرف حکومت کا ڈھانچہ بہتر بنایا، بلکہ رعایا کے ساتھ بھی ایسی ہی عدل و انصاف کا سلوک کیا کہ وہ آپ رضی اللہ عنہ پر اپنی جان چھڑکنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رشوت اور ناجائز وسائل آمدنی کے سدِّباب کے لیے بھی تدابیر اختیار کیں۔ قاضی کو تجارت کی ممانعت تھی۔ نیز غیر مسلموں کو اجازت تھی کہ خود اپنے مقدمات کا فیصلہ کر لیں۔ مساجد میں عدالتی اجلاس بھی ہوتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پہلی مرتبہ قید خانے بنوائے اور اس مقصد کے لیے صفوان بن امیہ کا مکان ۴۰۰۰ درہم میں خریدا۔ فدک کے مسئلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پیروی کی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک مملوکہ زمین جو خیبر میں تھی، وقف کر دی تھی۔ اور یہ پہلا وقف تھا، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں عمل میں آیا تھا۔

عہد عثمانی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں کیے گئے اضافے ہی بحال رہے۔ اور ان کے عہد میں ایک عمارت دار القضاء کے نام سے بنائی گئی۔

عہد مرتضوی میں چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود بہت بڑے فقیہ تھے اور انہیں قانون وراثت عول اور رد کے اصولوں کے بانی سمجھے جاتے تھے۔ قانون شہادت کے سلسلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک نئی اصلاح کی۔ پیش ہونے والے گواہوں کا تزکیہ کہ زیادہ معتبر ہیں یا نہیں؟ جھوٹی گواہی کی شہادت لیتے وقت دوسرے گواہوں کو عدالت سے ہٹا دیتے تھے۔ اور صداقت کے لیے مخفی تحقیقات کرتے تھے۔

عدل کی شان عہد نبوی اور چاروں خلفاء کے دور میں قائم رہی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بذات خود عدالت میں قاضی کے روبرو بہ حیثیت فریق مقدمہ حاضر ہوئے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک مقدمہ لے گئے اور اپنے بیٹے امام حسن رضی اللہ عنہ کو بطور گواہ پیش کیا۔ قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ نے باپ کے حق میں بیٹے کی گواہی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ کی عدالت میں وراثت کا ایک مقدمہ پیش ہوا۔ ایک ایسے لڑکے کی وراثت بحث طلب تھی جس کے دو سر، دو سینے تھے لیکن نچلا دھڑ ایک ہی تھا۔ سوال یہ تھا کہ اس کو ایک حصہ ملے گا یا دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسے سو جانے دو اور پھر دیکھو

کہ سانس دونوں سروں سے برابر آتی ہے یا نہیں۔ اگر دونوں سروں سے برابر آتی ہے تو دو حصے ملیں گے۔ اور اگر ایک ہی سر سے سانس آتی ہے تو ایک ہی حصہ (۵۴)۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو لوگوں کی اصلاح و تبلیغ کے ساتھ لوگوں کے درمیان عدل و انصاف سے فیصلہ کرنے کا کام بھی سونپا ہے۔ (۵۵) قرآن و سنت کے احکامات کی بناء پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قضاۃ کی اہمیت اور معاشرے کے لیے اس کی عظیم ضرورت کا ادراک کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر دیا تو اس کے ساتھ عدالتی طریقہ کار سے متعلق ہدایات بھی جاری فرمائیں یہ ہدایت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ گورنر کوفہ کے نام خط میں تھیں اس میں عدل و انصاف کی اہمیت اور عدلیہ کی آزادی کے متعلق ہے (۵۶)۔

سیاست الملوک میں عدل کی بڑی اہمیت ہے۔ موسیٰ بن یوسیٰ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

> "عدل کسی بھی ریاست کا روشن چراغ ہے۔ عدل کے چراغ کو ظلم کی آندھی سے نہ بجھاؤ۔ ظلم کی آندھی سب کچھ تباہ کر دیتی ہے۔ جبکہ عدل کی ہوا ثمر آور ہوتی ہے احکام میں عدل حکومت کی بنیادی صفات میں سے ہے۔ (۵۷)

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کو حمص کے عامل نے لکھا:

> 'حمص شہر شکست و ریخت کا شکار ہے اور مرمت درکار ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اسے لکھا اس کو عدل سے مضبوط کرو اور اس کی شاہراہوں کو ظلم سے پاک کرو (۵۸)۔

اجتماعی عدل کی ایک قسم معاشی عدل بھی ہے اور اسی معاشی عدل کے ذریعے ہم معاشرے سے دولت کی طبقاتی تقسیم کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ مغربی معاشی نظاموں میں معاشرے پر بد نما اثرات مرتب کیے ہیں کہ معاشرے سے معاشی عدل کا خاتمہ نظر آتا ہے۔ اسلام نے ایک منظم معاشی نظام کی تصویر پیش کی ہے۔ اسلام نے تقسیم دولت کا جو نظام دیا ہے اس کی وجہ مساویانہ تقسیم، عاملین کو دیانتداری سے محاصل کی وصولی کا حکم اور لوگوں میں عدل کے ساتھ دیانت داری کرنے کی تلقین اور صرف دولت میں اعتدال میں میانہ روی (۵۹) ہے۔

غیر مسلموں کے ساتھ بھی عدل کا حکم: شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار سے عدل کرنے کا حکم دیا ہے اگرچہ وہ ان کے ساتھ شدید بغض رکھتے ہوں۔ مگر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا۟ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۖ وَبِعَهْدِ ٱللَّهِ أَوْفُوا۟ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّىٰكُم بِهِۦ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴾ (۶۰)

(اور جب تم بات کہو تو انصاف کی کہو، خواہ معاملہ رشتہ داری کا ہی کیوں نہ ہو، اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ ان باتوں کی اللہ نے تمہیں ہدایت کی ہے، شاید کہ تم نصیحت قبول کرو)۔

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قریب و بعید کے ساتھ قول و فعل میں عدل کا حکم دیتا ہے۔ وہ ہر ایک کے لیے عدل کی ہدایت فرماتا ہے۔ ہر وقت، ہر حال میں (۶۱)۔

یہ بھی سنت میں وارد ہے کہ رعیت کے درمیان عدل قائم نہ کرنا بہت بڑے خطرے کا باعث ہے۔ چنانچہ معقل بن یسار المزنی رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللَّهُ رَعِيَّةً، يَمُوتُ يَوْمَ يَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لِرَعِيَّتِهِ إِلَّا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ» (۶۲)

(کوئی ایسا بندہ نہیں جس کو اللہ تعالیٰ اس کی رعیت کا ذمہ دار بنائے اور اس کو موت اس حال میں آئے کہ وہ اپنی رعیت سے دھوکا کرنے والا تھا، مگر یہ کہ اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہو۔)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: دنیا میں لوگوں کے معاملات جن میں کئی قسم کے گناہ شامل ہو سکتے ہیں، عدل کے ساتھ ہی درست ہو سکتے ہیں۔ اور اکثر حقوق کی درستی اس طرح ہوتی ہے کہ ظلم اس میں شامل ہوتا ہے اگرچہ گناہ میں وہ مشترک نہ بھی ہوں۔ اور اس بارے میں کہا گیا ہے: اللہ تعالیٰ عدل کرنے والی ریاست کو قائم رکھتا ہے اگرچہ وہ کافرہ ہو اور اس ریاست کو قائم نہیں رکھتا جس میں عدل نہ ہو، اگرچہ وہ مسلمانوں کی ہو۔ اور کہا جاتا ہے کہ دنیا عدل اور کفر کے ساتھ تو قائم رہے گی لیکن ظلم اور اسلام کے ساتھ نہیں رہے گی۔ عدل ہر چیز کا نظام ہے جب دنیا کے معاملے کو عدل پر قائم کیا جائے گا تو وہ قائم ہو گی خواہ عدل کرنے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو اور جب اسے عدل سے قائم نہیں کیا جائے گا تو وہ

قائم نہیں ہو گی۔ اگر چہ اس کا صاحب ایمان والا ہو، آخرت میں اسے کوئی اجر نہ ملے گا[۶۳]۔ فتح خیبر کے بعد وہاں کی زمین نصف پیداوار کی بناء پر یہودیوں کے حوالے کر دی گئی تھی اور عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو بٹائی کے لیے بھیجا جاتا تھا۔ وہ پیداوار کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دو انبار لگوا دیتے اور یہودیوں سے کہتے کہ جو حصہ چاہو اٹھالو۔ یہودی کہتے: زمین اور آسمان ایسے ہی عدل سے قائم ہیں۔ مسلمانوں کا وظیفہ حیات روئے زمین پر یہی تھا اور ایسے یہ اصول حیات عالمی امن کے ضامن ہو سکتے ہیں۔ وہ افراد یا گروہ اس وظیفے کی بجا آوری سے کیونکر عہدہ بر آ ہو سکتے ہیں، جن کی زبانوں سے الفاظ نکلتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے، پھول جھڑ رہے ہیں لیکن ان کے دل، ان کی طبیعتیں اور ان کی ذہنیتیں نہایت پست اور امن بر انداز اغراض سے یک قلم آلودہ ہیں۔ یہ وہی شیوہ ہے جس پر مدینہ منورہ کے یہودی عربوں کے تعلق میں کاربند تھے اور کہا کرتے تھے:

﴿ لَيْسَ عَلَيْنَا فِي ٱلْأُمِّيِّـۧنَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴾[۶۴]

(امیوں (یعنی عربوں) کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے ہم پر کچھ مؤاخذہ نہیں (یعنی ان کے ساتھ دیانت داری والا برتنا ضروری نہیں) اور یہ کہہ کر وہ اللہ پر تہمت باندھتے ہیں۔ حالانکہ اچھی طرح جانتے ہیں حقیقت حال کیا ہے؟)

یعنی جس گروہ سے ذاتی اغراض وابستہ ہیں، ان کے متعلق ایک نظام اخلاق اور ایک ضابطہ نیک و بد ہے لیکن جن سے کوئی خاص علاقہ نہیں، ان کے باب میں بالکل دوسری روش اور دوسرے اصول پیش کیے جاتے ہیں[۶۵]۔

پاکستان کے تناظر میں جب ہم عدل اجتماعی کا مشاہدہ کرتے ہیں تو المیہ یہ ہے قائد اعظم کی وفات کے بعد جس کلمہ لا الہ الا اللہ اور نظریہ کی بنیاد پر اس کا وجود قیام عمل میں آیا اور جن کو سیاسی سماجی معاشی نظام کی تشکیل میں راہنما بننا تھا اسلام اور جمہوری روایات سے غفلت برتی گئی، اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات پر عمل نہیں ہوا۔ یہ حقیقت فراموش کر دی گئی کہ عدل اجتماعی ہی وہ بنیاد فراہم کرتا ہے جو ملک قوم اور دنیا کی ترقی خوشحالی سکون و امن کا ضامن ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اسلام کے عدل اجتماعی کے اصول کو اپنا کر معاشرے کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے میں ہم سب مل کر ممد و معاون ثابت ہوں اور

اپنے طور پر انفرادی عدل بھی قائم کریں، کیونکہ انفرادی عدل بھی عدل اجتماعی کے لئے مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔

ہم عدل اجتماعی ہی کے ذریعے سے تخلیقی عمل کو بہتر کر سکتے ہیں، تخلیقی قوتوں اور پیداواری صلاحیتوں کو فروغ دے سکتے ہیں، تخریبی عناصر کے خلاف جدوجہد کر سکتے ہیں اور ان کے اسباب کا پتہ چلا کر ان وجوہات و عناصر سے معاشرے، ملک و قوم کو نجات دلا سکتے ہیں۔ اسلام میں عدل اجتماعی کا میدان زندگی کے سارے پہلوؤں پر محیط ہے۔ جن میں سے سیاسی، معاشرتی، اقتصادی اور اجتماعی پہلو بھی ہیں۔ نیز عدلیہ، فوج اور تعلیم یعنی ہر طرح کے افراد کی سطح پر اس کی تطبیق واجب ہے۔ اجتماعی عدل کسی بھی معاشرے میں امن و فلاح کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔۔ یہ لازم ہے کہ حاکم و محکوم ادنی و اعلی، امیر و غریب بے نوا و صاحب اثر فرق مٹا کر سب اپنے اپنے رویے اپنی اپنی حیثیت میں اپنی ذات کے اندر عدل کی صفت اجاگر کریں۔ طاقت و اقتدار کا شتر بے مہار استعمال سے ہر طرح کے جرائم میں اضافہ ہوا ہے۔ یہ سب معاشرے میں صرف عدل اجتماعی کے نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

ہم نے گذشتہ صفحات میں مختصراً دنیا کے گزری اقوام اور موجودہ دور کے عدل کا ایک مختصر تصویر پیش کیا ہے۔ اس میں آپ کو سب سے بہتر عدل فراہم کرنے کی ضمانت صرف اسلام دیتا ہے۔ اس کی مثالیں ہمیں اسلام کے ہر دور میں ملتی ہیں مثلاً عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ اور بر صغیر میں مسلمانوں کا سنہری دور جیسے اورنگ زیب عالمگیر، شیر شاہ سوری، شاہ جہاں وغیرہ کا دور اس میں سر فہرست ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کی تعلیمات پر عمل کر کے خوف الہی پیدا کر کے عدل کی روح کو سمجھا جائے۔ انفرادی عدل، عدل اجتماعی کی طرف پہلا قدم ہو گا۔ اس معاملے میں علما، اسکالرز، مفتیان کی بھی ذمہ داری ہے کہ معاشرے کے افراد کو عدل اجتماعی کی حقیقت اور اہمیت سے روشناس کرائیں۔ طاقت و اقتدار، حرص و ہوس اثر و رسوخ والوں کی شتر بے مہاری کا حد درجہ نتیجہ منفی رد عمل ہے۔ بے شمار جرائم کے پیچھے بنیادی طور پر یہی عمل کار فرما ہے۔ اور یہ صرف قرآن و حدیث و سنت اور آثار صحابہ و صحابیات اور تمام اچھے لوگوں کی اچھی باتوں پر ہمارا عمل نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ اس لئے کہ شریعت اسلامی کے مطابق قوانین پر عمل درآمد ہی سے تعاون کی فضا کی قائم کر کے ہی عدل کی طرف قدم بڑھا سکتے ہیں ورنہ اگر معاشرے میں پائی جانے والی کمی رحم و ہمدردی اور تعاون کی بجائے یہ شقاوت قلبی میں مزید

اضافہ ہوتا رہے، تو معاشرہ کی بے سکونی جو پہلے ہی اپنی انتہا پر ہے اور جرائم میں بھی اضافہ ہو۔ فقہ اسلامی کے مطابق ایسے صاحب ثروت ظالم شقی القلب حکمران یا امرا کے ساتھ قانون کا آہنی ہاتھ استعمال کرنا جائز ہے۔

امام ابن حزم اور امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہما نے قرآن و احادیث اور آثار صحابہ سے جو معاشی نظریات اخذ کئے ان کے مطابق اگر ایک گروہ کے پاس وافر فراوانی سے اشیاء موجود ہوں اور دیگر کچھ لوگوں کی محرومی انتہا درجے کو پہنچ جائے جہاں جان بچانے کے لئے اضطرار میں مردار کھانے کی نوبت آجائے، تو ان امراء سے جو اشیاء خوردونوش بچا کر رکھنے والوں سے لڑ کر ان سے وہ مال چھین لینا جائز ہے۔ اگر بھوکا مارا جائے تو مالدار پر قصاص واجب ہے اور اگر مالدار مارا جائے تو اس پر دوہری لعنت برسے گی اور وہ طائفہ باغیہ میں شمار ہو گا۔ عدل اجتماعی میں اگر ہم مسلسل ناکام رہے اور مراعات یافتہ اور محروم طبقات میں فرق کو کم کرنے کی کوئی شعوری کوشش نہ کی گئی تو وہ وقت بہت جلد قریب آلگے گا جب مفلس نادار اس امر پر مجبور ہو جائے گے کہ طاقت و دولت کے نشے میں ڈوبے ہوئے، بے درد لوگوں سے ان کا سب کچھ چھین لیں۔ حسنی مبارک، زین العابدین علی اور کرنل قذافی کے انجام کی کس کو خبر نہیں۔ لازم ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو عدل اجتماعی کو ہمارے معاشرے اور ہماری مملکت کے درد کا درماں بنایا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ کفر پر تو ایک ریاست قائم رہ سکتی ہے، لیکن اگر اس میں ظلم پھیل جائے تو وہ اپنی بقا کا جواز کھو بیٹھتی ہے(۶۶)۔

حواشی و حوالہ جات

۱) سورۃ الانعام:۱۱۵؛ نیز دیکھئے سورۃ الانفطار:۷،۶

۲) سورۃ المائدہ:۸؛ نیز دیکھئے: سورۃ النحل:۹۰، سورۃ النساء:۳، سورۃ البقرہ:۲۸۲، سورۃ الأنعام:۱۵۲

۳) سورۃ الحدید:۲۵

۴) سید ابو الاعلی مودودی، تفہیم القرآن، ص:۵/ ۳۲۲

۵) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ص:۲/ ۱۴۵

۶) ابن منظور افریقی، لسان العرب، ص ۴۳۰، دار صادر، بیروت، مرتضیٰ زبیدی، تاج العروس من جواہر القاموس (باب الام) ص:۱۵/ ۴۷۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ، لوئیس معلوف، المنجد فی اللغہ، انتشارات اسلام، تہران، ایران۔ اسماعیل بن حماد جوہری، الصحاح، دار الحدیث، قاہرہ، مصر

۷) امام جرجانی، کتاب التعریفات، ص:۶۴

۸) ابو بکر احمد بن علی رازی، الجصاص، احکام القرآن، ص ۳/ ۲۳۴، مطبعہ او قاف

۹) سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، ص:۶/ ۳۹۷

۱۰) سید مودودی، اسلامی ریاست، ص:۵۲۵، ۵۲۴، ۶۶۶ نیز دیکھئے: ص:۴۹۴ تا ۵۰۳، اسلامک پبلیکیشنز لاہور نیز دیکھئے سید عبد الصبور طارق، مسلمان قاضیوں کا بے لاگ عدل، ص ۱۴، اسلامی تاریخ و تمدن ص:۱۵۷

۱۱) ضرورۃ القرآن، ص:۲/ ۴۹، پروفیسر مولانا قاضی زاہد الحسینی

۱۲) سورۃ المائدہ:۸

۱۳) ابن قیم الجوزیہ، الطرق الحکمیہ مجمع الفقہ الاسلامی الجدہ ۱۴۲۸ھ۔، ص:۱۳۲ نیز دیکھئے قرآن مجید مترجم حضرت شیخ الہند ص ۱۴۰

۱۴) تفصیل کے لیے دیکھیے: سورۃ النساء:۶۵, سورۃ الحشر:۷ اور سورۃ المائدہ:۴۴

۱۵) سورۃ الجمعہ:۱۰

۱۶) سورۃ النباء:۱۰

۱۷) سید قطب شہید، اسلام میں عدل اجتماعی، ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، ص ۵۳ تا ۱۰۵ اسلامک پبلیکیشنز لاہور

۱۸) احبار، ص:۲۴/ ۱۷؛ مروج الذہب، ص:۲۱/ ۱۲؛ گنتی، ۳۱:۳، استثناء ۱۱:۱۹

۱۹) استثناء ۳:۱۵

۲۰) ایضاً

۲۱) مثلاً استثناء ۳،۱:۱۵ نیز دیکھیے ایضاً ۲۰:۲۳

۲۲) تالمود ، مسّلینی، پال آئزک ہرشوں، لندن، ۱۸۸۵، صفحات ۳۷۔۲۲۱، ۲۱۰ نیز دیکھیے سید ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، جلد ۱، ص ۲۶۶، سورۃ آل عمران، حاشیہ ۹۹، ۶۴ء۱، ادارہ ترجمان القرآن)

۲۳) سورۃ البقرہ: ۴۷، نیز دیکھیے سورۃ المائدہ: ۸۲

۲۴) سورۃ المائدہ: ۴۲، سورۃ البقرہ: ۴۷ ۱ نیز دیکھیے سورۃ الجمعہ ۶

۲۵) سورۃ البقرہ: ۸۰

۲۶) سورۃ المائدہ: ۴۱

۲۷) متی ۵:۴۵؛ لوقا ۶:۲۸

۲۸) لوقا، ۱۲:۲۱، نیز دیکھیے، متی ۲۲، ۵:۲۱، متی، ۵:۳۸۔۴۵، متی ۱۸:۲۰

۲۹) سورۃ المائدہ: ۴۱

۳۰) سورۃ المائدہ: ۱۸

۳۱) سورۃ الحدید: ۲۷؛ نیز دیکھیے سید شمیم حسین قادری، اسلامی ریاست قرآن و سنت کی روشنی میں، علماء اکیڈمی، شعبہ مطبوعات محکمہ او قاف لاہور، ص: ۲۴۴ تا ۲۴۸

۳۲) سید شمیم حسین قادری، اسلامی ریاست قرآن و سنت کی روشنی میں، علماء اکیڈمی، شعبہ مطبوعات محکمہ او قاف لاہور، ص ۲۴۸ تا ۲۵۰۔

۳۳) ڈاکٹر حمید اللہ، مجلہ عثمانیہ، جلد ۱۱، شمارہ ۲، ۱ ص ۲۰، ۱۹، نیز دیکھیے سیرۃ ابن ہشام ص ۷۸، ۷۹

۳۴) نقوش رسول نمبر جلد یازدھم شمارہ نمبر ۱۳۰، ص ۶۰۲، جنوری ۱۹۸۵، ادارہ فروغ اردو لاہور

۳۵) سورۃ النساء: ۵۸

۳۶) سورۃ المائدہ: ۸

۳۷) سورۃ النحل: ۹۰

۳۸) سورۃ النساء: ۵۸

۳۹) سورۃ النساء: ۱۳۵

۴۰) سید سلیمان ندوی، سیرت النبی، ص: ۶/ ۱۲۰

۴۱) محمد بن اسماعیل البخاری، کتاب الاذان، باب من جلس فی المسجد، الحدیث: ۶۶۰؛ نیز دیکھئے سورۃ النساء: ۲۰

۴۲) سید عبد الصبور طارق، مسلمان قاضیوں کا بے لاگ عدل، ص ۱۵ تا ۲۰

۴۳) پروفیسر رفیع اللہ شہاب، عدل کا اسلامی تصور، مقبول بکس، لاہور، ۱۹۹۹، ص ۱۸، ۱۹

۴۴) سورۃ النساء: ۵۸؛ سورۃ المائدہ: ۸؛ سورۃ النساء: ۶۵

۴۵) امام سرخسی، المبسوط، ص ۱۰۹، مطبعہ السعادۃ مصر، ۱۳۳۱ھ

۴۶) شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، ص: ۲/ ۶۷

۴۷) صحیح بخاری، جلد ۲، کتاب التفسیر، سورۃ الاعراف

۴۸) سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، ص ۱۹۱، حدیث ۸۱۹

۴۹) سیرۃ الصدیق ص، ۵۹ تا ۶۰، پروفیسر محمد عبد الحفیظ صدیقی؛
برصغیر پاک وہند میں اسلامی نظام عدل گستری، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ص ۳۹

۵۰) کنز العمال، ص: ۳/ ۱۳۴، حیدر آباد، طبقات ابن سعد، آرام باغ کراچی

۵۱) کنز العمال، ازالۃ الخفاء اور اخبار القضاۃ وغیرہ میں متعدد فتوے ملتے ہیں۔ نیز دیکھیے پروفیسر محمد عبد الحفیظ صدیقی، برصغیر پاک وہند میں اسلامی نظام عدل گستری، ص ۴۶، ۴۵، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

۵۲) ابن جوزی، سیرۃ عمر بن خطاب

۵۳) الطرق الحکمیہ، ص: ۵۲، بحوالہ سوانح اہلبیت، ص: ۱۲۸

۵۴) سورۃ الحدید: ۲۶

۵۵) کنز العمال، ص: ۳/ ۱۷۴

۵۶) محمد بن یوسف، واسطۃ السلوک فی سیاسۃ الملوک، ص: ۲۳

۵۷) محمد بن یوسف، انور المعروسی، الشریح والقضاۃ فی اسلام، ص: ۱۹۸۴، ۸۳، مؤسسۃ شباب الجامعۃ الاسکندریہ

۵۸) تفصیل کے لیے دیکھیں سورۃ التوبہ: ۴۰

۵۹) سورۃ الانعام: ۱۵۲

۶۰) سیاست شرعیہ، ابن تیمیہ، ص: ۲۴۳

۶۱) ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، ج ۲ مترجم مولانا محمد جوناگڑھی، مکتبہ قدوسیہ ۱۹۹۹، ص: ۱۳۲

۶۲) السنن الکبریٰ للبیہقی، ص: ۱۰/ ۸۷ تا ۸۹، حیدر آباد (دکن)

۶۳) ابن تیمیہ، سیاست شرعیہ، ص: ۲۸۰، مترجم محمد اسماعیل گودھروی، تاجران کتب قرآن کراچی، موسوی مسافر خانہ، سن ندارد، امام غزالی، احیاعلوم الدین، ج ۱، نیز دیکھیے ابن قیم کی کتاب اقتضاء الصراط المستقیم

۶۴) سورۃ آل عمران: ۷۵

۶۵) ابو الکلام آزاد، رسول رحمت، مرتب غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ڈاکٹر اسرار احمد، اسلام میں

عدل اجتماعی کی اہمیت اور موجودہ جاگیر داری اور غیر حاضر ذمہ داری، مرکزی انجمن خدام قرآن لاہور

٦٦) امام شاطبی، ابی اسحق ابراہیم بن موسی، الاعتصام، المجلد الرابع، مکتبہ التوحید؛ ابن حزم، المحلی، ادارۃ الطباعہ المنیریۃ، الجزالسادس، ١٣٤٨ھ

****

اسلامی ریاست میں غیر مسلم رعایا کے حقوق

The rights of Non-Muslims in an Islamic State

ڈاکٹر رانا مطلوب احمد*

ڈاکٹر سید علی آنور**

ABSTRACT

"Minority" is a word which is considered a challenge for any political system. This article discusses how a certain political system deals with the idea and rights of a minority. If a minority enjoys the privileges in a society that political system is considered as perfect.

Islam, the revealed religion, has not overlooked the status of a minority. Rights of a minority is one of the top priorities in Islam. This article brings to the fore the very status which Islam gives to the minorities and which they enjoyed while living in the Islamic poltical and social set up.

Islam not only gives minorities the right to live in an Islamic Society, but also gives them protection. The word "Dhimmis" gives minorities the protection in an Islamic society which they never entertain in their own society. Whether it was the time of the Holy Prophet, the Abbasid's or Umayyad, everywhere in the Islamic society they enjoyed not only as minorities but also they were allowed to build churches, join Islamic forces and to become viziers, etc.

It clearly reveals that Islam is a religion of peace that not only gives good tidings to the believers but aslo to the minorities who live among them.

This article is a small replica of what the minorities enjoyed in the Islamic society.

Keywords: *Non-Muslims, Rights, Islamic Society, Minorities, Peace*

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

** ڈین لسانیات، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اگر دنیا کی سیکولر حکومتوں کا جائزہ لیا جائے تو لا دینی نظام بھی اپنی ریاستوں میں اقلیتوں کو اکثریت کے ظلم واستبداد سے نجات نہیں دلا سکا اور ان کی وہی ابتر حالت ہے، جو قدیم زمانہ میں اقلیتوں کی تھی۔ وہ آج بھی اکثریت کے رحم وکرم پر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

امریکہ میں نیگرو کی حالت نہایت ہی خراب ہے۔ وہ سماجی، اقتصادی اور مذہبی آزادی سے محروم ہیں۔ وہ سفید فام لوگوں کے گرجا میں داخل نہیں ہو سکتے۔ امریکہ کے قدیم باشندے ریڈ انڈین حیوانی زندگی گزار رہے ہیں۔ اس ظلم کے خلاف لوتھر کنگ نے آواز اٹھائی، تو اس کو گولی کا نشانہ بنا دیا گیا۔

برطانیہ میں بیرونی باشندوں کی جو ابتر حالت ہے، وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ اس میں نسلی منافرت بڑھتی جارہی ہے۔ ہندوستان میں اقلیتوں سے ظلم وستم ہو رہا ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات اس میں روزمرہ کا معمول بن چکا ہے۔ اقلیتوں کا مال وجان اور عزت ہر وقت خطرے میں رہتی ہے اور حکومت کے رحم وکرم پر زندگی کے دن گزار رہی ہیں۔ امریکہ اور برطانیہ عراق میں، اسرائیل فلسطین میں اور ہندوستان کشمیر میں جس بے رحمی کا عمل کر رہے ہیں، وہ تاریخ کا ایک سیاہ باب ہیں۔

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی نظام نے بھی اپنی ریاستوں کو اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ نہیں دیا۔ اسلام ہی صرف ایک ایسا نظامِ حیات ہے جس میں غیر مسلم رعایا کے حقوق کو تحفظ دیا گیا ہے۔

اسلامی ریاست کے اعتبار سے اقلیتوں کی دو اقسام ہیں:

۱۔ وہ معاہد جو مصالحت یا معاہدے کے ذریعہ اسلامی حکومت کے ماتحت آتے ہیں۔ ان کو اسلامی اصطلاح میں معاہدہ یا ذمی کہا جاتا ہے۔ یہ غیر مسلم رعایا جزیہ دیتی ہے اور اسلامی ریاست کی رعایا بننا منظور کرتی ہے۔

۲۔ وہ جو لڑائی میں شکست کھا کر مغلوب ہوتے ہیں۔

گویا کہ تمام صورتوں میں اسلام نے اپنی ریاستوں میں رہنے والے غیر مسلم انسانوں کے حقوق کا تحفظ کیا ہے۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں جن میں درج ذیل قابل ذکر ہیں:

معاہدات کی پابندی

اسلام نے معاہدات کو دیانتداری کے ساتھ نبھانے کی تعلیم دی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَأَوۡفُواْ بِٱلۡعَهۡدِۖ إِنَّ ٱلۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡـُٔولٗا ﴾ [1]

(تم اپنے عہد پورے کرو کیونکہ عہدوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔)

دوسری جگہ آتا ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَلَمۡ يُهَاجِرُواْ مَا لَكُم مِّن وَلَٰيَتِهِم مِّن شَيۡءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُواْۚ وَإِنِ ٱسۡتَنصَرُوكُمۡ فِي ٱلدِّينِ فَعَلَيۡكُمُ ٱلنَّصۡرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوۡمِۭ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُم مِّيثَٰقٞۗ وَٱللَّهُ بِمَا تَعۡمَلُونَ بَصِيرٞ ﴾ [2]

(اور وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی تم پر ان کی دوستی کا کوئی حق نہیں۔ یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اور اگر تم سے دین کے متعلق مدد چاہیں تو تم پر مدد دینا فرض ہے سوائے اس کے کہ یہ مدد ان لوگوں کے خلاف نہ ہو جن کے اور تمہارے درمیان عہد ہے۔ اللہ جو تم کرتے ہو اسے دیکھتا ہے۔)

اس آیت کریمہ میں معاہدہ کی پابندی کا اس قدر تاکیدی حکم دیا ہے کہ اگر اسلامی ریاست کا کسی غیر مسلم قوم کے ساتھ معاہدہ ہو اور پھر اس غیر مسلم معاہدہ کے خلاف کوئی دوسری مسلمان قوم اسلامی حکومت سے مدد طلب کرے، تو وہ معاہدہ قوم کے خلاف ہرگز مدد نہ کرے اور اپنے عہد پر قائم رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ فاتح شام کو لکھا:

وامنع المسلمين من ظلمهم والأضرار وأكل أموالهم إلا بحلها ووف لهم بشرطهم الذي شرعت لهم في جميع ما أعطيتكم [3]

(مسلمانوں کو ذمیوں پر ظلم کرنے ان کو نقصان پہنچانے اور ناجائز طور پر ان کا مال کھانے سے روکو ان سے جو شرطیں کی گئی ہیں اور ان سے جو وعدے کیے گئے ہیں ان کو پورا کرو)

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ اہواز کے ذمی بھاگ رہے ہیں تو تحقیقات کے لیے بصرہ سے دس نیک سیرت مسلمان طلب کر لیے۔ ان میں سے ایک احنف بن قیس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان

سے پوچھا کہ ذمی مسلمانوں کے ظلم و تشدد کی وجہ سے بھاگ رہے ہیں یا کسی اور وجہ سے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں ہوا۔ وہ از خود بلا کسی وجہ کے بھاگ رہے ہیں۔ ان کے ساتھ آپ کی مرضی کے مطابق سلوک کیا جاتا ہے، مگر اس سے آپ رضی اللہ عنہ کو اطمینان قلب نصیب نہ ہوا، تو عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ والی بصرہ کو لکھا کہ:

"لوگوں کو ذمیوں کے ساتھ جور و ظلم سے روکو اور اس سے ڈرو اور محتاط رہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری بد عہدی یا ظلم کی وجہ سے حکومت تم سے چھین لی جائے۔ خدا نے تم کو اس وعدہ پر حکومت عطا کی ہے۔ اس لیے اس عہد کو پورا کرو اور اس کے حکم اور مرضی پر عمل کرو اس وقت خدا تمہاری مدد کرے گا"۔ (4)

اہل نجران کے عیسائیوں کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تحریری معاہدہ کیا۔ اس میں معاہدین کے حقوق بیان ہوئے ہیں:

"نجران اور اس کے اطراف کے باشندوں کی جانیں، ان کا مذہب، ان کی زمینیں، ان کا مال، ان کے حاضر و غائب، ان کے قافلے، ان کے قاصد ان کی مورتیں اللہ کی امان اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ضمانت میں ہیں۔ ان کی موجود حالت میں کوئی تغیر نہ کیا جائے گا اور نہ ان کے حقوق میں سے کسی حق میں دست اندازی کی جائے گی اور نہ مورتیں بگاڑی جائے گی۔ نہ کوئی اسقف اپنی اسقفیت سے کوئی راہب اپنی رہبانیت سے، کنیسہ کا کوئی منتظم اپنے عہدہ سے نہ ہٹایا جائے گا اور جو بھی کم یا زیادہ ان کے قبضہ میں ہے اسی طرح رہے گا۔ ان کے زمانہ جاہلیت کے کسی جرم یا خون کا بدلہ نہ لیا جائے گا، نہ ان سے فوجی خدمت لی جائے گی اور نہ ان پر عشر لگایا جائے گا اور نہ اسلامی فوج ان کی سرزمین کو پامال کرے گی۔ ان میں سے جو شخص اپنے کسی حق میں مطالبہ کرے گا، تو اس کے ساتھ انصاف کیا جائے گا، وہ میری ضمانت سے بری ہے۔ اس صحیفہ میں جو لکھا گیا ہے اس کے ایفا کے بارے میں اللہ کی امان اور محمد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری ہے۔ یہاں تک کہ اس بارے میں خدا کا کوئی دوسرا حکم نازل نہ ہو۔ جب تک وہ لوگ مسلمانوں کے خیر خواہ رہیں گے ان کے ساتھ جو شرائط کی گئی ہیں ان کی پابندی کریں گے۔ ان ظلم سے کسی بات پر مجبور نہ کیا جائے گا"۔ (5)

حضور ﷺ نے فرمایا:

"خبردار جو شخص کسی معاہد پر ظلم کرے گا یا اس کے حقوق میں کمی کرے گا یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈالے گا یا اس سے اس کی مرضی کے خلاف کوئی چیز حاصل کرے گا، اس کے خلاف قیامت کے دن میں خود مستغیث بنوں گا"۔

مذہبی آزادی

ذمی اپنی بستیوں میں مذہبی فرائض بجالانے میں آزاد ہوں گے اور ان کے مذہبی حقوق پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کی جائے گی۔

ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ لَآ إِكۡرَاهَ فِي ٱلدِّينِۖ ﴾ (6)

(دین میں کوئی جبر نہیں۔)

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے تلوار کے ذریعہ فتح کیے ہوئے مقامات کی فہرست دینے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ "سارے مقامات بزور شمشیر فتح ہوئے اور ان میں ان کے باشندوں کو ان کے مذہب و شریعت کی پوری آزادی کے ساتھ بسنے کی اجازت دی گئی"۔ (7)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں حیرہ کی فتح کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جو اہل حیرہ سے معاہدہ کیا، اس میں لکھا:

"لا يهدم لهم بيعة ولا كنيسة ولا يمنعون من ضرب النواقيس ولا من إخراج الصلبان في يوم عيدهم" (8)

(ان کی خانقاہیں اور گرجے پیوند خاک نہیں کیے جائیں گے۔ نہ ان کے عید کے دن ان کو ناقوس کے بجانے اور صلیبیں نکالنے سے روکا جائے گا۔)

اور شام کے پادری کو یہ ضمانتیں دیں:

"ولا يهدم لهم بيعة ولا كنيسة وعلى أن يضربوا نواقيسهم في أي ساعة شاؤا من الليل أو نهار إلا في أوقات الصلوة وعلى أن يخرجوا الصلبان في أيام عيدهم". (9)

(ان کی خانقاہیں اور گرجے نہ ڈھائے جائیں گے۔ وہ نماز کے اوقات کے علاوہ رات دن جب چاہیں ناقوس بجاسکتے ہیں اور عید کے موقع پر صلیبیں نکال سکتے ہیں۔)

جان کی حفاظت

اسلام نے اقلیتوں کی جان مسلمانوں کی جان کے برابر قرار دی ہے۔ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کرے گا، تو قاتل کو مقتول کے قصاص میں قتل کر دیا جائے گا۔ اگر مقتول کے ورثاء قصاص لینے کی بجائے خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں تو قاتل کو خون بہا دینا ہو گا۔

سنن بیہقی کی روایت ہے کہ عہد نبوی میں ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا۔ مقدمہ رسول ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر ذمی کے عہد کو پورا کرنے کی زیادہ ذمہ داری ہے اور مسلمان کو قصاص میں قتل کر دیا[10]۔

قبیلہ بکر بن وائل کے ایک مسلمان نے حیرہ کے ایک عیسائی کو قتل کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے لکھ بھیجا کہ قاتل مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیا جائے، چنانچہ قاتل حنین نامی ایک شخص جو مقتول کے ورثاء میں سے تھا، کے سپرد کر دیا گیا اور اس نے اس کو قتل کر دیا[11]۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک مسلمان نے شام کے ایک قبطی کو قتل کر دیا۔ مقدمہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے قاتل کو قتل کرنے کا حکم دیا، لیکن حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ کی وجہ سے قصاص معاف ہو گیا، اور مقتول کے ورثاء کو مسلمان کی دیت کے برابر ایک ہزار دینار دیت دلوائی[12]۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا، تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمان کو ذمی کے ورثاء کے سپرد کر دیا کہ وہ چاہیں معاف کر دیں، اور چاہیں تو قصاص میں قتل کر دیں۔ انہوں نے قتل کر دیا۔[13]

مال کی حفاظت

ذمی کی جان کی حفاظت کی طرح اس کے مال کی حفاظت بھی اسلامی حکومت کے ذمہ ہے۔ ذمیوں کے قبضہ میں جس قدر زمینیں تھیں انہیں کی تحویل میں رہنے دیں۔ اگر خلیفہ کو مسجد یا اور کسی عمارت کی غرض سے زمین لینے کی ضرورت ہوتی تو معاوضہ دے کر لی جاتی تھی۔

کتاب الخراج میں ہے:

"جب عراق فتح ہوا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے تھی کہ ان کی اراضی مجاہدین میں تقسیم کر دی جائے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ رائے تھی کہ زمینداروں اور کاشتکاروں کی تحویل میں رہنے دی جائے۔ کئی دن بحث و مباحثہ ہوتا رہا، آخر کار یہ ٹھہرا کہ مہاجرین اور انصار سے مشورہ کیا جائے۔ چنانچہ ایک اجتماع ہوا۔ انصار میں سے دس آدمی اپنے قبیلہ کی طرف سے حاضر ہوئے اور بڑے بڑے مہاجرین صحابہ یعنی حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اپنے خیالات کا اظہار کیا، حضرت بلال اور حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ مخالف رہے، لیکن عام رائے یہی ہوئی کہ ذمیوں کو ان کی زمینوں سے بے دخل نہ کیا جائے، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی ایک آیت سے استدلال کیا، تو ان کو مجبور ہونا پڑا اور تمام صحابہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے متفق ہو گئے"۔ (14)

چنانچہ عراق کی کل اراضی زمینداروں کے قبضہ میں رہنے دی گئی، ان کو مالکانہ حقوق دے دیے گئے۔ مصر کی اراضی بھی مالکان کے قبضہ میں رہنے دی گئی۔

اگر حکومت کو زمین کی ضرورت پڑتی، تو مالک کو معاوضہ دیا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک شخص نے دجلہ کے کنارے گھوڑوں کے پالنے کے لیے ایک رمنہ بنانا چاہا۔ آپ نے حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کو جو بصرہ کے گورنر تھے، لکھا کہ اگر وہ زمین ذمیوں کی نہ ہو اور اس میں ذمیوں کی نہروں اور کنوؤں کا پانی نہ آتا ہو، تو سائل کو زمین دے دی جائے (15)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جابیہ میں تھے کہ ایک ذمی نے شکایت کی کہ لوگوں نے اس کا انگوروں کا باغ تباہ کر دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تحقیق کے لیے خود وہاں گئے۔ دیکھا کہ ان کے ساتھیوں میں سے ایک صاحب ڈھال میں انگور لیے جا رہا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا! اچھا آپ بھی ہیں۔ اس نے جواب دیا: امیر

المؤمنین رضی اللہ عنہ! بھوک شدت سے لگی ہوئی تھی، اس وجہ سے یہ حرکت کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ باغ کے مالک کو اس کے انگوروں کی قیمت ادا کر دی جائے[16]۔

تحفظ عزت

اسلامی ریاست میں غیر مسلم کی عزت وناموس کو بھی وہی تحفظ حاصل ہے، جس طرح ایک مسلمان کی عزت وآبرو کو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حمص کے گورنر حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی زبان سے کسی ذمی کے متعلق أخزاك الله (اللہ تجھے رسوا کرے) کا کلمہ نکل گیا۔ اس پر حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کو سخت ندامت ہوئی اور اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا، اور فرمایا کہ اس منصب کے غرور میں مجھ سے یہ گناہ سرزد ہوا ہے، لہذا یہ عدل وانصاف کے خلاف ہے کہ میں اس منصب پر فائز رہوں[17]۔

در المختار میں لکھا ہے: "اس کو تکلیف دینے سے باز رہنا واجب ہے اور اس کی غیبت اس طرح حرام ہے جیسی مسلم کی غیبت حرام ہے"[18]۔

مالی کفالت

ذمی کسی معذوری کی وجہ سے روزی کمانے سے عاجز آجائے تو اس کے گزارے کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا جائے گا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عامل عدی بن ارطاۃ کو حکم بھیجا کہ اپنے علاقہ کے ذمیوں کے حالات معلوم کرو، جو بوڑھے ہو چکے ہیں اور روزی کمانے کے قابل نہیں رہے، تو ان کے گزران کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا جائے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بوڑھے ذمی کو دیکھا کہ در در بھیک مانگتا پھرتا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: ہم نے تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ جب تم جوان تھے اور کماتے تھے تو ہم نے تم سے جزیہ وصول کیا۔ اب جب تم کمانے کے قابل نہیں رہے تو ہم نے تم کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے وظیفہ مقرر کر دیا[19]۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فتح حیرہ کے وقت جو معاہدہ کیا تھا، اس میں درج کیا:

"میں نے ان کو یہ حق دیا کہ اگر کوئی بوڑھا کام کرنے سے معذور ہو جائے یا اس پر کوئی مصیبت آن پڑے یا پہلے دولت مند تھا، پھر مفلس ہو گیا اور اس وجہ سے اس کے ہم مذہب اس کو خیرات دینے لگے تو اس کا جزیہ موقوف کر دیا جائے گا، اور اس کا اور اس کے اہل وعیال کا نفقہ مسلمانوں کے بیت المال سے مقرر کر دیا جائے گا جب تک وہ مسلمانوں کے ملک میں رہے۔ اگر وہ اسلامی ملک سے چلا جائے تو مسلمانوں پر اس کے اہل وعیال کا نفقہ واجب نہ ہو گا"۔ (20)

اقتصادی آزادی

اسلامی ریاست میں اقلیتوں کو اقتصادی آزادی حاصل ہوئی ہے۔ ان کو کمانے اور خرچ کرنے میں مکمل آزادی ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض ایسی چیزوں کی تجارت کرنا جو ایک مسلمان کے لیے حرام ہے مگر اقلیتوں کو اجازت ہے۔ جیسے شراب اور خنزیر کی خرید و فروخت۔

سیاسی حقوق

اسلامی ریاست میں غیر مسلم رعایا کو یہ حق حاصل ہے کہ خلیفہ ملکی امور میں ان سے مشورہ لے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بنیامین نامی مصری قبطیوں کا ایک سردار تھا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ وہ اپنی قوم میں بااثر شخص ہے تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ انتظامی امور میں اس سے مشورہ لیں (21)۔

اسی طرح اقلیتوں کے امور میں انہی کی رائے معتبر تصور ہو گی۔ عراق کے انتظام کے وقت وہاں کے قائدین کو مدینہ بلوایا اور ان سے مشورہ لیا۔ ایسا ہی مصر کے اقلیتی لیڈر مقوقس کی رائے لینے کے بعد وہاں انتظامی امور کا فیصلہ فرمایا تھا۔

مذہبی قانون میں آزادی

اسلام نے اقلیتوں کے اپنے مذہبی قانون میں ہر قسم کی آزادی دی ہے۔ اسلامی عدالت میں ان کے قانون کے مطابق ہی فیصلے ہوں گے۔ اہل نجران کے معاہدہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر فرمادیا تھا کہ ان کے خالص مذہبی امور میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی (22)۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

کے دور میں اس پر عمل ہوتا رہا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: "کیا وجہ ہے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے ذمیوں کو محرمات کے ساتھ نکاح، شراب اور خنزیر کے معاملہ میں آزاد چھوڑ دیا ہے"۔ تو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا۔ انہوں نے جزیہ دینا اس وجہ سے قبول کیا ہے کہ انہیں ان کے عقیدے کے مطابق زندگی بسر کرنے کی آزادی دی جائے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا کام انہی کے نقش نقدم کی پیروی کرنا ہے اور اپنی طرف سے کوئی نئی بات ایجاد نہیں کرنی چاہیے"[23]۔

علامہ ابو الحسن ماوردی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> "انہیں اپنے حقوق اپنے حکام کے پاس لے جانے میں کسی قسم کی ممانعت نہیں کی جاسکتی۔"[24]

ابن الفقیہ لکھتے ہیں:

> "جن عیسائیوں نے مفتوحہ ملک میں رہنا پسند کیا، ان کے مال وجان کی پوری حفاظت کی گئی۔ انہیں پورا حق حاصل تھا کہ اپنے طور پر اپنی عبادت کریں۔ معینہ حدود میں انہی کے قوانین رائج تھے۔ بعض ملکی اور قومی عہدوں پر ان کا تقرر کیا گیا۔ ان کی عورتوں کو اجازت تھی کہ وہ فاتحین کے ساتھ شادی بیاہ کریں۔ غرض ازروئے قانون ان کے ساتھ کوئی ایسا برتاؤ نہیں کیا جاتا تھا جس سے مفتوح یا غلام معلوم ہوں"[25]۔

دفاعی نظام اور اقلیت

اسلامی ریاست کسی اقلیت کو جبری طور پر فوج میں بھرتی نہیں کر سکتی۔ کیونکہ اسلامی حکومت ان سے ایک دفاعی ٹیکس لیتی ہے اور اقلیت کے ہر فرد کی جان، مال اور ناموس کی حفاظت کی ذمہ دار ہے۔ اس دفاعی ٹیکس سے بچے، بوڑھے، عورت اور اپاہج وغیرہ مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ اگر اسلامی حکومت ان کی حفاظت نہ کر سکے، تو وہ دفاعی ٹیکس واپس کرنا پڑتا ہے۔

"حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے عہد گورنری میں رومیوں کے ساتھ ایک دفعہ شام کی لڑائی میں مسلمان کچھ پسپا ہو گئے تھے، تو اس وقت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اقلیتوں سے لیا ہوا ٹیکس یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ تمہاری حفاظت کے بدلہ میں یہ لیا گیا تھا۔ اس وقت ہم تمہاری حفاظت نہ کر سکے، اس لیے ہمیں اس کے رکھنے کا کوئی حق نہیں"[26]۔

البتہ جو غیر مسلم اپنی خوشی سے فوج میں بھرتی ہو اچاہے اس سے یہ جزیہ وصول نہیں کیا جاتا بلکہ اس کو فوجی وظیفہ بھی ملتا ہے۔ "معاہدہ آذربائیجان میں یہ واضح طور پر لکھا تھا کہ اقلیت کے وہ افراد جو اسلامی فوج میں حصہ لیں گے۔ ان سے اس سال کا جزیہ نہیں لیا جائے گا"[27]۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اسلامی حکومت میں رہنے والے غیر مسلم باشندے اگر اپنی مرضی سے فوج میں بھرتی ہوں، تو حکومت کو ان سے خدمت لینے میں کوئی حرج نہیں اور اس کے عوض ان کو عطیہ یعنی مال غنیمت سے کچھ دیا جائے گا"[28]۔

ریاستی ملازمت

سرکاری ملازمتوں پر اسلام غیر مسلموں (اقلیتوں) کو بھی ان کی صلاحیت کے مطابق ملازمت کا موقع دیتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اپنے عہد خلافت میں قاہرہ سے بحر احمر تک ایک نالی کھدوائی تھی تو اس وقت آپ رضی اللہ عنہ نے ایک ذمی کو انجینئر مقرر فرمایا تھا[29]۔ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانہ میں ایک ہندو کو اسلحہ خانہ کا نگران مقرر کیا تھا[30]۔

قانونی مساوات

اسلامی حکومت میں مسلمان اور غیر مسلم قانون کی نظر میں برابر ہے۔ دنیا میں کوئی ایسی مثال نہیں کہ فاتح قوم نے مغلوب قوم کو قانون میں اپنے برابر قرار دیا ہے۔ یہ امتیاز بھی اسلام کو حاصل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران کو یہ تحریر فرمادیا تھا کہ ان میں سے اگر کوئی حق کا دعوی لے کر حاضر ہو، تو اس کے ساتھ غیر جانبدارانہ انصاف کیا جائے گا[31]۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک یہودی نے ان کی زرہ چوری کرلی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ قاضی کی عدالت میں حاضر ہوئے اور ان کے دو گواہ تھے۔ ایک حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور دوسرے ان کے غلام۔ لیکن قاضی نے باپ کے حق میں بیٹے کی شہادت اور آقا کے حق میں غلام کی گواہی کو مسترد کر دیا اور یہودی کے حق میں فیصلہ صادر فرمادیا۔ یہودی اسلام کے اس عدل وانصاف کے اعلی معیار کو دیکھ کر مسلمان ہو گیا[32]۔

اسلام نے اپنی ریاست کے حکام بالا کو اپنی رعایا کے ساتھ ہر معاملہ میں نرمی اور شفقت کا درس دیا ہے، خواہ یہ رعایا مسلمان باشندوں پر مشتمل ہو یا غیر مسلموں پر۔ تمام صورتوں میں شفقت، رحم، نرمی کو بروئے کار لانے کی تلقین کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کو پیغام حق پہنچانے کے لیے حکم دیا، تو ارشاد فرمایا: ﴿ فَقُولَا لَهُۥ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُۥ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ﴾ (33)

(سو تم دونوں اس سے نرم بات کہنا شاید وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈرے۔)

اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے فرماتا ہے:

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ ٱللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ ٱلْقَلْبِ لَٱنفَضُّوا۟ مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَٱعْفُ عَنْهُمْ وَٱسْتَغْفِرْ لَهُمْ ﴾ (34)

(سو اللہ تعالیٰ کی رحمت تو ان کے لیے نرم ہے اور اگر تو سخت کلام سخت دل ہوتا، تو تیرے ارد گرد سے تتر بتر ہو جاتے پس تو ان کو معاف کر اور ان کے لیے بخشش مانگ۔)

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ، يُحْرَمِ الْخَيْرَ)) (35)

(جو نرمی سے محروم رہا وہ بھلائی سے محروم رہا۔)

دوسری جگہ ارشادِ نبوی ہے:

((أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَحْرُمُ عَلَى النَّارِ أَوْ بِمَنْ تَحْرُمُ عَلَيْهِ النَّارُ، عَلَى كُلِّ قَرِيبٍ هَيِّنٍ سَهْلٍ)) (36)

(کیا میں تم لوگوں کو بتاؤں کہ کون شخص آگ پر حرام ہے اور کس پر آگ حرام ہے۔ ہر اس شخص پر جو نرم مزاج، نرم، لوگوں سے قریب ہونے والا ہو اور نرم خو ہو۔)

رسول کریم ﷺ نے ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

((عَلَيكِ بالرِّفْقِ، وإِيَّاكِ والعُنْفَ والفُحْشَ فَإِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ، وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ)). (37)

(تم نرمی کو اپنے اوپر لازم کرو اور سختی اور گالی گلوچ سے بچو۔ کیونکہ نرمی جس چیز میں ہوتی ہے اس کے لیے زینت کا باعث ہے اور جس چیز سے نرمی کھینچ لی جاتی ہے وہ اس کو عیب دار کر دیتی ہے۔)

اسلام نے کس حد تک نرمی اور رفق کی تلقین کی ہے۔ حکومت کا انتظام چلانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ مالی استحکام ہو۔ مالیات کو مضبوط کرنے کے لیے حکومت عوام پر ٹیکس لگاتی ہے اور اس کے عوض حکومت پبلک کو سیکورٹی اور دیگر تمام سہولیات فراہم کرتی ہیں۔

ٹیکسوں کی وصولی میں نرمی

غیر مسلموں سے بھی اسلامی ریاست دو قسم کے ٹیکس، جزیہ اور خراج وصول کرتی ہے۔ اسلام جزیہ اور خراج کی وصولی میں سختی کو منع کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کے گورنر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مسلمانوں کو ان (ذمیوں) پر ظلم کرنے اور انہیں ستانے اور ناجائز طریقے سے ان کے مال کھانے سے منع کرو[38]۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جزیہ کی وصولی کے بعد خفیہ طور پر تفتیش کرتے تھے کہ ان پر کسی قسم کا دباؤ ڈال کر تو جزیہ وصول نہیں کیا گیا۔

ذمیوں کے پرسنل لاء کا تحفظ

اسلام نے اپنی ریاست میں ذمیوں (غیر مسلموں) کو اپنے مذہبی قانون میں ہر قسم کی آزادی دی ہے۔ اسلامی عدالت میں ان کے قانون کے مطابق ہی فیصلے ہوں گے۔ اہلِ نجران کے معاہدہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف طور پر فرما دیا تھا کہ ان کے خالص مذہبی امور میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی[39]۔

خلفاء راشدین کے دور میں بھی اس پر عمل ہوتا رہا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: "کیا وجہ ہے کہ خلفائے راشدین نے ذمیوں کو محرمات کے ساتھ نکاح، شراب اور خنزیر کے معاملہ میں آزاد چھوڑ دیا ہے"؟ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: "انہوں نے جزیہ دینا اس وجہ سے قبول کیا ہے کہ انہیں ان کے عقیدے کے مطابق زندگی بسر کرنے کی آزادی دی جائے۔ آپ کا کام انہی کے نقش قدم کی پیروی کرنا ہے اور اپنی طرف سے کوئی نئی بات ایجاد نہیں کرنی ہے"[40]۔

علامہ ابو الحسن ماوردی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"انہیں (ذمیوں) کو اپنے حقوق اپنے حکام کے پاس لے جانے میں کسی قسم کی ممانعت نہیں کی جاسکتی"[41]۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو جب پہلی اسلامی ریاست کا شرف بخشا، تو سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سیاسی بصیرت اور اعلیٰ حکمت و تدبر سے کام لیتے ہوئے مدینہ منورہ کی جملہ اقوام بالخصوص یہود سے ایک تحریری معاہدہ کیا تاکہ نسل و مذہب کا اختلاف ختم ہو اور قومی وحدت تشکیل پاسکے اور سب کو اسلامی تہذیب و تمدن میں ایک دوسرے کا تعاون حاصل ہو۔ یہ صحیفۂ مدینہ "میثاق مدینہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اس معاہدہ میں کہا گیا کہ "یہودیوں کو مکمل طور پر مذہبی آزادی ہو گی۔ خون بہا اور فدیہ کا قدیم طریقہ قائم رہے گا۔ یہودی اور مسلمان آپس میں دوست رہیں گے۔ یہودیوں کے دوست قبائل کے حقوق بھی یہودیوں کے برابر ہوں گے"[42]۔

مسلمانوں نے سپین کو جب فتح کیا، تو بہت سے غیر مسلم مسلمانوں سے خوف زدہ ہو کر بھاگنے لگے مگر مسلم حکومت نے ذمیوں سے بہت اچھا سلوک کیا۔

تاریخ سپین کا مصنف لکھتا ہے:

"جن عیسائیوں نے مفتوحہ ملک میں رہنا پسند کیا۔ ان کے مال و جان کی پوری حفاظت کی گئی۔ انہیں پورا حق حاصل تھا کہ اپنے طور پر اپنی عبادت کریں، معینہ حدود میں انہی کے قوانین رائج تھے۔ بعض ملکی اور قومی عہدوں پر ان کا تقرر کیا گیا۔ ان کی عورتوں کو اجازت تھی کہ وہ فاتحوں کے ساتھ شادی بیاہ کریں غرض از روئے قانون ان کے ساتھ کوئی ایسا برتاؤ نہیں کیا جاتا تھا جس سے مفتوح یا غلام معلوم ہوں"[43]۔

تاریخ کے اوراق پلٹنے سے پتہ چلتا ہے کہ جب سے ریاست نے جنم لیا ہے، اقلیتوں اور ماتحت اقوام کا وجود ذلت اور مسکنت کا نشانہ بنا رہا ہے۔ محکوم قوم نے حاکم قوم کے تحت ذلیل و خوار ہو کر زندگی گزاری، اور اگر محکوم قوم کو غالب آنے کا موقع مل گیا تو اس نے اپنی سابقہ ذلت اور رسوائی کا انتقام لیا۔ غلامی کا رواج بھی اسی ظلم و عدوان کا نتیجہ ہے۔ محکوم قوم غلام تصور کی جاتی تھی۔ ان کو معاشرتی، اقتصادی، سیاسی اور مذہبی آزادی سے محروم کر دیا جاتا تھا۔

اسلام سے قبل تمام متمدن حکومتوں میں اقلیتوں کی حالت ناگفتہ اور المناک تھی۔ انسانیت سے ہٹ کر جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جارہا تھا۔ عزت نفس اور تمام انسانی حقوق کو پامال کیا جارہا ہے۔ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے اپنی قائم کردہ ریاست میں تمام ذمیوں (اقلیتوں) کو وہ حقوق دیے جو ان کی عزت نفس اور معاشرتی، اخلاقی، اقتصادی، سیاسی اور مذہبی بقا کے لیے ضروری تھے۔ حاکم و محکوم، آقا و غلام، کالے و گورے، غریب و امیر، اعلیٰ وادنیٰ، مسلم و غیر مسلم کے تمام انسانی امتیازات اور اختلافات کو ختم کر دیا۔ تاکہ کسی بھی اسلامی ریاست کے تمام شہری اتحاد و اتفاق کی لڑی میں اپنے آپ کو پرو کر ریاست کے قیام وبقا اور ترقی و عروج کے لیے جدوجہد کر سکیں۔

حوالہ جات وحواشی

1) سورۃ الإسراء:34

2) سورۃ الأنفال:72

3) طبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الأمم والملوک، بیروت لبنان، ص:۲۴۶۷

4) ابن جوزی، جمال الدین، أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت لبنان، ص:۱۴۷

5) بلاذری، احمد بن یحیی بن جابر، فتوح البلدان، مکتبہ قاہرہ، مصر، ۱۹۰۵، ص:۱۳۷

6) سورۃ البقرۃ:256

7) ابن حجر عسقلانی، ابو الفضل احمد بن علی، الإصابۃ فی تمیز الصحابۃ، مکتبہ الکلیات الازہریہ، مصر؛ ص:۱۷۷

8) ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ، الإستیعاب فی معرفۃ الأصحاب، مکتبہ الکلیات الازہریہ، مصر؛ ص:۱۸۵

9) رضا محمد، ابو بکر الصدیق اول خلفاء الراشدین، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان: ص:۸۷

10) بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین، شعب الإیمان، دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۰ء، بیروت، لبنان؛ ص:۱۷۲

11) الدکتور حسن ابراہیم حسن، تاریخ الإسلام السیاسی والدینی والإجتماعی، مکتبۃ النھضۃ المصریۃ، م؛ الطبعۃ السابعۃ، ۱۹۶۴، ص:۱/۱۰۷

12) سیوطی، جلال الدین، عبد الرحمان بن ابی بکر بن محمد، تاریخ الخلفاء، مطبعۃ السعاد، مصر: ۱۹۵۲، ص:۸۵

13) ابن جوزی، جمال الدین ابو الفرج، سیرۃ عمر بن عبد العزیز، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان: ص:۹۵

14) امام ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، دار المعرفۃ، ص:۲۱۹

15) طبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الأمم والملوک، ص:۲۵۷۰

16) أیضاً

17) خلیل، محمد علی، خلفاء راشدین، دار عالم الکتب، تہران: ۱۹۲۱ء، ص:۲۲۴

18) حصکفی، علاء الدین، در المختار، دیوان الأوقاف المصریہ، مصر: ۱۲۵۶ھ، ص:۱۳۲

19) ابن اثیر، علی بن ابی المکرم، الکامل فی التاریخ، دار صادر بیروت، لبنان: ۱۳۹۹ھ، ص:۵/۱۹۵

20) شبلی، ابو زید، تاریخ خالد بن ولید، قاہرہ، مصر: ۱۹۳۳ھ، ص:۲۲۷

21) ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد بن سعد، الطبقات الکبری، دار صادر، بیروت، لبنان: ۱۹۶۸ء، ص:۵/۲۱۵

22) ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، مطبعۃ مصطفی البابی، الحلبی واولادہ، مصر: ۱۳۵۵ھ، ص: ۱۷۸

23) ابن جوزی، عبد الرحمن بن علی بن محمد بن علی، سیرۃ عمر بن عبد العزیز، الناشر: دار الکتب العلمیۃ 1984 ص: ۱۴۴

24) الماوردی، ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب، الأحکام السلطانیہ، مکتبہ محمودیہ تجاریہ، مصر، ص: ۲۲۷

25) ابن الفقیہ، ابو بکر احمد بن محمد بن اسحق، کتاب البلدان، مطبعۃ بریل، لندن ۱۸۸۶ء، ص: ۲۳۶

26) ندوی، معین الدین، تاریخ الإسلام، ایم۔ ایچ کمپنی کراچی: ۱۹۷۴ء، ص: ۲/۱۸۸

27) أیضاً

28) شافعی امام ابو عبد اللہ بن ادریس، کتاب الأم، دار الفکر العربی، قاہرہ، مصر: ۱۳۸۱ھ، ص: ۲۳۲

29) عبد الوہاب، الخلفاء الراشدون، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان: ص: ۱۴۲

30) سید، محمد میاں، علماء ہند کا شاندار ماضی، مکتبہ محمودیہ، لاہور: ۱۹۷۷ء، ص: ۲۰۹

31) ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد بن سعید، جمھرۃ أنساب العرب، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان: ۱۴۰۶ھ، ص: ۲۶۹

32) ابو نعیم، أحمد بن عبد اللہ الأصفھانی، حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء، مکتبۃ الخانجی ودار الفکر العربی، بیروت، لبنان 1416-1996، ص: 4/139

33) سورۃ طہ: ۴۴

34) سورۃ آل عمران: ۱۵۹

35) القشیری، امام مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب فی فضل الرفق، المصریۃ القدیمۃ بیروت، لبنان: ۱۹۰۰ء، حدیث نمبر: ۶۷۹۴ ص: ۹/۱۹۷

36) ابو عیسی محمد بن عیسی، جامع الترمذی، ابواب الزہد عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باب ما جاء فی الزھادۃ فی الدنیا، دار الکتب العلمیۃ بیروت، لبنان: ۱۹۵۸ء، حدیث نمبر: 2412، ص: ۹/۲۸

37) مسند احمد، مسند عائشہ، بتحقیق أحمد محمد شاکر وحمزۃ الزین مطبعہ دار الحدیث، حدیث نمبر ۲۳۷۹۱، ص: ۱۲/۴۴۷

38) ابن خلدون، عبد الرحمان، مقدمہ ابن خلدون، مکتبہ دار الباز، مکہ مکرمہ: ۱۹۹۳ء، ص:332
39) توکلی، نور بخش، سیرت رسول عربی، فرید بکسٹال اردو بازار لاہور، ۱۹۷۹ء، ص: ۳۱۵
40) ابو عبیدہ القاسم بن سلام، کتاب الاموال، دار الفکر العربی، مصر: ۱۳۵۳ھ، ص: ۳۶
41) الماوردی، الأحکام السلطانیہ، ص: ۲۳۲
42) احمد بن ابو یعقوب، تاریخ یعقوبی، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، ص:229
43) عبد اللہ العمادی، تاریخ طبری (اردو)، نفیس اکیڈمی، کراچی: ۱۹۸۱ء، ص:169

****

صلح حدیبیہ: آنحضرت کی ﷺ سیاسی، معاشرتی اور دفاعی حکمت عملی

Hudaibiya's Truce:Political,Social and Deffensive Strategy of the Holy Prophet S.A.W

بریگیڈئیر (ر) ڈاکٹر فضل ربی*

ارم سلطانہ**

ABSTRACT

Hazrat Muhammad ﷺ is the last Apostle to human beings. He was gifted with a divine Deen having complete code of life. Every field of life has been discussed in the Holy Quran and Sunnah of the Prophet ﷺ. As an Apostle, head of the state and army commander, He guided the mankind and provided an excellent example in all the perspectives of life.

As a commander of the Islamic forces, the Holy Prophet ﷺ fought twenty seven Ghazwat after migration to Madina. In Zeqaida 6 AH, during the pact of Hudaibia a complete turn was taken by Muslims. After this event, the Muslim army role changed to offensive rather than defensive. Immediately, after the pact, the Holy Prophet ﷺ attacked on Khyber in Muharram 7th AH, while the whole Hijaz region was captured during the Ghazwa Fath-i-Makkah.

In this article, the strategy and tactics employed by the Holy Prophet ﷺ during Hudaibia truce have been discussed. These tactics are useful and beneficial in modern era warfare also. As an ideal for all the Ummah, lessons should be extracted by the commanders to defend their motherland and ideological boundries.

Keywords: *Hudaibia, Prophet Muhammad ﷺ, tactics, strategy, Makkah, Hudaibia Pact*

---

* چیف ایسوسی ایٹس اکیڈیمکس، فاونڈیشن یونیورسٹی، اسلام آباد

** لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اسلام کا مادہ "سلم" (س ل م) سے ہے جس کے معنی سلامتی اور صلح کے ہیں۔ اسلام امن اور سلامتی کا دین ہے۔ بنیادی طور پر یہ جنگ، بغاوت اور انتشار کو پسند نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کا جینا دوبھر ہو گیا تو آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا۔ لیکن قریش مکہ اور آس پاس کے یہود کو مسلمانوں کا مدینہ میں چین سے رہنا گوارا نہ تھا، تب ۱۳ سال تک ہر قسم کی تکالیف اور ظلم و ستم برداشت کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو لڑنے کی اجازت دے دی۔ اور اذن قتال سے متعلق پہلی وحی اُتری۔

﴿ أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَٰتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا۟ ۚ وَإِنَّ ٱللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ ٱلَّذِينَ أُخْرِجُوا۟ مِن دِيَٰرِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّآ أَن يَقُولُوا۟ رَبُّنَا ٱللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ ٱللَّهِ ٱلنَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَٰمِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَٰتٌ وَمَسَٰجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا ٱسْمُ ٱللَّهِ كَثِيرًا ۗ ..... ﴾ (۱)

(جن مسلمانوں سے لڑائی کی جاتی ہے انہیں لڑنے کی اجازت ہے۔ کیونکہ ان پر ظلم ہو رہا ہے اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے یہ وہ لوگ ہیں کہ اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے اس لیے کہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ ہمارا پالنہار ہے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو (راہبوں کے) صومع، (عیسائیوں کے) گرجے، (یہودیوں کے) عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) مساجد جن میں اللہ کا بہت سا ذکر کیا جاتا ہے برباد ہو چکی ہوتیں)۔

اسی اجازت کی بنیاد پر مسلمانوں نے ہجرت مدینہ کے بعد کئی باقاعدہ جنگیں لڑیں۔ صلح حدیبیہ کو بھی غزوات میں شامل کیا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَّقَدْ رَضِىَ ٱللَّهُ عَنِ ٱلْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ ٱلشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِى قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ ٱلسَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَٰبَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ﴾ (۲)

(اللہ تعالیٰ مؤمنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے ان کے دلوں کا حال ان کو معلوم تھا اس لئے ان پر سکینت نازل فرمائی اور ان کو انعام میں قریبی فتح بخش دی)۔

صلح حدیبیہ کا پس منظر

غزوہ احزاب (۵ ہجری) میں کفار ناکام و نامراد ہو کر لوٹ گئے تھے۔ مگر ان کے اندر اب بھی جوش موجود تھا۔ نبی کریم ﷺ نے غزوہ احزاب کے فوراً بعد بنو قریظہ کا محاصرہ کر کے انہیں بد عہدی کی سزا دی۔

سنہ ۶'۵ ہجری کے دوران محاذ حق پر مسلمانوں کو جو پے در پے فتوحات نصیب ہوئیں ان کے باعث سیاسی، اقتصادی نیز عسکری اعتبار سے اسلام کی حیثیت "جزیرہ نمائے عرب" میں پہلے سے کہیں زیادہ مستحکم و پائیدار ہو گئی اس کے ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ کے لئے یہ امکان پیدا ہو گیا کہ قریش کی سازشوں سے بلا خوف و خطر اور اسلحہ و ساز و سامان جنگ کے بغیر مکہ کا سفر اختیار کر کے زیارت کعبہ سے مشرف ہو سکیں چنانچہ آپ ﷺ نے اندرون و بیرون مدینہ اعلان کرایا کہ لوگ اپنے اس عبادی، سیاسی سفر کی تیاری کریں۔

اسی سال نبی کریم ﷺ نے خواب دیکھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ خواب سنایا اور فرمایا" میں نے دیکھا گویا میں اور مسلمان مکہ پہنچ گئے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں"۔ خواب دیکھنے کے بعد آپ ﷺ نے آئندہ مقام کے لئے حکمت عملی وضع کرنے اور زیارت بیت اللہ کی غرض سے مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ کیا۔ اعلان کرنے پر تقریباً چودہ (۱۴۰۰) سو سے زیادہ افراد نے اس سفر پر روانہ ہونے کے لئے آمادگی ظاہر کر دی، رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ:

اس سفر پر جانے کا ہمارا مقصد جنگ نہیں بلکہ عمرہ کرنا ہے چنانچہ ہر شخص اپنے ساتھ ایک تلوار اس وجہ سے لے سکتا ہے کہ یہ مسافروں کے لئے ضروری ہے۔

آنحضرت ﷺ نے قربانی کیلئے ستر (۷۰) اونٹ اپنے ساتھ لئے۔ آپ ﷺ کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی قربانی کے مقصد کیلئے اونٹ اپنے ساتھ لئے۔ رسول اللہ ﷺ نے "ذوالحلیفہ" نامی مقام پر احرام باندھا اور پہلی ذی القعدہ سنہ ۶ ہجری کو خانہ خدا کی زیارت کی خاطر مدینہ سے مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔[۳]

مسلمانوں کی اس مختصر تعداد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا سفر مکہ اختیار کرنا اور وہ بھی عسکری ساز و سامان کے بغیر خطرات سے خالی نہ تھا کیونکہ یہ واضح تھا کہ قریش اسلام پر کاری ضرب لگانے نیز رسول

اللہ ﷺ کو اپنے راستے سے ہٹانے کے علاوہ کچھ سوچتے ہی نہیں تھے اور گزشتہ چند سالوں کے دوران ان کا سابقہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میدان جنگ میں اس طرح پڑا تھا کہ ہر بار منہ کی کھائی تھی تو جب رسول اللہ ﷺ کو صحابہ کی اس مختصر جماعت کے ساتھ دیکھیں گے اور انہیں معلوم ہو گا کہ آنحضرت ﷺ بغیر اسلحہ کے تشریف لا رہے ہیں تو وہ لا محالہ اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش گے اور رسول اللہ ﷺ کا کام ہی تمام کر دیں گے۔ چنانچہ اسی وجہ سے منافقین اور صحرا نشین عربوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ مکہ جانے سے اجتناب کیا اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اگر وہ مسلمانوں کی اس مختصر جماعت کے ساتھ بغیر اسلحہ کے جائیں گے تو ہر گز مدینہ واپس نہ آسکیں گے اور جب قریش اس جماعت کو معمولی ساز وسامان کے ساتھ دیکھیں گے تو انہیں نیست ونابود کر دیں گے۔[۴]

قرآن مجید نے ان کے گمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ

﴿ بَلْ ظَنَنتُمْ أَن لَّن يَنقَلِبَ ٱلرَّسُولُ وَٱلْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰٓ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزُيِّنَ ذَٰلِكَ فِى قُلُوبِكُمْ وَظَنَنتُمْ ظَنَّ ٱلسَّوْءِ وَكُنتُمْ قَوْمًۢا بُورًا ﴾[۵]

(مگر اصل بات وہ نہیں ہے جو تم کہہ رہے ہو) بلکہ تم نے یوں سمجھا کہ رسول اور مؤمنین اپنے گھر والوں میں ہر گز پلٹ کر نہ آسکیں گے اور یہ خیال تمہارے دلوں کو بہت بھلا لگا اور تم نے بہت برے گمان کئے اور تم سخت بد باطن لوگ ہو)۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں۔

((تَعُدُّونَ أَنْتُمُ الْفَتْحَ، فَتْحَ مَكَّةَ، وَقَدْ كَانَ فَتْحُ مَكَّةَ فَتْحًا، وَنَحْنُ نَعُدُّ الْفَتْحَ بَيْعَةَ الرِّضْوَانِ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَرْبَعَ عَشْرَةَ وَمِائَةً))[۶]

(اے لوگو! تم (انا فتحنا) سے مکہ کی فتح مراد لیتے ہو، بے شک مکہ کی فتح بھی ایک فتح ہی ہے، مگر ہم تو بیعت رضوان کو جو حدیبیہ میں ہوئی، فتح جانتے ہیں، چنانچہ ہم سب سو چودہ آدمی رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے)۔

عمرہ کی نیت باندھ کر قربانی کے اونٹ ساتھ لئے گئے۔ دستور عرب کے مطابق ذاتی ہتھیار (تلوار) نیام کے اندر ساتھ لے کر یہ قافلہ روانہ ہوا۔ قربانی کے جانوروں کو ذوالحلیفہ میں چھوڑ دیا۔ نبی

کریم ﷺ کی یہ پیش قدمی فوجی نظم وضبط اور حکمت عملی کے بالکل مطابق تھی۔ چودہ سو صحابہ کرام کا ایک کالم کی صورت میں آگے بڑھنا دوسرے لفظوں میں جنگی مشق تھی جسے فوجی اصطلاح میں (Exercise with Troops) کہتے ہیں۔ قریش کو اطلاع ملی تو اپنے معبودوں کی قسمیں کھا کر عہد کیا کہ نبی کریم ﷺ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے سپاہ اسلام کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کیلئے "خالد بن ولید" کو دوسو(۲۰۰) سواروں کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کی جانب روانہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس خیال کے پیش نظر کہ دشمن سے مقابلہ نہ ہو راستہ کو بدل کر اپنا سفر جاری رکھا اور "حدیبیہ "(۸) نامی جگہ پر قیام فرمایا لشکر "خالد بن ولید" بھی رسول اللہ ﷺ کا تعاقب کرتا ہوا سپاہ اسلام کے نزدیک پہنچ گیا اور وہیں اس نے پڑاؤ ڈالا۔ نبی کریم ﷺ حرمت کے مہینے کے احترام اور اپنے پیش نظر اہداف ومقاصد کے تحت ہر قسم کے تصادم سے بچنے کے لئے کوشاں تھے۔

نبی کریم ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر پڑاو ڈالتے ہی حضرت عثمان کو قریش مکہ کی جانب روانہ کر دیا تھا تاکہ انہیں آگاہ کیا جائے کہ مسلمانوں کی آمد کا مقصد صرف عمرہ کی ادائیگی ہے نہ کہ جنگ و جدل۔ لیکن عثمان کے مکہ پہنچنے کے بعد یہ افواہ مشہور ہوگئی کہ آپ کو قتل کر دیا گیا ہے۔

بیعت رضوان

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صحیح وقت پر واپس نہ آئے تو اس افواہ کو تقویت ملی کہ انہیں قتل کر دیا گیا ہے اور یہ بات نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں پر بہت شاق گزری۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک قریش کا خاتمہ نہیں کر لیتے۔ چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ یہی وہ بیعت ہے جسے "بیعت رضوان" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قرآن مجید نے اسے یوں بیان کیا ہے۔

﴿لَّقَدْ رَضِيَ ٱللَّهُ عَنِ ٱلْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ ٱلشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ ٱلسَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَٰبَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا﴾[۱۰]

(اللہ مؤمنین سے اس وقت خوش ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے ان کے دلوں کا حال اس کو معلوم تھا اسی لئے اس نے ان اطمینان و پر سکون نازل فرمایا اور ان کو انعام میں عنقریب ہونے والی فتح بخشی)۔

روایت میں ہے:

((عَنْ يزيد بن أبى عُبيدة قَال قُلتُ سلمة بن الأكوع عَلَى أَيِّ شَيْءٍ بَايَعْتُمْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ قَالَ عَلَى الْمَوْتِ)) (۷)

(حضرت یزید بن ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ سے حدیبیہ کے دن کس چیز پر بیعت لی۔ انہوں نے فرمایا! "موت پر")۔

تطبیق روایات

صحیح بخاری اور جامع ترمذی کی دوسری روایات میں بیعت کی بابت لڑائی کے دوران ثابت قدمی کا ذکر ہے۔ امام ترمذی نے موت پر بیعت والی حدیث کو "حدیث حسن" صحیح کہا ہے۔ دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ کئی صحابہ کرام نے موت پر اور کئی نے نہ بھاگنے پر بیعت کی۔

اسی بیعت میں نبی کریم ﷺ نے اپنے بائیں ہاتھ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا داہنا ہاتھ قرار دیا اور ان کی جانب سے اپنے داہنے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس بیعت کا حال سن کر قریش خوفزدہ ہوئے اور ان کے کئی سردار یکے بعد دیگرے حدیبیہ میں آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔ عروہ بن مسعود جو قریش کی جانب سے سفیر بن کر آیا تھا۔ تو اس نے ایسا منظر دیکھا کہ دنگ رہ گیا۔ واپسی پر قریش مکہ سے ان الفاظ میں مخاطب ہوا:

أَيُّ قَوْمٍ ، وَاللَّهِ لَقَدْ وَفَدْتُ عَلَى الْمُلُوكِ ، وَفَدْتُ عَلَى قَيْصَرَ ، وَكِسْرَى ، وَالنَّجَاشِيِّ وَاللَّهِ ، إِنْ رَأَيْتُ مَلِكًا قَطُّ يُعَظِّمُهُ أَصْحَابُهُ تَعْظِيمَ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ، وَاللَّهِ ، إِنْ تَنَخَّمَ نُخَامَةً ، إِلا وَقَعَتْ فِي كَفِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ ، فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ ، فَإِذَا أَمَرَهُمُ ابْتَدَرُوا أَمْرَهُ ، وَإِذَا تَوَضَّأَ كَادُوا يَقْتَتِلُونَ عَلَى وَضُوئِهِ ، وَإِذَا تَكَلَّمُوا خَفَضُوا أَصْوَاتَهُمْ ، وَمَا يُحِدُّونَ إِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيمًا لَهُ..... (۱۱)

(اے قوم! مجھے بارہا نجاشی (شاہ حبشہ)، قیصر (شاہ روم) اور کسریٰ (شاہ ایران) کے دربار میں جانے کا اتفاق ہوا ہے، مگر مجھے ان میں سے کوئی بھی بادشاہ ایسا نظر نہیں آیا، جس کی عظمت اس کے دربار والوں کے دل میں ایسی ہو، جیسے اصحاب محمد ﷺ کے دل میں محمد ﷺ کی ہے"۔ محمد ﷺ تھوکتا ہے تو اس کا لعاب دہن زمین پر گرنے نہیں پاتا کسی نہ کسی کے ہاتھ پر گرتا ہے اور وہ شخص اس لعاب دہن کو اپنے چہرہ پر مل لیتا ہے۔ جب محمد ﷺ کوئی حکم دیتا ہے تو تعمیل کے لئے سب مبادرت کرتے ہیں۔ جب وہ وضو کرتا ہے تو آب مستعمل کو لینے کے لئے ایسے گرتے پڑتے ہیں گویا لڑائی ہو پڑے گی۔ جب وہ کلام کرتا ہے تو سب کے سب چپ چاپ ہو جاتے ہیں۔ ان کے دل میں حضرت محمد ﷺ کا اتنا ادب ہے کہ وہ اس کے سامنے نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے۔)۔

اور آخر میں کہتا ہے میری رائے ہے کہ ان سے جس طرح بھی بنے صلح کر لو۔

مذاکرات کا آغاز

مذاکرات کے سلسلے میں قریش نے ہر دفعہ عناد، بغض اور عداوت کا مظاہرہ کیا حالانکہ نبی کریم ﷺ نے بارہا اس موقف کا اظہار بھی کر دیا تھا کہ ہم جنگ کرنے کیلئے نہیں آئے ہیں بلکہ ہمارا مقصد تو عمرہ اور زیارتِ کعبہ سے مشرف ہونا ہے لیکن ہٹ دھرم قریش نے ایسی سخت پالیسی اختیار کی کہ وہ کسی طرح بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مصالحت آمیز برتاؤ نہیں کرنا چاہتے۔ مثال کے طور پر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے نرم رویے کا غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے لشکر کے پچاس (۵۰) سپاہیوں کو اس کام کے لئے مقرر کر دیا تھا کہ وہ سپاہ اسلام کے نزدیک جا کر چند لوگوں کو گرفتار کر کے لے آئیں لیکن سپاہ اسلام کے مستعد پاسبانوں نے ان سب کو گرفتار کر لیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں یہ بتانے کیلئے کہ آپ ﷺ کا رویہ صلح آمیز ہے، ان سب کو آزاد کر دیا۔[۹]

بیعت رضوان کے واقعہ کے بعد قریش نے "سہیل بن عمرو" کو مصالحت کی غرض سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا۔ طویل بحث و گفتگو کے بعد صلح کا معاہدہ کیا گیا جس کی بنیاد پر طرفین میں یہ طے ہوا کہ دس سال تک ایک دوسرے سے جنگ نہ کریں گے، اس سال تو مسلمان یہیں سے واپس مدینہ چلے جائیں لیکن آئندہ سال بیت اللہ کی زیارت کو آسکتے ہیں، مسلمین و مشرکین کو اپنی دینی رسومات ادا کرنے کی اجازت ہو گی، طرفین کو اس بات کی بھی اجازت ہو گی کہ وہ جس قبیلے کو بھی چاہیں اپنا حلیف بنالیں اگر قریش کے کسی فرد نے مسلمانوں کی پناہ لی تو ان کیلئے یہ لازم ہو گا کہ وہ اسے واپس کریں لیکن

قریش کے لئے یہ ضروری نہیں ہو گا کہ وہ بھی کسی مسلمان پناہ گزین کو واپس کریں۔ جب صلح کا عہد وپیمان ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے اپنی قربانی کے اونٹوں کو نحر کیا، سروں کے بال ترشوا کر احرام سے باہر نکلے اور مدینہ واپس آ گئے۔(۱۲)

اس حکمت عملی کے نتیجہ میں ایک اہم صلح نامہ وجود میں آ گیا جو بظاہر تو مسلمانوں کو مغلوب کیمپ میں لے جا رہا تھا مگر اس کے ایسے دور رس نتائج نکلے جو فتح خیبر اور فتح مکہ پر منتج ہوئے(۱۳)۔

صلح حدیبیہ کی اہم شرائط:

اس معاہدے کی درج ذیل تھیں:

- دس سال تک باہمی صلح رہے گی، جانبین کی آمد ورفت میں کسی کو روک ٹوک نہ ہو گی۔
- جو قبائل چاہیں، قریش سے مل جائیں اور جو قبائل چاہیں، مسلمانوں کی جانب شامل ہو جائیں۔(اسی شرط کے نتیجے میں بنو بکر، قریش کے اور بنو خزاعہ، مسلمانوں کے حلیف بن گئے)، دوستدار قبائل کے حقوق بھی یہی ہوں گے۔
- اگلے سال مسلمانوں کو طواف کعبہ کی اجازت ہو گی، اس وقت ہتھیار ان کے جسم پر نہ ہوں گے گو سفر میں ساتھ ہوں۔
- اگر قریش میں سے کوئی شخص نبی کریم ﷺ کے پاس مسلمان ہو کر چلا جائے تو اس شخص کو قریش کے طلب کرنے پر واپس کیا جائے گا، لیکن اگر کوئی شخص اسلام چھوڑ کر قریش سے جا ملے تو قریش اسے واپس نہیں کریں گے۔

اس آخری شرط پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت زیادہ پریشان تھے، یہاں تک کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ زیادہ پر جوش تھے، مگر نبی کریم ﷺ کی اطاعت اور ادب ملحوظِ خاطر رہا۔ یہ معاہدہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لکھا، جنہوں نے شروع میں "بسم الله الرحمن الرحيم" لکھا۔ سہیل بن عمرو جو قریش کی طرف سے مختار معاہدہ تھا، بول پڑا! بخدا ہم نہیں جانتے کہ رحمن کسے کہتے ہیں؟ "باسمك اللهم" لکھو۔ نبی کریم ﷺ نے وہی لکھنے کا حکم دیا(۱۴)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر لکھا کہ یہ معاہدہ محمد رسول اللہ ﷺ اور قریش کے درمیان قرار پایا ہے۔ سہیل بن عمرو نے اس پر بھی اعتراض کیا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کی درخواست پر حضرت علی رضی اللہ عنہ

کو ایسا کرنے کا حکم دیا، لیکن انہوں نے اجتناب کیا۔ اس پر محسنِ انسانیت ﷺ نے خود اس صلح نامہ کو لے کر لفظ رسول اللہ کی جگہ محمد بن عبد اللہ لکھ دیا۔

شرائط طے کرنے اور معاہدے پر دستخط کے بعد آپ ﷺ واپس مدینہ منورہ روانہ ہوئے، حدیبیہ کے مقام پر سورہ الفتح نازل ہوئی۔ حضرت عمر نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا یہ معاہدہ ہمارے لئے فتح ہے؟ فرمایا: ہاں! قسم ہے اس ذات کی! جس کے قبضہ میں میری جان ہے بے شک یہ فتح ہے[۱۵]۔

یہ سفر بہت ہی خیر وبرکت کا موجب بنا۔ نبی کریم ﷺ نے معاندین کے ساتھ معاہدہ کرنے میں فیاضی، عفو، درگزر، دور بینی اور رحمۃ للعالمین کے انوار وتجلیات کا ظہور دکھایا۔ اس معاہدہ کے نہایت دور رس نتائج نکلے۔ خصوصی طور پر مسلمانوں کو اس معاہدے سے اہم دفاعی کامیابیاں ہوئیں۔

صلح حدیبیہ کے سیاسی اور معاشرتی نتائج

صلح حدیبیہ اسلام کی عظیم الشان فتح وکامرانی تھی چنانچہ قرآن نے اسے "فتح مبین" کے عنوان سے یاد کرتے ہوئے فرمایا ہے ﴿: إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ﴾[۱۶]

(اے نبی ﷺ ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کر دی)

اور رسول ﷺ نے اسے "اعظم الفتوح" یعنی عظیم ترین فتح سے تعبیر فرمایا ہے۔[۱۷]

اس دور کے اسلامی معاشرے کیلئے اس فتح ونصرت کے بہت سے عمدہ اور سود مند نتائج بر آمد ہوئے جن میں سے ہم بعض کا ذکر ذیل میں کریں گے۔

- رسول ﷺ کی پیش قدمی کے باعث ایک طرف تو صلح وامن کے امکانات روشن ہو گئے اور دوسری طرف مکہ کے فریب خوردہ لوگوں پر یہ حقیقت عیاں ہو گئی کہ رسول ﷺ کے دل میں حرمت کے مہینوں 'شہر مکہ اور خانہ خدا کے لئے بہت زیادہ عقیدت واحترام پایا جاتا ہے۔
- صلح حدیبیہ کی وجہ سے اسلام کو باقاعدہ طور پر تسلیم کر لیا گیا اور قریش کے دلوں پر اس کی طاقت وعظمت بیٹھ گئی، اس صلح کے باعث ہی جزیرہ نمائے عرب میں اسلام کے وقار کو بلندی حاصل ہوئی اور مسلمانوں کے اثر ورسوخ کے امکانات وسیع ہو گئے۔
- مسلمانوں پر اس وقت تک جو پابندیاں عائد تھیں وہ ختم ہو گئیں اور وہ ہر جگہ آمد ورفت کر سکتے تھے چنانچہ اس باہمی ربط وضبط کا ہی نتیجہ تھا کہ لوگوں نے اسلام کے بارے میں پہلے سے کہیں

زیادہ واقفیت حاصل کی۔ جزیرہ نمائے عرب میں دین اسلام کی اشاعت کیلئے مناسب میدان فراہم ہو گیا اب تک مختلف قبائل کے دلوں میں اسلام کے بارے میں غلط فہمی اور بد گمانی تھی ان افراد کو جب رسول اللہ ﷺ نے صلح پسندی کی دعوت عام دی تو وہ لوگ اسلام کے بارے میں از سر نو غور و فکر کرنے مجبور ہو گئے اور اس کی وجہ سے وہ رسول ﷺ نیز مسلمانوں کے زیادہ نزدیک آ گئے۔ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان تقریباً دو سال کا ہی فاصلہ ہے اور یہ فتح اس حقیقت پر دلالت کرتی ہے کہ اس کے باعث مسلمانوں کے اثر و رسوخ میں روز بروز اضافہ ہوا۔

- اس فتح کے باعث ہی مسلمانوں پر "فتح خیبر" کی راہیں کھلیں "خیبر" در حقیقت یہودیوں کی وہ سر طانی غدود تھی جو اسلامی حکومت کیلئے بہت بڑا خطرہ بنی ہوئی تھی اسی طرح مرکز شرک، مکہ کی فتح کا باعث بنی اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ عرب معاشرے میں جو انقلاب رونما ہوا تھا اب وہ حجاز کی باہر پہنچنے لگا چنانچہ یہ صلح حدیبیہ کا ہی فیض تھا کہ رسول ﷺ کو یہ موقع مل گیا کہ آنحضرت ﷺ ایران، روم اور حبشہ جیسے ممالک کے حکمرانوں کو متعدد خط روانہ کریں اور انہیں دعوت اسلام دیں۔

صلح حدیبیہ کے دفاعی امور

دفاعی امور میں سے کچھ کا تذکرہ مندرجہ ذیل ہے:

حرکت پذیری:

مکہ مکرمہ میں جیسے ہی مسلمانوں کے کوچ کا پتہ چلا، تو قریش نے حضرت خالد بن ولید (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کی سرکردگی میں سوار دستہ نبی کریم ﷺ کو روکنے کے لئے بھیجا اور مکہ میں بڑے لشکر کی تیاری کا اعلان کیا۔ نبی کریم ﷺ کو جیسے ہی قریش کی تیاری کی اطلاع ملی، تو آپ ﷺ نے اپنے قافلے کو نہایت دشوار گزار اور غیر معروف راستے سے گزار کر مکہ کے قریب حدیبیہ کے مقام پر پہنچا دیا۔ جو حرم مکہ میں شامل ہے۔ جبکہ دشمن کا رسالہ مدنی راستے پر واقع کراع الغمیم میں نبی کریم ﷺ کا انتظار کرتا رہا۔ اس سرعت کے ساتھ حرکت پذیری اختیار کرنے پر نبی کریم ﷺ نے چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بحفاظت مکہ کے حرم تک پہنچا دیا۔

معاہدے کی دفاعی حیثیت:

غزوہ احزاب تک نبی کریم ﷺ نے بنیادی طور پر دفاعی جنگوں کی حکمت عملی پر عمل کیا۔ مگر غزوہ حدیبیہ کے ساتھ نبی کریم ﷺ نے پہل (Initiative) اپنے ہاتھ میں لینا چاہی۔ نظریۂ جنگ میں اس تبدیلی کا آغاز نبی کریم ﷺ نے غزوہ حدیبیہ سے کیا۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ از خود لشکر لے کر دشمن کے مقابلے کے لئے نکلتے رہے، اور بعد کے تمام غزوات اور سرایا دشمن کی سرزمین پر ہوئے۔ عسکری ذہن رکھنے والے بخوبی آگاہ ہیں کہ پہل کی کاروائی کے دوران بھی دفاع کی اہمیت اور ضرورت میں کمی نہیں آتی۔ آج کل اسے دفاع برائے اقدام (Pre-emptive action) کہتے ہیں، جب تک دفاع موجود نہ ہو، جارحانہ کاروائی کا تصور ناممکن ہے۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے غزوہ حدیبیہ میں پہل کی، اس کاروائی کے ساتھ ساتھ مندرجہ ذیل اقدامات بھی عمل میں لائے:

- پیش قدمی کے وقت مکہ پر حملہ مقصود نہ تھا۔ اس لئے قریش اپنے اتحادیوں کو خطرے کا الارم دے کر نہ بلا سکے۔
- مدینہ سے خروج کے وقت نبی کریم ﷺ نے اطراف میں اطلاع بھجوائی تھی کہ مسلمان عمرہ کے لئے جارہے ہیں۔ لہٰذا رائے عامہ مسلمانوں کے حق میں ہموار ہوئی اور غیر جانبدار لوگ کفار کو موردالزام ٹھہرانے لگے۔
- غیر معروف راستے سے نبی کریم ﷺ مکہ کے قریب پہنچ گئے تاکہ دشمن ناکہ بندی اور پہل سے ہٹ کر صرف مرکز (مکہ) کے دفاع میں پھنس جائے۔
- مکہ کے اندر قبیلہ بنو خزاعہ مسلمانوں کا حلیف بن گیا، جس سے دشمن کی سرزمین پر مسلمانوں کی قوت قائم ہوئی، اور مکہ کے لئے اب اپنا دفاع ایک گھمبیر مسئلہ بن گیا۔
- مکہ سے مجبوراً نکلے ہوئے مسلمان شرائط کے مطابق مدینہ میں پناہ نہ لے سکے۔ وہ مجبوراً ساحلِ سمندر کے ساتھ سکونت اختیار کرتے چلے گئے۔ انہوں نے کفارِ مکہ سے جلاوطنی کے انتقام کی خاطر قریش کے تجارتی قافلوں کو لوٹنا شروع کیا۔ تو قریش نے خود حضور نبی کریم ﷺ سے درخواست کرکے یہ شرط منسوخ کرالی[۱۸]۔ جس سے مسلمانوں کو از خود حفاظت نصیب ہوئی۔

- بدر، احد اور خندق میں پے در پے شکست دینے کے بعد نبی کریم ﷺ نے اپنی زیرک حکمت عملی کی باعث پر امن سفر کے ذریعہ دشمن کو ذہنی طور پر شکست دی اور خونریزی کے بغیر اپنا مقصد حاصل کر لیا۔

مقصد کے حصول کے لئے انتہائی کوشش:

مدینہ سے نکلتے وقت نبی کریم ﷺ کے پیش نظر عمرہ کی ادائیگی اور ایک منظم سفر تھا، لیکن اس کے باوجود رکاوٹ بننے والے قریش کی ہٹ دھرمی کو نبی کریم ﷺ آخری وقت تک برداشت کرتے رہے، اور آخری وقت (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی افواہ تک) لڑنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اور اپنے ہدف کے حصول میں انتہائی کوشش کرتے رہے۔ اسی معاہدہ کی تحریر کے وقت نام مبارک کے ساتھ "رسول اللہ" لکھنے پر سہیل نے اعتراض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پہلے تو یہ حقیقت ہے، لیکن چونکہ مجھے صلح مقصود ہے، اس لئے اگر تم یہ پسند نہیں کرتے، تو مجھے اصرار نہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اس جملے کو محو کر دیں۔

معنوی فتح:

صُلح حدیبیہ کے شرائط سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دب کر یہ صلح نامہ کیا اور کفار کی طرف سے دی گئی سخت شرائط قبول کیں، مگر درحقیقت مسلمانوں کی بہبودی اور آئندہ شاندار فتوحات اس صلح نامہ میں پوشیدہ تھیں۔ چنانچہ روایت ہے:

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَمَّا نَزَلَتْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا o لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ﴾ إلىٰ قَوْلِه! ﴿فَوْزًا عَظِيمًا﴾ مَرْجِعَهُ مِنَ الْحُدَيْبِيَةِ)) (۱۹)

(حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا o لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ﴾ تا ﴿فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (۲۰) نازل ہوئی تو اس وقت حضور نبی کریم ﷺ حدیبیہ سے لوٹ آرہے تھے)۔

صلح حدیبیہ کو کھلی فتح قرار دینے کے لئے مندرجہ ذیل واقعات بطور دلیل پیش کیے جاتے ہیں:

- صلح حدیبیہ کی رو سے پہلی دفعہ دشمن نے مسلمانوں کو بحیثیت ایک قوم تسلیم کیا۔ اس وقت تک کفار مسلمانوں کو آبائی دین سے منحرف ایک باغی ٹولہ سمجھ رہے تھے۔ اور ان کے ساتھ کسی قسم کے معاہدہ کے لئے تیار نہ تھے۔
- دس سال تک بقائے امن کے معاہدے سے کفار کو موقع ملا کہ نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کی ذات کو قریب سے دیکھیں۔ جس کے نتیجے میں دونوں قوتوں کے درمیان میل جول بڑھا، اس تعلق کی بناء پر صلح حدیبیہ سے فتح مکہ تک دو سال کے عرصہ میں ابتدائی انیس سالوں سے زیادہ کی تعداد میں غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ تیرہ سال مکی اور چھ سالہ مدنی دور کی محنت کے نتیجہ میں صلح حدیبیہ کے وقت نبی کریم ﷺ کے ساتھ چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم تھے، جبکہ دو سال بعد فتح مکہ کے وقت یہ تعداد دس ہزار تھی(۱۲)۔
- مشرکین مکہ کے ساتھ صلح کا معاہدہ کرکے گویا نبی کریم ﷺ نے مقصد کے حصول (مقصد نبوت) کے لئے پرامن ماحول مہیا کیا۔ امن وامان قائم ہونے کی صورت میں مسلمانوں کو تبلیغی سرگرمیوں کے لیے وقت میسر ہوا۔ ان آزادانہ کوششوں کی بدولت تھوڑے عرصے میں سے قریش میں سے دو چوٹی کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم نجوشی اسلام میں داخل ہوئے۔
- معاہدہ صلح حدیبیہ تک مسلمانوں کی دو قریبی دشمن (Immediate Enemy) کفار مکہ اور خیبر کے یہودی تھے دونوں کے ساتھ عداوت کی صورت میں ایک سے ٹکر لینے میں دوسرے کو موقع فراہم کرنا تھا۔ اس لئے حکمت اسی میں تھی کہ ایک مخالف کے ساتھ صلح کی جائے۔ تاکہ ضرورت پڑنے پر دوسرا مدد کو آسکے۔

نبی کریم ﷺ نے ایک دوراندیش دفاعی ماہر کی حیثیت سے دونوں میں بڑے نرم گوشہ رکھنے والے گروہ (قریش) کے ساتھ صلح کی اور دوسرے گروہ یہود کے ساتھ فوراً دو مہینے کے اندر اندر بذریعہ قتال (غزوہ خیبر کے دوران) فیصلہ کیا اور انہیں شکست دی۔

صلح حدیبیہ کی شرط نمبر دوم کی رو سے مسلمانوں کو اگلے سال عمرہ کرنے کی اجازت مل گئی تھی، لہذا نبی کریم ﷺ دو ہزار صحابہ کرام کو ساتھ لے کر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ قریش معاہدہ کی رو سے مسلمانوں کو روک تو نہ سکے، البتہ گھروں کو قفل لگا کر ابو قبیس نامی پہاڑ پر چلے گئے۔ اور پہاڑ کی چوٹیوں سے

دوران عمرہ مسلمانون کے نظم ونسق کو ملاحظہ کرتے رہے۔ ان منکرین اسلام پر مسلمانون کے سادہ، آسان اور پر خلوص طریقۂ عبادت، نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دیانت، امانت اور صداقت کا بہت اثر ہوا۔ جن میں سے اکثر کے دلوں میں اسلام کے لیے نرم گوشہ پیدا ہوا۔ اور قلیل عرصہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔

قریشِ مکہ سے مطمئن ہو جانے کے بعد نبی کریم ﷺ کو مختلف ممالک کے بادشاہوں، سرداروں اور رؤساء کے پاس تبلیغی خطوط اور وفود بھیجنے کا موقع ملا۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد آپ ﷺ نے ہرقل (شاہ روم)، خسرو پرویز (شاہ ایران)، نجاشی (شاہ حبشہ)، عزیز مصر (شاہ مصر) اور دیگر بادشاہوں کے نام دعوت نامے بھیجے۔ ان دعوت ناموں کی بدولت اسلام کا پیغام عرب سے نکل کر باہر کی دنیا میں پھیل گیا۔ اور دین اسلام کو عالمی سطح پر اپنے سنہری اصولوں کے اجراء کے لیے موقع فراہم ہوا۔

صلح حدیبیہ تک چھ سالوں میں نبی کریم ﷺ نے بیس غزوات میں حصہ لیا، جبکہ اس دوران ستائیس سریے روانہ کیے، سالانہ تقریبا تین سے چار غزوات اور چار تا پانچ سریوں کے انتظامات میں آپ ﷺ نہایت مصروف رہے۔ صلح حدیبیہ کی رو سے قریش کے ساتھ جنگ بندی (Ceasefire) نے آپ ﷺ کو ریاست مدینہ کے داخلی استحکام، نظم ونسق کی اجراء اور اسلامی تہذیب و تمدن کے احیاء کا موقع ہاتھ آیا، جس سے مسلمانوں کی تعلیم وتربیت میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔

حوالہ جات وحواشی

۱) سورۃ الحج:۳۹-۴۰

۲) سورۃ الفتح:۱۸

۳) ابن سعد، محمد بن سعد بن منیع الزہری، الطبقات الکبری، مکتبۃ الخانجی، ۱۴۲۱-۲۰۰۱، ص:۲/۹۵

۴) الواقدی، محمد بن عمر أبو عبد اللہ، المغازی، جماعۃ نشر الکتب القدیمۃ، القاہرۃ، مطبعۃ السعادۃ ص:۲/۵۷۴

۵) سورہ فتح:۱۲

۶) بخاری، صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیہ، دارالریان للتراث ۱٤۰۷ھ / ۱۹۸٦م حدیث نمبر ۳۹۹۰

۷) ترمذی، سنن ترمذی، ابواب الجهاد ،باب ما جاء في بيعة النبي ﷺ، ص:۱/۶۸۶

۸) یہ جگہ مکہ سے تقریباً ۲۰ کیلو مٹر دور واقع ہے اور چونکہ یہاں اس نام کا پانی کا کنواں تھا یا اس نام کے درخت کثرت سے تھے اس لئے یہ جگہ اس نام سے مشہور ہوئی۔ الحموی، معجم البلدان، ص:۲/۲۲۹، دار صادر ۱۳۹۷-۱۹۹۳، آج یہ مقام مکہ کے بالکل کنارے پر واقع ہے۔

۹) السیرۃ النبویہ ج۳ص۳۲۵

۱۰) سورہ فتح:۱۸

۱۱) صحیح بخاری، کتاب الشروط في الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب وكتابة الشروط مع الناس بالقول ص:۱/۳۷۷

۱۲) العازمی، موسی بن راشد، السیرۃ النبویہ، مکتبہ الکویت، ص:۳/۳۳۰

۱۳) ابن سعد، طبقات کبری، ص:۲/۱۲۴

۱۴) صحیح بخاری کتاب الشروط في الجهاد والمصالحة مع اهل الحرب وكتابة الشروط مع الناس بالقول، ص:۱/۳۷۷

۱۵) القرطبی، ابوعبد اللہ محمد بن احمد، تفسیر قرطبی، مطبعہ قاہرہ، ۱۹۶۴ء ص:۴/۲۶۱

۱۶) سورۃ الفتح:۱

۱۷) ابن سید الناس، أبو الفتح محمد بن محمد الیعمری، عیون الأثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، دار الآفاق

الجدیدۃ، بیروت، ۱۹۷۷م ص:۲/۱۲۷

۱۸) صحیح بخاری کتاب الشروط في الجهاد والمصالحة مع اهل الحرب وكتابة الشروط مع الناس بالقول، ص:۱/۳۷۷

۱۹) صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسير، باب صلح حديبية ، ص:۲/۱۰۶

۲۰) سورۃ الفتح:۱۔۵

۲۱) ابن ہشام، سیرۃ ابن ہشام، دار الجیل بیروت، ۱۴۱۱ھ، ص:۵/۸۵

****

الشهيد وأقسامه مع استعمالاته الخاطئة في العصر الحاضر

Islamic concept of Martyrdom and its wrong implementation in the Modern Era

الدكتور محمد الياس*

ABSTRACT

Islamic concept about Jihad is very different as what is interpreted by the western scholars. This Jihad is not only the name of giving just his own life but to a specific purpose, which is only to create peace and to prevent cruelty and injustice in the society. There are several verses of Quran and Hadith, which explore this concept, but Islam also regulates the rules and regulation for this.

To explain the misconception about Jihad, some points have been explored in this research article to guide the people effectively that how jihad should be conducted, while other activities named as "*jihad*" and an activist intending to take part in such activities might not be counted as a "*martyr*". So the important points to be kept in mind are:

- In Islam the martyr has a very great value, but in specific terms.
- Martyr in Islam is not simply means of giving life.
- There are some rules and regulations that must to be followed, i.e., a person must be a Muslim and his intention is only for Allah, and not for his worldly desires, and he follow the rules what Islam justified for the war.
- His jihad will not be accepted without the permission of his parents or if he dies in the state of sin etc.
- Islam does not allow killing innocent persons, Muslims or non-Muslims, without caring the color and caste, if he does so he would be answerable to Allah.

Keywords: *Jihad, Martyr, Western Scholars, Martyrism, Killings*

* الأستاذ المساعد بكلية أصول الدين ، الجامعة الإسلامية العالمية، اسلام آباد

لقد جاء دين الإسلام لمقاصد سامية، فمن أبرز مقاصده إقامة العدل وتأسيسُه، ومنع الظلم بشتى صوره وأشكاله، فالقسط والعدل هو غاية الرسالة المحمديّة، بل الرسالات كلّها، قال تعالى:﴿ لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾[1]، أي عدلٌ ينظّم ميادين الحياة كلّها، ويعمّ حقوق الخالق والمخلوق جميعَها، ويشمل الأفعال والأقوال والتصرّفات بشتى أشكالها وصورها.

وإنّ دين الإسلام يقرّر مبادئ الحق، ويصوغ قواعد الإصلاح، ويؤسّس مناهج الخير، فهو الدين الذي يكفل لهذه المبادئ الخيرة، والمناهج الإصلاحية طرقاً توصل إليها، ووسائل تضمن سلامتها مما يخل بها، أو يناقض أغراضها ويهدّد مقصودها، وإن من أبرز أسباب إقامة العدل، وأظهر ركائز القسط القيام بالشهادة ومعرفة أهميتها، ودورها في المجتمع، ومراعاة حقّها والواجب نحوها، فالشهادة معيار لتمييز الحق من الباطل، وحاجز يفصل بين الصدق والكذب، وحدّ فاصل بين الصالح والطالح، والشهادة ضرورية لقيام الحياة الاجتماعية، وما يخالطها من أحداث ويصحبها من وقائع مادية وتصرّفات إراديّة ومعاملات فرديّة وعلاقات عائلية.

إنّ حبّ الشهادة عنصر من عناصر قوة المسلمين في كل العصور، لأن من يؤمن بعالَم الغيب، وأنّ وراء هذا العالَم، عالَم آخر يثاب فيه ويؤجر، يجازى فيه ويُعاقَب، فإن عزيمته تشتدّ تبعاً لهذا الاعتقاد واليقين، وتهتف نفسه إلى ما فيه من الخيرات الحسان، ومن كانت هذه حاله، فلا يلفت إلى زخارف الدنيا وملذاتها، ولا يهمّه ما يلاقيه من المصائب الشدائد، ولهذا فإن أكثر ما يخاف منه أعداء الإسلام هو مسألة حب الشهادة لدى المسلمين، فإنّ من تكون عقيدته هكذا لا يخيفه العدو بقتله لأنه هو الذي سعى للموت بقدميه، ولبّى هذه الدعوة بشوق ويقين من غير جبر ولا إكراه، وغايته العظمى أن يُقتل ثم يُقتل، فلا يصدّه من هدفه شيء،

ولا يزعزعه من مقصده أحد، وبذلك يكون قد زرع بدمائه القدوة، وأثار في القلوب الوالهة إلى لقاء الله الحماسة والشجاعة.

الشهيد لغة واصطلاحاً:

أ- الشهيد لغة:

الشهيد على وزن فعيل وجمعه الشُهَداء، مشتق من شهد يشهد شهادة، أي حضره فهو شاهد، وقوم شهود: أي حضور[٢]، وقال ابن الأثير: في أسماء الله (الشهيد) وهو الذي لا يغيب عنه الشيء والشاهد: حاضر[٣].

ب- الشهيد اصطلاحاً:

وأما في الاصطلاح: الشهيد في الأصل: من قتل مجاهداً في سبيل الله، ويُستدلُّ هذا من حديث أبي موسى الأشعري رضي الله عنه حيث قال: جاء رجل إلى النبي ﷺ فقال: الرجل يقاتل للمغنم، والرجل يقاتل للذكر، والرجل يقاتل ليُري مكانه، فمن في سبيل الله؟ قال: "من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا، فهو في سبيل الله"[٤]، ويجمع على شهداء ثم اتسع فيه، فأطلق على من سماه النبي ﷺ شهيداً من البطون والغرق والحرق وصاحب الهدم وذات الجنب وغيرهم[٥].

ج- تعريف الشهيد عند المذاهب الفقهية:

١. **عند الحنفية:** فقد عرّف الشهيدَ ابن عابدين الحنفي رحمه الله: بأنه: "هو كل مكلّف، مسلم، طاهر، قتل ظلماً، بجارحة، ولم يجب بنفس القتل مال، ولم يرتث، وكذا لو قتله باغ أو حربي أو قاطع طريق ولو تسبباً أو بغير آلة جارحة"[٦].

٢. **عند الشافعية:** لقد عرّفه الإمام النووي الشافعي رحمه الله قائلاً: "واسم الشهيد قد يخصص بمن لا يُغَسّل ولا يُصلّى عليه، وقد يسمى كل مقتول ظلماً شهيداً وهو الأظهر، وهو الذي عليه الشافعي رحمه الله"[٧].

٣. **عند الحنابلة:** وعرّف الشهيدَ ابن مفلح رحمه الله من أئمة الحنابلة: " .... إن الشهيد من قُتل بأيدي الكفار في معركتهم"[٨].

٤. **عند المالكية:** "هو المعترك فقط أي من قُتل في قتال العدو، ولو ببلد الإسلام أي بأن غزا الحربيون المسلمين أو لم يقاتل أي بأن كان غافلاً أو نائماً، وإن أجنب على الأحسن، إلا إن رفع حياً، وإن أنفذت مقاتلة إلا المغمور أي الذي لم يأكل ولم يشرب ولم يتكلم إلى أن مات".[٩]

فضائل الشهيد ومكانته:

لقد من الله سبحانه وتعالى للشهيد بفضائل كثيرة، ومآثر جسيمة، في كتابه العظيم، وعلى لسان نبيه الكريم ﷺ.

أولا– فضائل الشهيد في الكتاب العزيز:

قال تعالى: ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ﴾[١٠].فأخبر الله تعالى عن الشهداء بأنهم وإن قتلوا في هذه الدار الفانية، فإن أرواحهم حية مرزوقة في دار القرار الآخرة، ويؤيد ذلك الحديث الشريف الذي في صحيح مسلم، وفيه: ((أرواحهم في جوف طير خُضر، لها قناديل معلّقة بالعرش تسرح من الجنة حيث شاءت))[١١].﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾[١٢] قال الإمام السمرقندي رحمه الله تعالى في تفسيره: "ثم نزل في شأن الشهداء: ﴿وَلا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ يعني في طاعة الله أَمْواتاً بَلْ أَحْياءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾ من التحف وذلك أن المسلمين كانوا يقولون مات فلان ومات فلان، فنزلت هذه الآية: بَلْ أَحْياءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ وهذا قول الكلبي. ويقال: ولا تظنن الذين قُتِلُواْ فِى سَبِيلِ الله أمواتاً كسائر الأموات بل أحياء، يعني: هم كالأحياء عند ربهم، لأنه يُكْتب لهم أجرهم إلى يوم القيامة، فكأنهم أحياء في الآخرة. ويقال: لا تظن كما يظن الكفار بهم أنهم لا يبعثون، بل يبعثهم الله ويقال: أرواحهم في المنزلة والكرامة بمنزلة الشهداء الأحياء... "[١٣].

وقد اشترى الله تعالى من المؤمنين نفوسهم لنفاستها لديه إحساناً منه وفضلاً، وكتب ذلك العقد الكريم في كتابه العظيم، فهو يقرأ أبداً بألسنته ويتلو، قال تعالى: ﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾(١٤) قال الإمام ابن كثير رحمه الله في تفسيره هذه الآية: "يُخْبِرُ تَعَالَى أَنَّهُ عَاوَضَ عِبَادَهُ الْمُؤْمِنِينَ عَنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ إِذْ بَذَلُوهَا فِي سَبِيلِهِ بِالْجَنَّةِ، وَهَذَا مِنْ فَضْلِهِ وَكَرَمِهِ وَإِحْسَانِهِ، فَإِنَّهُ قَبِلَ الْعِوَضَ عَمَّا يَمْلِكُهُ بِمَا تَفَضَّلَ بِهِ عَلَى عِبَادِهِ الْمُطِيعِينَ لَهُ؛ وَلِهَذَا قَالَ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ وَقَتَادَةُ: بَايَعَهُمْ وَاللَّهِ فَأَغْلَى ثَمَنَهُمْ"(١٥).

ثانيا– فضائل الشهيد في السنة النبوية:

لقد وردت فضائل عديدة للشهيد في السنة النبوية، ونوردها واحداً تلو الآخر:

١. الشهيد لا يجد ألم القتل:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ:((الشَّهِيدُ لَا يَجِدُ مَسَّ الْقَتْلِ إِلَّا كَمَا يَجِدُ أَحَدُكُمُ الْقَرْصَةَ يُقْرَصُهَا))(١٦).

٢. تمنى الشهيد أن يرجع إلى الدنيا ليُقتل عشر مرات:

عن أنس بن مالك رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: ((مَا أَحَدٌ يَدْخُلُ الجَنَّةَ يُحِبُّ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا، وَلَهُ مَا عَلَى الأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا الشَّهِيدُ، يَتَمَنَّى أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا، فَيُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ لِمَا يَرَى مِنَ الكَرَامَةِ)).(١٧)

٣. الشهيد في الجنة:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ أُمَّ الرُّبَيِّعِ بِنْتَ البَرَاءِ وَهِيَ أُمُّ حَارِثَةَ بْنِ سُرَاقَةَ أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ ، فَقَالَتْ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ، أَلاَ تُحَدِّثُنِي عَنْ حَارِثَةَ، وَكَانَ قُتِلَ يَوْمَ بَدْرٍ أَصَابَهُ سَهْمٌ غَرْبٌ، فَإِنْ كَانَ فِي الجَنَّةِ صَبَرْتُ، وَإِنْ كَانَ غَيْرَ ذَلِكَ، اجْتَهَدْتُ عَلَيْهِ فِي

البُكَاءِ، قَالَ: «يَا أُمَّ حَارِثَةَ إِنَّهَا جِنَانٌ فِي الجَنَّةِ، وَإِنَّ ابْنَكِ أَصَابَ الفِرْدَوْسَ الأَعْلَى»

عن أنس بن مالك رضي الله عنه أن أم الربيع بنت البراء رضي الله عنها (وهي أم حرثة بن سراقة) أتت النبي ﷺ ، فقالت: يا نبي الله ألا تحدثّني عن حارثة؟ –وكان قتل يوم بدر، أصابه سهم غَربٌ– فإن كان في الجنة صبرتُ، وإن كان غير ذلك، اجتهدتُ عليه في البكاء، فقال عليه الصلاة والسلام: ((يا أمَّ حارثة، إنها جنان في الجنة، وإن ابنك أصاب الفردوس الأعلى)).(١٨)

٤. الشهيد تُكفَّر عنه خطاياه إلا الدَّين:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ((يُغْفَرُ لِلشَّهِيدِ كُلُّ ذَنْبٍ إِلَّا الدَّيْنَ))، وفي رواية: ((الْقَتْلُ فِي سَبِيلِ اللهِ يُكَفِّرُ كُلَّ شَيْءٍ، إِلَّا الدَّيْنَ)).(١٩)

٥. رائحة دم الشهيد مسكٌ يوم القيامة:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لاَ يُكْلَمُ أَحَدٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُكْلَمُ فِي سَبِيلِهِ إِلَّا جَاءَ يَوْمَ القِيَامَةِ، وَاللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ، وَالرِّيحُ رِيحُ المِسْكِ»(٢٠)

٦، ٧. حصول رضى الله تعالى، وإرضاء الله تعالى له:

ويدلّ على هذين الفضيلتين حديث أنس رضي الله عنه حيث قال: "بعث النبي ﷺ أقواماً من بني سُليم إلى بني عامر في سبعين، فلمّا قدموا، قال لهم: خالي، أتقدمكم، فإن أمّنوني حتى أبلّغهم عن رسول الله ﷺ ، وإلا كنتم مني قريباً، فتقدّم فأمّنوه، فبينما يحدّثهم عن النبي ﷺ إذ أومؤوا إلى رجُل منهم، فطعنه، فأنفذه، فقال: الله أكبر، فزت ورب الكعبة، ثم مالوا على بقيّة أصحابه، فقتلوهم إلا رجل أعرج صعد الجبل، قال همّام ــالراوي عن إسحاق عن أنســ: وأراه آخر معه، فأخبر جبريلُ عليه السلام النبيَ ﷺ أنهم قد لقوا ربَهم، فرضي عنهم وأرضاهم، فكنا

نقرأ أن بلِّغوا قومنا أن قد لقينا ربّنا فرضي عنا وأرضانا، ثم نسخ بعد، فدع عليهم أربعين صباحاً، على رِعْل وذكوان، وبني لحيان وبني عُصيّة الذين عصَوا الله ورسولَه".(٢١)

٨. النبي صلى الله عليه وسلم يتمنى الشهادة:

ولمكانة الشهيد يتمنى النبي ﷺ الشهادة في سبيل الله.

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ " وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ , لَوْلَا أَنَّ رِجَالًا مِنْ الْمُؤْمِنِينَ لَا تَطِيبُ أَنْفُسُهُمْ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنِّي وَلَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُهُمْ عَلَيْهِ مَا تَخَلَّفْتُ عَنْ سَرِيَّةٍ تَغْزُو فِي سَبِيلِ اللهِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ , لَوَدِدْتُ أَنِّي أَغْزُوَ فِي سَبِيلِ اللهِ فَأُقْتَلَ ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ، ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ، ثُمَّ أُحْيَا ثُمَّ أُقْتَلُ "(٢٢)

٩. حصول الشهيد على الدار الحسنى في الجنة:

عَنْ سَمُرَةَ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ "رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ رَجُلَيْنِ أَتَيَانِي، فَصَعِدَا بِي الشَّجَرَةَ فَأَدْخَلاَنِي دَارًا هِيَ أَحْسَنُ وَأَفْضَلُ، لَمْ أَرَ قَطُّ أَحْسَنَ مِنْهَا، قَالاَ: أَمَّا هَذِهِ الدَّارُ فَدَارُ الشُّهَدَاءِ" (٢٣)

١٠.حصول رائحة الجنة قبل الاستشهاد:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ غَابَ عَمِّي أَنَسُ بْنُ النَّضْرِ عَنْ قِتَالِ بَدْرٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ غِبْتُ عَنْ أَوَّلِ قِتَالٍ قَاتَلْتَ الْمُشْرِكِينَ لَئِنْ اللَّهُ أَشْهَدَنِي قِتَالَ الْمُشْرِكِينَ لَيَرَيَنَّ اللَّهُ مَا أَصْنَعُ، وفيه فَقَالَ يَا سَعْدُ بْنَ مُعَاذٍ الْجَنَّةَ وَرَبِّ النَّضْرِ إِنِّي أَجِدُ رِيحَهَا مِنْ دُونِ أُحُدٍ".(٢٤)

١١. حصول الأجر الكثير بعمل ضئيل:

عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: أتَى النبيَّ ﷺ رَجُل مُقنَّع بالحديد، فقال : يا رسول الله، أقاتِلُ أو أُسْلِمُ ؟ قال : أسلِمْ ثم قاتِلْ ، [فأسلمَ ثم قاتلَ] فَقُتِلَ ، فقال رسولُ الله ﷺ: «عَمِلَ قليلا وأُجِرَ كثيرا»(٢٥)

١٢.استطلال الملائكة للشهيد:

عَنْ جَابِرٍ رضي الله عنه قَالَ: جِيءَ بِأَبِي إِلَى النَّبِيِّ ﷺ ، وَقَدْ مُثِّلَ بِهِ، وَوُضِعَ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَذَهَبْتُ أَكْشِفُ عَنْ وَجْهِهِ، فَنَهَانِي قَوْمِي فَسَمِعَ صَوْتَ صَائِحَةٍ، فَقِيلَ: ابْنَةُ عَمْرٍو - أَوْ أُخْتُ عَمْرٍو - فَقَالَ: «لِمَ تَبْكِي - أَوْ لاَ تَبْكِي - مَا زَالَتِ المَلاَئِكَةُ تُظِلُّهُ بِأَجْنِحَتِهَا» قُلْتُ لِصَدَقَةَ: أَفِيهِ «حَتَّى رُفِعَ» قَالَ: رُبَّمَا قَالَهُ[٢٦]

١٣.يغفر للشهيد مع أول قطرة الدم:

١٤.يرى مقعده من الجنة:

١٥.يحصل على تاج الوقار:

١٦.يأمن من الفزع الأكبر:

١٧.يزوّج باثنتين وسبعين من الحور العين:

١٨.يُشفّع في سبعين من أقاربه:

عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ: "لِلشَّهِيدِ عِنْدَ اللَّهِ سِتُّ خِصَالٍ: يَغْفِرُ لَهُ فِي أَوَّلِ دُفْعَةٍ مِنْ دَمِهِ، وَيُرَى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَيُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَيَأْمَنُ مِنَ الْفَزَعِ الْأَكْبَرِ، وَيُحَلَّى حُلَّةَ الْإِيمَانِ، وَيُزَوَّجُ مِنَ الْحُورِ الْعِينِ، وَيُشَفَّعُ فِي سَبْعِينَ إِنْسَانًا مِنْ أَقَارِبِهِ "[٢٧]

أقسام الشهيد:

قال الإمام النووي رحمه الله: اعلم أن الشهيد ثلاثة أقسام:[٢٨]

١. **شهيد الدنيا والآخرة:** وهو من قتل في سبيل الله مقبلاً غيرَ مدبر مخلصاً، ويطلق عليه شهيد الدنيا والآخرة.

ومقصودهم بشهيد الدنيا: أنه يأخذ أحكاماً خاصة في الدنيا، تميزه عن سائر الموتى، كعدم الغسل عند أكثر العلماء، والتكفين في ثيابه.

ومقصودهم بشهيد الآخرة، أن له ثواباً موعوداً خصه الله به.

٢.**شهيد الآخرة**:من مات بسبب من الأسباب التي عدّها النبي ﷺ الْمَطْعُونُ، وَالْمَبْطُونُ[٢٩]، وَالْغَرِقُ[٣٠]، وَالْحَرِيْقُ[٣١] وغيرهم، ويطلق عليه شهيد الآخرة.

وهم كلهم من عده رسول الله ﷺ شهيداً وورد تسميته بذلك كالمطعون، والغريق، والحريق، وغيرهم، والمراد أنهم شهداء في ثواب الآخرة، وإلا فهم كعامة موتى المسلمين،يأخذه أحكامهم من حيث الغسل الكفن والصلاة، ويسمون شهداء لتسمية رسول الله عليه ﷺ، وإن لم يبد لهم حكم شهادتهم في الدنيا.

٣.**شهيد الدنيا**: أي دون الآخرة، وهو من قتل في معركة الكفار، وقام بفعل يمنع من إطلاق لفظ الشهيد عليه، كالرياء، والسمعة، والغلول من الغنيمة ونحوها. فهذا له حكم الشهداء في الدنيا دون الآخرة، فلا يُكفّن ولا يصلى عليه، وليس له أجر وثواب في الآخرة عند الله.

وهذا تجري عليه الأحكام الخاصة بالشهيد، وما يترتب عليه، وهؤلاء ليس لهم الثواب الكامل الموعود به الشهيد في الآخرة.

كما جاء في الحديث عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ "مَا تَعُدُّونَ الشَّهِيدَ فِيكُمْ؟ " قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، مَنْ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، قَالَ: "إِنَّ شُهَدَاءَ أُمَّتِي إِذًا لَقَلِيلٌ"، قَالُوا: فَمَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: "مَنْ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِي سَبِيلِ اللهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِي الطَّاعُونِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِي الْبَطْنِ فَهُوَ شَهِيدٌ"[٣٢]

وفي رواية أخرى عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: " خَمْسٌ مَنْ قُبِضَ فِي شَيْءٍ مِنْهُنَّ فَهُوَ شَهِيدٌ: الْمَقْتُولُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ شَهِيدٌ، وَالْغَرِقُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ شَهِيدٌ، وَالْمَبْطُونُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ شَهِيدٌ، وَالْمَطْعُونُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ شَهِيدٌ، وَالنُّفَسَاءُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ شَهِيدٌ".[٣٣]

الشروط التي يجب توافرها لإطلاق الشهيد:

لقد ذكر العلماء شروطاً للشهادة، وهذه الشروط يختلف اعتبارها حسب أقسام الشهداء، فبعضها عام في جميع أقسام الشهداء، وبعضها خاص بوعية ذلك القسم.

أولاً: الإسلام:

فالإسلام شرط لصحة الشهادة، وهو شرط أساسي لتسمية هذا الاسم، وهو شرط عام لكل الشهداء، فالكفار لا يكونون شهداء ألبتة، مهما كان وضعهم في القتال، حتى وإن دافعوا عن الإسلام، قال تعالى: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَى بِهِ أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ﴾.(٣٤)

وفي السنة ما يؤيّد معناه، حديث عَنْ عُتْبَةَ بْنِ عَبْدٍ السُّلَمِيِّ، وَكَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: الْقَتْلَى ثَلَاثَةٌ: وَفِيْهِ، وَمُنَافِقٌ جَاهَدَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ حَتَّى إِذَا لَقِيَ الْعَدُوَّ قَاتَلَهُمْ حَتَّى يُقْتَلَ، فَذَاكَ فِي النَّارِ، إِنَّ السَّيْفَ لَا يَمْحُو النِّفَاقَ،(٣٥) فدلّ الحديث على أن من لم يؤمن لا يفيده القتال ولا الموت في سبيل الله.

ثانيا– الإخلاص لله:

وهذا شرط عام في جميع العبادات، كما أنه شرط أساسي لشهيد الدنيا والآخرة، والكتاب والسنة لحافلان من الأدلة التي تؤيد هذا المعني، منها: قوله تعالى: "وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ﴾"(٣٦) وَقَوْلُ النَّبِيِّ ﷺ ((إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا، أَوْ إِلَى امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا، فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ)).(٣٧)

ثالثاً: الثبوت وعدم الفرار:

وهذا الشرط يجب توافره في شهيد الدنيا والآخرة، والمقصود به هو أنه يشترط لصحة الشهادة في سبيل الله حبس النفس على القتال وعدم الفرار أو الجزع

أو التسخط من الموت، مع احتساب الأجر في ذلك كلّه.

وقد أكّدت النصوص الشرعية على هذا الشرط، منها:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ، قَالَ: «اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الموبِقَاتِ» قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَمَا هُنَّ؟ قَالَ: وَذُكِرَ فِيْهِ وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ(٣٨)

واشترط الشافعية كون القتل في معركة في هذه الحال، وأما إذا لم يكن قتله في معركة فيكون كسائر الموتى،(٣٩) والجمهور على خلاف ذلك.(٤٠)

الأحكام المتعلقة بالشهيد:

١. غسل الشهيد:

ذهب جمهور أهل العلم من الأئمة الأربعة والظاهرية وغيرهم إلى أن شهيد المعركة لا يغسل، فقد روى عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ ثَعْلَبَةَ قَالَ: قَالَ ﷺ لِقَتْلَى أُحُدٍ: "زَمِّلُوهُمْ بِدِمَائِهِمْ، فَإِنَّهُ لَيْسَ كَلْمٌ يُكْلَمُ فِي اللَّهِ إِلَّا يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَدْمَى، لَوْنُهُ لَوْنُ الدَّمِ، وَرِيحُهُ رِيحُ الْمِسْكِ"،(٤١) وكذلك قول النبي ﷺ: «ادْفِنُوهُمْ فِي دِمَائِهِمْ»،(٤٢) يعني يوم أحد، ولم يغسلهم.

أما مذهب سعيد بن المسيب والحسن البصري رحمهما الله أنه يغسل، واستدلا بأن النبي ﷺ أمر بحمزة رضي الله عنه فغسل.(٤٣)

وفي رأيي المتواضع أنه لا يغسل بقوة أدلة الجمهور، والله أعلم.

٢. تكفين الشهيد:

اتفق الأئمة الأربعة على مشروعية تكفين الشهيد في ثيابه التى أصيب فيها، واستدلوا بالآتي:

حديث عبد الله بن عباس رضي الله عنهما، أَنَّ ﷺ، "أَمَرَ بِقَتْلَى أُحُدٍ أَنْ يُنْزَعَ عَنْهُمُ الْحَدِيدُ وَالْجُلُودُ، وَأَنْ يُدْفَنُوا فِي ثِيَابِهِمْ بِدِمَائِهِمْ".(٤٤)

وحديث جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال:"رُمِيَ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فِي حَلْقِهِ فَمَاتَ، فَأُدْرِجَ فِي ثِيَابِهِ كَمَا هُوَ ".(٤٥)

أما مذهب الشافعية، فيجوز نزع ثياب الشهيد وإبدالها بغيرها، وقالوا: "إن الأمر بدفن الشهداء في ثيابهم ليس بحتم"، واستدلوا بالآتي:

حديث عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: «قُتِلَ حَمْزَةُ يَوْمَ أُحُدٍ، وَقُتِلَ مَعَهُ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَجَاءَتْ صَفِيَّةُ بِنْتُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بِثَوْبَيْنِ لِتُكَفِّنَ بِهِمَا حَمْزَةَ، فَلَمْ يَكُنْ لِلْأَنْصَارِيِّ كَفَنٌ، فَأَسْهَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الثَّوْبَيْنِ، ثُمَّ كَفَّنَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِي ثَوْبٍ».(٤٦)

ولكن في رأيي أنه يكفن في ثيابه التى أصيب فيها بقوة أدلة الجمهور، والله أعلم.

٣. الصلاة على الشهيد:

ومن الأحكام التى اختلفت أقوال أهل العلم فيها الصلاة على الشهيد، فهل يصلى عليه أم لا؟ فانقسموا إلى المجيزين والمانعين.

١. دليل المانعين:

من الأدلة الصريحة التى استدل بها القائلون بترك الصلاة على الشهيد، ما روي عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلَى أُحُدٍ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ ثُمَّ يَقُولُ أَيُّهُمْ أَكْثَرُ أَخْذًا لِلْقُرْآنِ فَإِذَا أُشِيرَ لَهُ إِلَى أَحَدِهِمَا قَدَّمَهُ فِي اللَّحْدِ وَقَالَ أَنَا شَهِيدٌ عَلَى هَؤُلَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَمَرَ بِدَفْنِهِمْ فِي دِمَائِهِمْ وَلَمْ يُغَسَّلُوا وَلَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِمْ.(٤٧)

٢. دليل المجيزين:

وذهب الآخرون إلى أن الشهيد يصلى عليه، وهو قول الإمام الثوري وأهل الكوفة.(٤٨) ودليلهم ما رواه أبو داود عن عقبة رضي الله عنه، "أن رسول الله ﷺ خرج يوماً، فصلى على أهل أحد صلاته على الميِّت ثم انصرف".(٤٩)

وأنا مع المجيزين في الصلاة عليه بقوة استدلالهم، والله أعلم.

٤. دفن الشهيد:

الشهيد يدفن في مكانه الذي استشهد فيه إذا كان صالحاً لذلك، أما إذا خيف بإلحاق الضرر به، فعندئذ يجوز نقله، وقد دلت على ذلك عدة أحاديث، منها:

عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال: كنا حملنا القتلى يوم أحد لندفنهم، فجاء منادي رسول الله ﷺ، فقال: "إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَدْفِنُوا الْقَتْلَى فِي مَضَاجِعِهِمْ" فَرَدَدْنَاهُمْ."(٥٠)

وَ عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: "ادْفِنُوا الْقَتْلَى فِي مَصَارِعِهِمْ".(٥١)

وَ سَعِيدُ بْنُ السَّائِبِ، عَنْ رَجُلٍ، يُقَالُ لَهُ: عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُعَيَّةَ، قَالَ: أُصِيبَ رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ يَوْمَ الطَّائِفِ فَحُمِلَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ، "فَأَمَرَ أَنْ يُدْفَنَا حَيْثُ أُصِيبَا"، وَكَانَ ابْنُ مُعَيَّةَ وُلِدَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ".(٥٢)

الإستعمالات الخاطئة للشهيد في العصر الحاضر

هناك حالات من الموت الغير الطبيعي أو القتل بيدو فيها أن الميت فيها شيهد ويصر بعض الناس على اطلاق كلمة الشهيد عليه، لكن. كما بينا.

الشهادة ليست مفخرة دنيوية يقسمها في الناس كل من هب ودب على أسس لا تمت إلى الإسلام بصلة وإنما الشهادة مرتبة دينية عظيمة تترتب عليها آثار وأحكام في الدنيا والآخرة فلابد في اطلاق هذا اللقب من مراعاة الأسس الدينية.

وفيما يلي نذكر على سبيل المثال تلك الحالات التي شاع في الناس أنهم يطلقون كلمة الشهيد لكنه غير موافق من منظور إسلامي.

١. قتل النفس:

قتل النفس من كبائر الذنوب، وقد دلت على تحريمه عدة نصوص، منها:

قوله تعالى: ﴿ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا، وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا﴾.(٥٣)

وهذا بيّن في تحريم قتل النفس وأن النار جزاء من يفعل ذلك.

وقد بين النبي ﷺ أن الفاعل يعاقب بمثل ما قتل نفسه به، فَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَهُوَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ يَتَرَدَّى فِيهِ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا، وَمَنْ تَحَسَّى سُمًّا فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَسُمُّهُ فِي يَدِهِ يَتَحَسَّاهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا، وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ، فَحَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ يَجَأُ بِهَا فِي بَطْنِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا».(٥٤)

وَعَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ " مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ فِي الدُّنْيَا عُذِّبَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.(٥٥)

وقد ترك النبي ﷺ الصلاة على المنتحر عقوبة له، وزجراً لغيره أن يفعل فعله، وأذن للناس أن يصلوا عليه، فيسن لأهل العلم والفضل ترك الصلاة على المنتحر تأسياً واقتداءً بالنبي ﷺ ،فَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: "أُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِرَجُلٍ قَتَلَ نَفْسَهُ بِمَشَاقِصَ، فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ".(٥٦)

قال الإمام النووي رحمه الله: وفي هذا الحديث دليل لمن يقول: لا يصلى على قاتل نفسه لعصيانه، وهذا مذهب عمر بن عبد العزيز والأوزاعي، وقال الحسن والنخعي وقتادة ومالك وأبو حنيفة والشافعي وجماهير العلماء: يصلى عليه، وأجابوا عن هذا الحديث بأن النبي ﷺ لم يصل عليه بنفسه زجراً للناس عن مثل فعله، وصلت عليه الصحابة.(٥٧)

وكيف يمكن أن يتجنب النبي ﷺ من الصلاة عليه زجرا ويطلق عليه لفظ الشهيد، فالذي مات منتحرا لا ينبغي اطلاق كلمة الشهيد عليه.

وفي رأيي المتواضع يصلى عليه حسب ما قال الجمهور لأن الإنتحار ليس كفراً مخرجاً من الملة كما يظن بعض الناس، بل هو من كبائر الذنوب التي تكون في مشيئة الله يوم القيامة إن شاء غفرها، وإن شاء عذب بها، والله أعلم.

٢. قتل نفسٍ بخشية الفقر:

النفس البشرية ليست ملكاً لأحد بل هي ملك لله تعالى، فلا يجوز لشخص كائناً من كان أن يزهقها بأي وسيلة من الوسائل أو طريقة من الطرق، سواء كان من خشية الفقر أو غيره، واعتبر الشرع قتل الإنسان نفسه جريمة كبرى، لأن نفس الإنسان ليست في ملكه حتى يزهقها، فعلى المسلم أن يحسن الظن بربه، لأن الرزقه مكتوبة عند الله قبل ولادته وهو في بطن أمه، وليس عليه إلا البحث عنه والجهد عليه، والله المستعان في كل أمور، قد نص القرآن والسنة على ذلك في غير موضع، منها:

قوله تعالى:﴿وَلاَ تَقْتُلُواْ أَوْلادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُم إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئاً كَبِيراً ﴾،(٥٨) وتأكد هذه الأية أن المولود لا يولد إلا وقد كتب رزقه، وكما خرجت من بطن أمك عاريا ورزقك الله، فكذلك أولادك. فلا حاجة لقلق وعليه الجهد للبحث فيه.

ففي حديث ابْنُ مَسْعُودٍ، ثنا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ، وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ " إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يُرْسِلُ اللَّهُ تَعَالَى إِلَيْهِ الْمَلَكَ فَيَنْفُخُ فِيهِ الرُّوحَ، وَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ: رِزْقِهِ، وَأَجَلِهِ، وَعَمَلِهِ، وَشَقِيٌّ أَمْ سَعِيدٍ، فَوَ الَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُهُ إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتَّى مَا يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتَّى مَا يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ".(٥٩)

٣. الغلول:

ويقصد به الخيانة، وهو أخذ ما لم يبح الانتفاع به من الغنيمة قبل حوزها[٦٠]

وقد جاءت النصوص الشرعية بتحريم الغلول والتشديد في أمره،

قال تعالي: ﴿ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ﴾.(٦١)

عَنْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، قَالَ: لَمَّا كَانَ يَوْمُ خَيْبَرَ، أَقْبَلَ نَفَرٌ مِنْ صَحَابَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: فُلَانٌ شَهِيدٌ، فُلَانٌ شَهِيدٌ، حَتَّى مَرُّوا عَلَى رَجُلٍ، فَقَالُوا: فُلَانٌ شَهِيدٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ "كَلَّا، إِنِّي رَأَيْتُهُ فِي النَّارِ فِي بُرْدَةٍ غَلَّهَا أَوْ عَبَاءَةٍ " ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ "يَا ابْنَ الْخَطَّابِ، اذْهَبْ فَنَادِ فِي النَّاسِ، أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ"، قَالَ: فَخَرَجْتُ فَنَادَيْتُ: أَلَا إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُون.(٦٢)

فلهذه الأحاديث وغيرها عد بعض العلماء الغلول مانعاً من الشهادة، وأنه وإن كان في صورته الدنيوية قتل شهيداً في المعركة، فإنه غير شهيد في الآخرة، بل شهيد في الدنيا فقط.(٦٣)

٤. الجهاد بعدم إذن الوالدين:

ويقصد في هذا هو أن عدم إذن الوالدين مانعاً من الشهادة، وقول الجمهور عليه أي إذا كان الجهاد فرض عين فيجوز الخروج دون إذنه، وإذا كان الجهاد فرض كفاية،(٦٤) فلا يجوز الخروج بدون إذنهما، ولو خرج فقد وقع في المعصية فهذا حرام، فكيف يمسى شهيداً وهو في معصية الله، وفي رواية عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَجُلًا هَاجَرَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنَ الْيَمَنِ فَقَالَ: "هَلْ لَكَ أَحَدٌ بِالْيَمَنِ؟ "، قَالَ: أَبَوَايَ، قَالَ: "أَذِنَا لَكَ؟ " قَالَ: "لَا"، قَالَ: "ارْجِعْ إِلَيْهِمَا فَاسْتَأْذِنْهُمَا، فَإِنْ أَذِنَا لَكَ فَجَاهِدْ، وَإِلَّا فَبِرَّهُمَا".(٦٥)

٥. الموت في المعصية:

المراد من هذا المانع هو كون الشهادة حصلت بسبب محرم أو في حال ارتكاب كبيرة، اختلف العلماء في من مات بالمعصية، مثلاً من مات وهو شارب الخمر أو في الطريق لاشتراك الخمر وغير ذلك من الأمور، هل تصح الشهادة الأخروية أم لا؟ فيه ثلاثة آراء:(٦٦)

القول الأول: أنه لا تحصل له درجة الشهادة، استدلالاً بقول الله تعالى:﴿ أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾،(٦٧) ووجه الدلالة: أن من مات بسبب من أسباب الشهادة وقد تعاطة السيئات والمعاصي، ليس كمثل من أمن وعمل الصالحات في المنزلة.

ويستدل على ذلك بما روي، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَمَّا أَرَادَ أَنْ يُغِيرَ عَلَى خَيْبَرَ قَالَ: «لَا يَتْبَعْنَا مُصْعِبٌ وَلَا مُضْعِفٌ» فَاتَّبَعَهُ أَعْرَابِيٌّ عَلَى بَكْرٍ لَهُ صَعْبٍ فَوَقَصَهُ، فَقَتَلَهُ، فَبَلَغَ ذَلِكَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَعْدَ فَتْحِ خَيْبَرَ، فَأَمَرَ بِلَالًا يُنَادِي: «أَلَا إِنَّ الْجَنَّةَ لَا تَحِلُّ لِعَاصٍ».(٦٨)

القول الثاني: أنه تحصل له درجة الشهادة، لأن الشارع رتب ثواب الشهادة على صفة معينة كمن قتل في سبيل الله، أو مات بالطاعون، أو مات بالغرق، أو غيرهما، فإذا حصلت للمسلم هذه الصفة حصل له ذلك الثوال الموعود به من الله، والنصوص الشرعية لم تشترط غير الإسلام، كما صرح قول النبي ﷺ:«الطَّاعُونُ شَهَادَةٌ لِكُلِّ مُسْلِمٍ».(٦٩)

القول الثالث: المعصية إذا كانت منفكة عن سبب الشهادة حصلت له الشهادة، وإن قارنتها معصية، لأنه لا تلازم بيهما، وأما إن كانت غير منفكة عن سبب الشهادة لم تحصل منزلة الشهادة. وجعلوا الأصل في هذا أن كل من مات في سبب معصية فليس بشهيد، وإن مات في معصيته بسبب من أسباب الشهادة فله أجر شهادة، وعليه إثم معصية.(٧٠)

ومثل للمعصية المنفكة عن سبب الشهادة بمن قاتل على فرس مغضوب فقتل، ومثل للمعصية غير المنفكة بمن شرق بالخمر فمات، فإنه مات بسبب شربة بالخمر وهي معصية.

٦. الموت في شهر رمضان:

يزعم بعض الناس أن كل من مات في رمضان هو مغفور تحت رحمة الله، ولكن الأمر ليس كذلك، إلا من مات وهو صائم فيه أو في غيره من الشهور، لما رواه أحمد عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: أَسْنَدْتُ النَّبِيَّ ﷺ إِلَى صَدْرِي فَقَالَ: " مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ . قَالَ حَسَنٌ: ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ . خُتِمَ لَهُ بِهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ صَامَ يَوْمًا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ خُتِمَ لَهُ بِهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ خُتِمَ لَهُ بِهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ ".(٧١)

فدل أن من مات وهو غير صائم أو مات في المعصية ولم يتب، وهو تحت مشيئة الله، إما عفا عنه إما عذبه، فالموت في رمضان، لم يثبت له فضل بخصوصه حسب معلوماتي، والله أعلم.

٧. الهجوم الإرهابي أو الفدائي:

يقصد بالإرهاب كما قال ابن منظور: رهب بالكسر، يرهب رهبة ورهبا بالضم، ورهبا بالتحريك؛ أي خاف ورهب الشيء رهبا ورهبة: خافه.(٧٢) وقال ابن الأثير: الرهبة: الخوف والفزع.(٧٣)

وهاك معنى كلمة الإرهاب في القرآن الكريم، قال تعالى:﴿ وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ﴾،(٧٤) قال الإمام ابن كثير رحمه الله: قوله (ترهبون) أي تخوفون (به عدو الله وعدوكم) أي من الكافرين.(٧٥)

وقتل النفس المسلم إرهاباً أو بأي طريق كان، حرام بالنص واتفق العلماء على ذلك، وله عدة أسباب في تحريمه، منهم حرمة دم المسلم عند الله أكثر من بيت الله الحرام، كما ورد في حديث عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ، وَيَقُولُ: "مَا أَطْيَبَكِ وَأَطْيَبَ رِيحَكِ، مَا أَعْظَمَكِ وَأَعْظَمَ حُرْمَتَكِ،

وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَحُرْمَةُ الْمُؤْمِنِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللَّهِ حُرْمَةً مِنْكِ، مَالِهِ، وَدَمِهِ، وَأَنْ نَظُنَّ بِهِ إِلَّا خَيْرًا".(٧٦)

وأشد من هذا أن النبي ﷺ منع أن يشار بالسكين أو الشئ المضر إلى المؤمن، وقتلهم بالانفجار وغيره من الأسباب أعظم من هذا، كما ورد في حديث عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ"لَا يُشِيرُ أَحَدُكُمْ إِلَى أَخِيهِ بِالسِّلَاحِ، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَحَدُكُمْ لَعَلَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ فِي يَدِهِ فَيَقَعُ فِي حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ".(٧٧)

وفي رواية أخرى، قال ﷺ : ((مَنْ أَشَارَ إِلَى أَخِيهِ بِحَدِيدَةٍ، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَلْعَنُهُ، حَتَّى يَدَعَهُ وَإِنْ كَانَ أَخَاهُ لِأَبِيهِ وَأُمِّهِ))،(٧٨) فالنبي ﷺ لم ينه عن الإشارة فحسب بل نهى عن تعاطي السيف مسلولاً، كما جاء عن جابر رضي الله عنه "أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى أَنْ يُتَعَاطَى السَّيْفُ مَسْلُولًا ".(٧٩)

فمجموع هذه النصوص تدلّ على منع الإشارة بالسلاح إلى مؤمن لما تترتب عليه المضرات، وللمحافظة على نفسه، وكم يهتم الإسلام بالمحافظة على النفس، ولم يحلل سيل دم النفس بل سداً للذرائع الموصلة إلى ذلك نهى أن يشير بالأشياء الحادة إلى أخيه، لأي وجه كان.

وفوق كل ذلك، فإن الإسلام يهتم بالمحافظة على الإنسانية جميعاً، بغض النظر عن اللون والنسب والمذهب، وبين أن قتل النفس الواحدة كقتل الإنسانية كافة، بل شجع على حفظ المجتمع، كقوله تعالى: ﴿ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا﴾.(٨٠)

وحتى من أسلم أثناء الحرب، اهتم الإسلام على محافظته، كما ورد في الرواية:

وَ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، يَقُولُ: بَعَثَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِلَى الحُرَقَةِ، فَصَبَّحْنَا القَوْمَ فَهَزَمْنَاهُمْ، وَلَحِقْتُ أَنَا وَرَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ رَجُلًا مِنْهُمْ، فَلَمَّا غَشِينَاهُ، قَالَ: لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَكَفَّ الأَنْصَارِيُّ فَطَعَنْتُهُ بِرُمْحِي حَتَّى قَتَلْتُهُ، فَلَمَّا قَدِمْنَا

بَلَغَ النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: «يَا أُسَامَةُ، أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ» قُلْتُ: كَانَ مُتَعَوِّذًا، فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا، حَتَّى تَمَنَّيْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ أَسْلَمْتُ قَبْلَ ذَلِكَ اليَوْمِ.(٨١)

٨. الشهيد الجمهوري أو الوطني:

أولاً: تعريف الشهيد الجمهوري أو الوطني:

لا يوجد في الإسلام ما يسمى الشهيد الجمهوري، وأقرب دليل لهذا المصطلح حديث، وأقصى ما يقال فيه، فإنه يدخل في حديث ((مَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَهُوَ شَهِيْد))،(٨٢)

"Assassinate: to murder an important or famous person especially for political reasons".(83)

ويقصد به: "اغتيال رئيس أو رجل مشهور، خصوصاً لأهداف سياسية".

ثانياً: صور الشهيد الجمهوري الوطني:

قتل الشهيد الوطني يكون له صور متعدّدة، فمنها:

١. أن يغتال أثناء أو قبيل عملية التصويت، كما قُتلت بينظير بُهتو رئيسة وزراء السابقة لجمهورية باكستان الإسلامية، في راولبندي بباكستان في ٢٧ ديسمبر سنة ٢٠٠٧م.

٢. أن يغتال بعد الترشيح للرئاسة أثناء المخاطبة لقومه، كما قُتل جنرال المتقاعد ضياء الحق الرئيس السابق لجمهورية باكستان الإسلامية في بهاولفور بباكستان في ١٧ أغسطس سنة ١٩٨٨م.

٣. أن يغتال أو يحكم عليه بالإعدام، بعد انتزاعه من الرئاسة، كما قُتل ذو الفقار علي بُهتو رئيس وزراء السابق لجمهورية باكستان، في راولبندي بباكستان في ٤ إبريل سنة ١٩٧٩م.

ثالثاً: حكم الشهيد الجمهوري أو الوطني:

لم أعثر على أقوال العلماء ــحتى الآنــ في هذا الباب، والذي أميل إليه ــ والله أعلم ــ هو أن مثل هؤلاء الفئة ينظر في حالهم، فإن توفرت فيهم شروط الشهيد، يُسمّونهم الشهداء، مثل أن يكون قتل بمؤامرة من أعداء الإسلام ، أو قُتل بغير ذنب سوى المنافسة السياسية، أو قتل بذنب أو خطأ ليس جزاؤه القتل، أو قتل بمجرد تهمة وظنة بدون محاكمة عادلة، لأن كل هؤلاء يعدّون من الذين قُتِلوا ظلما.

فإن لم تتوفر فيهم هذه الشروط فلا يسمونهم شهداء، وإن سموا شهداء، فالمقصود شهداء الآخرة، الذي عُرِّف سالفاً، ويستشهد لذلك حديث أبي قلابة حيث قال: "أرسل معاوية بن أبي سفيان إلى عامل له أن يأخذ الوهط، فبلغ ذلك عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِي، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: "مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ مَظْلُومًا فَهُوَ شَهِيدٌ"، فكتب الأمير إلى معاوية رضي الله عنه أن قد تيسر للقتال، وقال: إني سمعت رسول الله ﷺ يقول: ((مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ))، فكتب معاوية رضي الله عنه أن خل بينه وبين ماله".[٨٤] والله أعلم بالصواب.

أهم نتائج البحث

من خلال ما كتبتُ عن الشهيد، توصّلتُ إلى النتائج الآتية،

- إن الإسلام قد شملت تعاليمه نواحي الحياة الإنسانية.
- المكانة المرموقة سهلة الوصول إليها في الإسلام، من غير تقييد بشريحة أو فئة مخصوصة في المجتمع.
- إن الشهادة مكانة عالية، ولها فضائل عظيمة.
- إن الشهادة لا تنحصر فيمن يستشهد في المعارك، بل يتعدى إلى إقسام متعددة.
- إن الشهيد ثلاثة أقسام، شهيد الدنيا والآخرة، شهيد الدنيا، وشهيد الآخرة، وأفضله شهيد الدنيا والآخرة أي المعترك.
- إن الشخص قد يحصل على درجة الشهادة وهو يدافع عن نفسه وماله وعرضه، وقد ينال هذه المنزلة بدون تعب ومشقة بأن يتمنى الشهادة بصدق وإخلاص.
- الشهادة ليست مفخرة دنيوية يقسمها في الناس كل من هب ودب على أسس لا تمت إلى الإسلام[٨٥١] بصلة، وإنما الشهادة مرتبة دينية عظيمة تترتب عليها آثار وأحكام في الدنيا والآخرة فلابد في إطلاق هذا اللقب من مراعاة الأسس الدينية التي ذكرها أهل العلم في التراث الإسلامي.

وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم تسليما كثيرا كثيرا

الهوامش والإحالات

١) سورة الحديد، الآية: ٢٥.

٢) الأنصاري أبو الفضل جمال الدين ابن منظور، لسان العرب، دار صادر للطبعة والنشر، بيروت، ص: ٢٣٩/٣.

٣) الجزري أبو السعادات المبارك بن محمد بن الأثير، النهاية في غريب الحديث في مادة شهد، التحقيق: محمود محمد الطناحي وطاهر أحمد الزاوي، دار إحياء التراث العربي، بيروت، لبنان، ص: ٥١٣/٢.

٤) البخاري أبو عبدالله محمد بن إسماعيل، صحيح البخاري، التحقيق: محب الدين الخطيب، الترقيم: محمد فؤاد عبدالباقي، المراجعة: قصي محب الدين الخطيب، دار النشر: المطبعة السلفية، القاهرة مصر، كتاب الجهاد والسير، باب من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا، واللفظ له، برقم: ٢٨١٠،

والنيسابوري أبو الحسن مسلم بن الحجاج القشيري، صحيح مسلم، التحقيق: أبو محمد نظر محمد الفارابي، دار النشر: دار طيبة، الرياض المملكة العربية السعودية، كتاب الإمارة، باب من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله، بنحوه، برقم: ١٩٠٤.

٥) النهاية لابن الأثير، مادة شهد، ص: ٥١٣/٢.

٦) الدمشقي محمد أمين بن عمر عابدين، حاشية ابن عابدين، وهو ردّ المحتار على الدرّ المختار شرح تنوير الأبصار، التحقيق: الشيخ عادل أحمد عبدالموجود والشيخ علي محمد معوّض، التقديم: الأستاذ الدكتور محمد بكر إسماعيل، كلية الدراسات، جامعة الأزهر، مصر، دار عالم الكتب للطباعة والنشر والتوزيع، الرياض، المملكة العربية السعودية، ص: ١٥٨/٣.

٧) النووي أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف الدمشقي، روضة الطالبين، التحقيق: الشيخ عادل أحمد عبدالموجود والشيخ علي محمد معوض، دار عالم الكتب للطباعة والنشر والتوزيع، الرياض، المملكة العربية السعودية، ص: ٦٣٣/١.

٨) الحنبلي أبو إسحاق برهان الدين إبراهيم بن محمد بن عبد الله بن محمد بن مفلح، المبدع شرح المقنع، التحقيق: محمد حسن محمد حسن إسماعيل الشافعي، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، ص: ٢٣٧/٢.

٩) الجندي خليل بن إسحاق، مختصر خليل، دار الحديث، القاهرة، ص: ٥٦-٥٧.

١٠) سورة البقرة، الآية: ١٥٤.

١١) جزء الحديث من صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب بيان أن أرواح الشهداء في الجنة، وأنهم أحياء عند ربهم يرزقون، برقم: ١٨٨٧.

١٢) سورة آل عمران، الآية ١٦٩.

١٣) السمرقندي أبو الليث نصر بن محمد بن أحمد بن إبراهيم، تفسير بحر العلوم، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، ص: ١/٢٦٤.

١٤) سورة التوبة، الآية: ١١١.

١٥) الدمشقي أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير، تفسير القرآن العظيم، التحقيق: سامي بن محمد سلامة، دار طيبة للنشر والتوزيع، ص: ٤/٢١٨.

١٦) النسائي أبو عبدالرحمن أحمد بن شعيب، سنن النسائي، ومعه شرح الحافظ جلال الدين السيوطي، التحقيق: مكتب تحقيق التراث الإسلامي، دار المعرفة، بيروت، لبنان،كتاب الجهاد، باب ما يجد الشهيد من الألم، واللفظ له برقم: ٣١٦١.

والترمذي، أبو عيسى محمد بن عيسى بن سورة، الجامع، التحقيق: أحمد محمد شاكر، دار النشر شركة مكتبة ومطبعة البابي الحلبي وأولاده، كتاب الجهاد، باب فضل المرابط، برقم: ١٦٦٨.

والقزويني أبو عبدالله محمد بن يزيد ابن ماجه، السنن، التحقيق: شعيب الأرنؤوط، وعادل مرشد، ومحمد كامل قره بللي، وعبداللطيف حرزالله، دار الرسالة العالمية، بيروت، لبنان، كتاب الجهاد، باب فضل الشهادة في سبيل الله، برقم: ٢٨٠٢.

١٧) البخاري، صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب تمنى المجاهد أن يرجع إلى الدنيا، برقم: ٢٨١٧. ومسلم، صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب فضل الشهادة في سبيل الله، برقم: ١٨٧٧.

١٨) البخاري، صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب من أتاه سهم غرب فقتله، برقم: ٢٨٠٩.

١٩) مسلم، صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب من قتل في سبيل الله كفرت خطاياه إلا الدَّين، رقم الحديث: ١٨٨٦.

٢٠) البخاري، صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب من يجرح في سبيل الله، واللفظ له، رقم الحديث: ٢٨٠٣،ومسلم، صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب فضل الجهاد والخروج في سبيل الله، ولفظه: "كلّ كلْمٍ يُكْلَمُه المسلم في سبيل الله، ثم تكون يوم القيامة كهيئتها إذا طُعِنت تَفَجّر دماً، اللَّونُ لونُ دم العَرف عَرْفُ المسك"، برقم: ١٨٧٦.

٢١) البخاري، صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب من يُنكب في سبيل الله، والفظ له، برقم: ٢٨٠١، ومسلم، صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب القنوت في جميع الصلاة إذا نزلت بالمسلمين نازلة، بمعناه، برقم: ٦٧٧.

٢٢) البخاري، صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب تمني الشهادة، واللفظ له، برقم: ٢٧٩٧، ومسلم، صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب فضل الجهاد والخروج في سبيل الله، برقم: ١٨٧٦.

٢٣) البخاري، صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير ،باب درجات المجاهدين في سبيل الله، برقم: ٢٧٩١.

٢٤) البخاري، صحيح البخاري، كتاب باب قول الله عزوجل: "من المؤمنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه، فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلاً"، واللفظ له، برقم: ٢٨٠٥، ومسلم، صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب ثبوت الجنة للشهيد، بمعناه، برقم: ١٩٠٣.

٢٥) البخاري، صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب عمل صالح قبل القتال، واللفظ له، برقم: ٢٨٠٨، ومسلم، صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب ثبوت الجنة للشهيد، برقم: ١٩٠٠.

٢٦) البخاري، صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب ظل الملائكة على الشهيد، برقم: ٢٨١٦.

٢٧) الترمذي، الجامع، كتاب الجهاد، باب ثواب الشهيد، برقم: ١٦٦٣.

٢٨) النووي أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف الدمشقي، المنهاج شرح صحيح مسلم (ملخصاً)، المطبعة المصرية بالأزهر، مصر، باب: الدليل على أن من قصد أخذ مال غيره بغير حق كان القاصد مهدر الدم في حقه وإن قتل كان في النار، ص: ١٦٤/٢.

٢٩) هو الذي يموت بمرض البطن كالاستسقاء ونحوه، النهاية، ص: ١٣٦/١ ولسان العرب، في مادة بطن، ص: ٥٢/١٣.

٣٠) والغرق الذي يموت بالغرق، وقيل هو من غلبه الماء ولم يغرق، فإذا غرق فهو غريق، والغريق الرسوب في الماء، النهاية، في مادة غرق، ص: ٣٦١/٣.

٣١) صاحب الهدم هو أن ينهار عليه بناء، أو أن يقع في بئر، أو أهوية، فمن مات تحت جدار أو حائط أو وقعت عليه صخرة، النهاية، ص: ٢٥٢/٥.

٣٢) مسلم، صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب بيان الشهداء، برقم: ١٩١٥.

٣٣) النسائى، السنن، كتاب الجهاد، باب مسألة الشهادة، برقم: ٣١٦٣.
٣٤) سورة آل عمران، الآية: ٩١.
٣٥) الدارمي أبو محمد عبدالله بن عبدالرحمن بن الفضل بن بهرام، مسند الدارمي المشتهر بسنن دارمي، التحقيق: حسين سليم بن أسد الداراني، دار المغني للنشر والتوزيع، الرياض، المملكة العربية السعودية، كتاب الجهاد، باب صفة القتلى في سبيل الله، برقم: ٢٤٥٥.
٣٦) سورة البينة، الآية: ٥.
٣٧) البخاري، صحيح البخاري، كتاب بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي، برقم: ١.
٣٨) البخاري، صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب قوله تعالى: "إن الذين يأكلون أموال اليتامي"، برقم: ٢٧٦٦، ومسلم، صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الكبائر وأكبرها، برقم: ٨٩.
٣٩) الشافعي محمد بن إدريس، الأم، دار المعرفة، بيروت، ص: ٤٤٨/١.
٤٠) المدونة، الإمام مالك، دار الكتب العلمية، ص: ١٨٣/١.
٤١) النسائى، السنن، كتاب الجهاد، باب ثواب من كلم في سبيل لله،برقم: ٣١٤٧.
٤٢) البخاري، صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب من لم ير غسل الشهداء، برقم: ١٣٤٦.
٤٣) أبو شيبة عبد الله بن محمد، المصنف، مكتبة الرشد – الرياض، المملكة العربية السعودية، ص: ٤٥٨/٢.
٤٤) ابن ماجه، السنن، كتاب ما جاء في الجنائز، باب ما جاء في الصلاة على الشهداء ودفنهم، برقم: ١٥١٥.
٤٥) الأذدي أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني، السنن،التحقيق: عزّت الدعّاس وعادل السيد، دار ابن حزم، بيروت لبنان، كتاب الجنائز، باب في الشهيد يغسل، برقم: ٣١٣٣.
٤٦) الطبراني أبو القاسم سليمان بن أحمد، المعجم الكبير، التحقيق: حمدي عبدالمجيد السلفي، الناشر: مكتبة ابن تيمية، القاهرة مصر، برقم: ١٢١٥٢.
٤٧) البخاري، صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الشهيد، برقم: ١٣٤٣.
٤٨) النجدي محمد بن حمد الحمود، الشهيد في السنة النبوية، مكتبة الإمام الذهبي، الكويت، ص: ٣٠٧.
٤٩) أبو داود، السنن، كتاب الجنائز، باب: الصلاة على قبره بعد حين، رقم الحديث: ٣٢٢٣، ص: ٦٥٦
٥٠) أبو داود، السنن، كتاب الجنائز، باب في الميت يحمل من أرض إلى أرض، برقم: ٣١٦٥.

٥١) النسائى، السنن، كتاب الجنائز، باب أين يدفن الشهيد، برقم: ٢٠٠٤.
٥٢) المرجع السابق، كتاب الجنائز، باب أين يدفن الشهيد، برقم: ٢٠٠٢.
٥٣) سورة النساء، الآية: ٢٩-٣٠.
٥٤) البخاري، كتاب الطب، باب شرب السم والدواء به، برقم: ٥٤٤٢.
٥٥) المرجع السابق، كتاب الأدب، باب ما ينهى من السباب واللعن، برقم: ٥٧٠٠.
٥٦) مسلم، صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب ترك الصلاة علي قاتل نفسه، برقم: ٢٣٠٩.
٥٧) النووي، شرح صحيح مسلم، كتاب الجنائز، ص: ٤٧/٧.
٥٨) سورة الإسراء، الآية: ٣١.
٥٩) البخاري، صحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب ذكر الملائكة، برقم: ٣٢٠٨.
٦٠) الأنصاري أبو عبدالله محمد ابن عرفة الوافية، شرح حدود لابن عرفة، الموسوم الهداية الكافية الشافية لبيان حقائق الإمام الرصاع، التحقيق: محمد أبو الأجفان والطاهر المعموري، دار الغرب الإسلامي، بيروت، لبنان، ص: ٢٣٤/١.
٦١) سورة آل عمران، الآية: ١٦١.
٦٢) مسلم، صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب غلظ تحريم الغلول، وأنه لا يدخل الجنة إلا المؤنون، برقم: ١٨٢.
٦٣) النووي، شرح صحيح مسلم، ص: ١٣٠/٢.
٦٤) الشوكاني، نيل الأوطار شرح منتقى الأخبار، مكتبة دار التراث، القاهرة، مصر، ص: ٢٢١/٧.
٦٥) أحمد بن حنبل، المسند، التحقيق: شعيب الأرنؤوط وعادل مرشد، مؤسسة الرسالة، بيروت، لبنان، مسند أبي سعيد الخدري رضي الله عنه، ص: ١١٧/٢١.
٦٦) الكيرمي العمري عبدالرحمن بن غرمان بن عبدالله، أحكام الشهيد في الفقه الإسلامي، رسالة علمية لنيل درجة ماجستير في الفقه، جامعة أم القرى، مكة المكرمة، المملكة العربية السعودية، (بتصرف) ص: ١٤٤.
٦٧) سوره الجاثية، الآية: ٢١.
٦٨) سعيد بن منصور، السنن، الدار السلفية، الهند، ص: ١٩٤/٢.
٦٩) البخاري، صحيح البخاري، كتاب الطب، باب ما يذكر في الطاعون، برقم: ٥٧٣٢.
٧٠) ابن العربي، عارضة الأحوذي شرح جامع الترمذي، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، ص: ٢٥٥/٤.

٧١) أحمد بن حنبل، المسند، مسند حذيفة بن اليمان، ص: ٣٨/٣٥٠.

٧٢) ابن منظور، لسان العرب، ص: ١/٤٣٦.

٧٣) ابن الأثير، النهاية، مادة رهب، ص: ٢/٦٦٩.

٧٤) سورة الأنفال، الآية: ٦٠.

٧٥) ابن كثير، تفسير القرآن العظيم، ص: ٤/٨٢.

٧٦) ابن ماجة، السنن، كتاب الفتن، باب حرمة دم المؤمن وماله، برقم: ٣٩٣٢.

٧٧) مسلم، صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب النهي عن الإشار بالسلاح إلى المسلم، برقم: ٦٨٣٤.

٧٨) المرجع السابق، كتاب البر والصلة والآداب، باب النهي عن الإشار بالسلاح عن المؤمن، برقم: ٦٨٣٢.

٧٩) الترمذي، الجامع، كتاب الفتن، باب النهي أن يتعاطى السيف المسلول، برقم: ٢١٦٣.

٨٠) سورة المائدة، الأية: ٣٢

٨١) البخاري، صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب بعث النبي صلى الله عليه وسلم أسامة إلى الحرقات من جهينة، برقم: ٤٢٦٩.

٨٢) سبق تخريجه مقدما.

٨٣) Oxford advanced learner's dictionary, 6th edition, published by: Oxford University Press, page no. 80.

٨٤) أبو شيبة عبد الله بن محمد، المصنف، مكتبة الرشد – الرياض، المملكة العربية السعودية، برقم: ١٨٥٦٦.

****

دورالشباب في العمل الإجتماعي التطوعي

The Role of Youth in voluntary social work

د.عبدالغفار بخاري*

ABSTRACT

In every society of the world, youth is a very important segment. The youth plays an important role in social work and development of communities. There is a dire need of such voluntary welfare works to meet the needs of individuals as well as of the whole communities. As the complexities of living conditions increase, the voluntary social work and welfare projects gain importance and governments alone whether of developing or developed countries, can no longer meet the needs of their citizens. All this necessitates the existence of other bodies working parallel to the governmental bodies to fill in the public domain and complement the role played by the government agencies in meeting social needs. Such bodies are called civil society organizations. These organizations play an important role in addressing some of the social, cultural, and economic issues.

Despite the great importance of the social work and its need for the development of communities and the development of individuals a very small percentage of youth are engaged in social work. There is reluctance among the youth to participate in community work. This article explores the role of youth in social welfare work.

Keywords**:** *Youth, society, voluntary social work, development of communities*

* رئيس قسم الدراسات الإسلامية، بالجامعة الوطنية للغات الحديثة، اسلام آباد

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على أشرف الرسل و خاتم النبيين سيدنا محمد بن عبد الله وعلى آله وأصحابه وأزواجه الطبيين الطاهرين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين وبعد:

فيسرني أن أتشرف بالمشاركة في المؤتمر الدولي " الشباب في عالم متغير" الذى تنظمه الندوة العالمية للشباب الإسلامي وإسهامي المتواضع في المحور الثالث.

خطة البحث : وفيما يلي خطة البحث

تشتمل هذه الدراسة على مقدمة وثلاثة مباحث وخاتمة

أما المقدمة: فتشتمل على أهمية الموضوع

أهمية الموضوع

الشباب هم عصب الأمة فهم أمل الحاضر وأحلام المستقبل فالشباب هم مصدر الانطلاقة للأمة وبناء الحضارات وصناعة الآمال وعز الأوطان فالشباب هم الشريحة الأكثر أهمية في أي مجتمع وإذا كانوا اليوم يمثلون نصف الحاضر فانهم في الغد سيكونون كل المستقبل، والشباب عماد المستقبل وأنهم وسيلة التنمية وغايتها، فالشباب يسهمون بدور فاعل في تشكيل ملامح الحاضر واستشراف آفاق المستقبل، والمجتمع لا يكون قويا إلا بشبابه والأوطان لا تبنى إلا بسواعد شبابها ولذلك هم يملكون طاقات هائلة لا يمكن وصفها . ولذلك فإن جميع الأمم والشعوب تراهن دوما على الشباب في كسب رهانات المستقبل لإدراكها العميق بأن الشباب هم العنصر الأساسي في أي تحول تنموي سياسي أو اقتصادي أو اجتماعي، فهم الشريحة الأكثر حيوية وتأثيرا في أي مجتمع قوي تمثل المشاركة السياسية فيه جوهر التكوين.

فتأمل إلى الدور الذي قام به علي بن أبي طالب رضي الله عنه في شبابه عندما نام مكان رسول الله ﷺ أثناء الهجرة وتحمَّل في سبيل ذلك المخاطر[1]،

وكذلك وضع أسامة بن زيد ﷺ على رأس جيش به كبار الصحابة ولم يتجاوز عمره تسعة عشر سنة [٢].

ومواقف الشباب في الرعيل الأول والذي تلا ذلك جيلا بعد جيل إلى يومنا هذا تبرز مواقف عدَّة تبين من خلال ذلك بطولات وطاقات الشباب وشرعنا المطهر أوضح اهتمامه بهذه المرحلة كي تكون عدة يعتد بأيامها لمستقبلها الدنيوي والأخروي ولذا اهتم الإسلام بالشباب اهتماما بالغا.

فمن توجيهات الإسلام إلى العناية بالشباب الأمور التالية :

١- اختيار الزوجة الصالحة لأن الزوجة الصالحة إذا رزق الله الزوج منها أولادا فإنها توجههم وتقوم بدورها نحوهم من أطفالهم . فالنبي ﷺ حثنا على اختيار الزوجة الصالحة حيث قال ﷺ ((فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ)) [٣] .

٢- ومن توجيهات الإسلام نحو المولود حيث وجه الآباء أن يذبحوا عن الطفل العقيقة[٤] لأنها سنة مؤكدة ولها تأثير طيب على الطفل وهي ليست لمجرد تحصيل اللحم والفرح . وهذا مما يدل على عناية الإسلام بالشباب أول نشأتهم .

٣- اختيار الإسم الحسن للمولود، فالنبي ﷺ أمر الوالدين أن يختاروا اسما حسنا لأولادهم [٥]لأن الاسم الحسن له معنى وله مدلول وأن يبتعدوا عن الأسماء المكروهة.

٤- الإهتمام بتربية الأطفال بالتربية الدينية والمعنوية وهي المحافظة على الصلوة لقوله ﷺ ((مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ))[٦].

وتوجيههم إلى الخير وغرس الخير في نفوسهم وتنشئتهم على الخير وهذه التربية التي تبقى آثارها على المولود وتنمو معه وتصاحبه.

٥- الإهتمام بالتربية الجسمية التي هي عبارة عن توفير الغذا والملابس والسكن.

وتظهر أهمية العمل الإجتماعي التطوعي للشباب بما يحققه من نتائج كثيرة لدى الشباب من خلال تعزيز الإنتماء الوطني لديهم، وتنمية قدرات الشباب

ومهاراتهم الشخصية العلمية والعملية من خلال مشاركتهم في أنشطة المجتمع المختلفة وإعطائهم الفرصة لإبداء آرائهم وأفكارهم في القضايا العامة وإبداء الحلول لها.

وتهدف الدراسة إلى بيان دور الشباب في العمل الإجتماعي التطوعي وبيان مجالات العمل التطوعي من الميدان التربوي وثمراته الإيجابية على الفرد والمجتمع،كما تهدف الدراسة إلى تشجيع الشباب للإسهام في الأعمال التطوعية المختلفة.

المبحث الأول: مشروعية العمل الإجتماعي التطوعي،أهميته وأهدافه

المطب الأول:مفهوم العمل التطوعي

يتكون العمل التطوعي من كلمتين (العمل) و(التطوع)

أولا– تعريف العمل

١– لغة

العمل: أصل الكلمة يعود إلى المهنة والفعل، واعتمل الرجل إذا عمل بنفسه، والعَمَلَة:القوم يعملون بأيديهم ضروبا من العمل.[٧]

٢–اصطلاحا

والعمل يشمل كل فعالية اقتصادية مشروعة في مقابل أجر سواء كان هذا العمل بدنيا كان أم ذهنيا. [٨]

ثانيا– تعريف التطوع

١–لغة

قال ابن فارس في مادة طوع: " الطاء والواو والعين أصل صحيح واحد يدل على الإصحاب والإنقياد. يقال: طاعه يطوعه، إذا انقاد معه ومضى لأمره. وأطاعه بمعنى طاع له .والعرب تقول: تطوع، أى تكلف استطاعته، وأما قولهم في

التبرع بالشيء: قد تطوع به لكنه لم يلزمه، لكنه انقاد مع خير أحب أن يفعله، ولا يقال هذا إلا في باب الخير والبر."[٩]

٢- اصطلاحا

العمل التطوعي له تعريفات كثيرة نذكرمنها:

١- التطوع: وهو "ما دعا إليه الشرع زائدا عن الفروض والواجبات والسنن"(١٠).

٢- التطوع: وهو "لجهد الذي يبذل عن رغبة واختيار بغرض أداء واجب اجتماعي دون توقع جزاء مالي" (١١)

٣- هو" الجهد والعمل الذي يقوم به فرد أو جماعة أو تنظيم بهدف تقديم خدماتهم للمجتمع، أو فئة منه دون توقع لجزاء مادي مقابل جهودهم"(١٢).

المطب الثاني: مشروعية ومكانة العمل الإجتماعي التطوعي في الإسلام

أولا:مشروعية العمل التطوعي

إن الإسلام يحث على العمل التطوعي، ويحمد من يؤدي هذا الواجب الديني الذي يحقق التآخي بين أفراد المجتمع، فالعمل التطوعي من أهم الأعمال التي يجب أن يعتني بها الإنسان بكل الطاقات المتاحة.

فالعمل التطوعي بابه واسع حيث يشمل بجميع مجالاته الإجتماعية والصحية والتربوية والسياسية، وكل النصوص القرآنية والأحاديث النبوية التي تحث على العمل التطوعي الهدف منها جعل المسلمين يشعرون بالجسد الواحد ويعملون بروح الجماعة؛ لتحقيق مبدأ التكافل الإجتماعي بينهم، فالغني يخفف عن أخيه الفقير معاناته بتقديم الزكاة وصدقة التطوع .

لقد دلت النصوص الشرعية على مشروعية العمل التطوعي باعتباره من الأعمال الصالحة التي يتقرب بها العبد إلى الله عزوجل وهو لا يخرج عن أعمال البر

والإحسان والمعروف والصدقة والخير وقد ثبتت مشروعيته في القران الكريم والسنة النبوية.

١- من القران الكريم

إن الإسلام رفع منزلة العمل التطوعي إلى مستوى العبادة وحث عليه ورتب للقائمين به أعظم الأجور وتدل على مشروعية العمل التطوعي آيات كثيرة منها قوله تعالى ﴿وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴾(١٣).

ورجح علماء التفسير أن قوله ﴿خيراً﴾ يشمل عموم أفعال الخيرات من الطاعات والأعمال والنوافل المختلفة. قال الإمام الثعالبي في تفسير الأية " أي زاد برا بعد الواجب في جميع الأعمال"(١٤).

وقال الحسن وغيره: "أراد سائر الأعمال يعني فعل غير المفترض عليه من زكاة وصلاة وطواف وغيرها من أنواع الطاعات "(١٥).

ومنها قوله تعالى﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾(١٦) وفعل الخير يشمل كل أوجه البر والإحسان والتحلي بمكارم الأخلاق وإعانة المحتاج والإحسان إلى الآخرين ومساعدة الفقراء والضعفاء.

ومنها قوله تعالى ﴿ فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ() وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴾(١٧).

فهذه الآية الكريمة توصي بمراعاة اليتيم والسائل والمحتاج.

ومنها قوله تعالى ﴿ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى () وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ()فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى ﴾(١٨) .

فالآية الكريمة تدعو إلى مراعاة حقوق الضعفاء والمساكين وتقديم النفع لهم والرفق بهم عند التعامل معهم .

وهذه الآيات وغيرها تبين لنا أن مجالات العمل التطوعي متعددة ومتنوعة فبالقيام بالعمل التطوعي أو بعض مظاهره يفوز العبد بالتوفيق والتيسير الرباني.

٢- من السنة النبوية:

وكان رسول اللهﷺ تحدث عن هذا الموضوع وطبقه في حياته وحرص حرصا شديدا على تشجيع العمل التطوعي والدعوة له وتاكيده على الإستجابة نداءات الملهوفين والمحتاجين والمظلومين وإغاثتهم وكفالة اليتيم وإنظار المعسر ونشر العلم وبذل النصح والمعروف وتثقيف المجتمع من مقومات المجتمع الذي لا ينهض إلا على التكافل والتراحم وتبادل المنافع والمصالح وأمر أصحابه به ورباهم على المبادرة إلى التطوع في كافة مجالات الحياة.

وتتأكد مكانة العمل التطوعي في السنة النبوية من خلال:

١- الدعوة إلى المبادرة إلى التطوع وتلبية نداء المحتاجين والمضطرين وقال رسول الله ﷺ مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ .... وَاللَّهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ "[١٩].

يقول الإمام النووي رحمه الله في شرح هذاالحديث "وفيه فضل قضاء حوائج الناس ونفعهم بما تيسر من علم أو مال أو معاونة أو إشاعة أو مصلحة أو نصيحة أو غير ذلك " .[٢٠]

٢-التاكيد على الإهتمام بشوؤن المسلمين وقضاء حوائج الناس ونفعهم بما تيسرله، فقد روى عن النبي ﷺ أنه قال "من لم يهتم بأمر المسلمين فليس منهم "[٢١].

وروي عن النبي ﷺ أنه قال كُلُّ سُلَامَى مِنْ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيهِ الشَّمْسُ قَالَ تَعْدِلُ بَيْنَ الِاثْنَيْنِ صَدَقَةٌ وَتُعِينُ الرَّجُلَ فِي دَابَّتِهِ فَتَحْمِلُهُ عَلَيْهَا أَوْ تَرْفَعُ لَهُ عَلَيْهَا مَتَاعَهُ صَدَقَةٌ قَالَ وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ .... وَتُمِيطُ الْأَذَى عَنْ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ" [٢٢].

٣-تقديم العون للمحتاجين والسعى على مصالحهم وحاجاتهم فقد قال رسول الله ﷺ "السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ الْقَائِمِ اللَّيْلَ الصَّائِمِ النَّهَارَ"[٢٣].

٤- التطوع مبادرة ذاتية يستجيب من خلالها الشباب المسلم عند ما يرى أنه عمل ما يقدم خدمة للمسلمين امتثالا لقوله ﷺ "مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ أَوْ إِنْسَانٌ أَوْ بَهِيمَةٌ إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ " [٢٤].

٥- تحقيق مبدأ التكافل والإيثار انطلاقا من قوله ﷺ "أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هَكَذَا وَقَالَ بِإِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى"[٢٥].

٣- أمثلة وقدوات في العمل التطوعي في صدر الإسلام

تجلى التطبيق العملي لنصوص القرآن الكريم والأحاديث النبوية في نماذج رائعة من أعمال الخير والإحسان والبذل وأن تاريخنا الإسلامي حافل بالمواقف المضيئة التي تجسد أروع حالات البر والعطاء والتطوع، فالرسول ﷺ تتجسد فيه القدوة الكاملة في التعاون والبذل والعطاء حيث قال ﷺ "لَوْ كَانَ لِي مِثْلُ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا يَسُرُّنِي أَنْ لَا يَمُرَّ عَلَيَّ ثَلَاثٌ وَعِنْدِي مِنْهُ شَيْءٌ إِلَّا شَيْءٌ أُرْصِدُهُ لِدَيْنٍ"(٢٦).

أولا: نماذج إسلامية رجالية مضيئة في العمل الخيري التطوعي

- فقد كانت المؤاخاة بين المهاجرين والأنصار نوعا من أسمى أنواع التعاون الإسلامي[٢٧].
- قدم أبو بكر بجميع ماله وجاء عمر بن الخطاب بنصف ماله في جيش العسرة[٢٨] .
- وتبرع عثمان بن عفان بثلث ماله لتجهيز الجيش العسرة المتوجه لغزوة تبوك[٢٩] .
- وبذل عبد الرحمن بن عوف لماله في خدمة الإسلام والمسلمين في حياة الرسول ﷺ وبعد وفاته[٣٠].
- وهذا عبد الله بن عمر رضي الله عنه تأتيه ألف درهم فيوزعها، ثم يصلح فيستدين علفا لراحلته[٣١].

- وكان صهيب بن سنان جوّادا سخيا ينفق كل عطائه من بيت المال في سبيل الله، يعين محتاجا ويغيث مكروبا٣٢.
- وكان عطا سلمان الفارسي ما بين أربعة وستة آلاف في العام، بيد أنه كان يوزعه جميعا، ويرفض أن يناله منه درهم واحد٣٣.

ثانيا:نماذج إسلامية نسائية مضيئة في عمل الخير التطوعي

لم تتخلف نساء المسلمات عن العمل التطوعي في سبيل الله تعالي، وان صدر الإسلام ليذخر بنماذج مضيئة من أمهات المؤمنين ومن المسلمات اللاتي ضربن أروع الأمثلة في العمل التطوعي نذكر منهن بعض الأمثلة:

- فقد بذلت أم المؤمنين خديجة بنت خويلد رضي الله عنها جهدها ومالها في مؤازرة الرسول ﷺ وقد قال ﷺ عنها وَوَاسَتْنِي بِمَالِهَا إِذْ حَرَمَنِي النَّاسُ ٣٤.
- كانت أم المؤمنين زينب بنت جحش رضي الله عنها تعمل بيدها وتتصدق على الفقراء وقد قال عنها رسول الله ﷺ " أَسْرَعُكُنَّ لَحَاقًا بِي أَطْوَلُكُنَّ يَدًا٣٥" ٣٦.
- أسماء بنت أبي بكر رضي الله عنها تضحي بنطاقها وتشقه نصفين حين صَنَعَتْ سُفْرَةً لِلنَّبِيِّ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ حِينَ أَرَادَا الْمَدِينَةَ٣٧. وهو أغلى وأثمن ما تملك رضي الله عنها.
- وهذه أم عطيه تقول "غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺسَبْعَ غَزَوَاتٍ أَخْلُفُهُمْ فِي رِحَالِهِمْ فَأَصْنَعُ لَهُمْ الطَّعَامَ وَأُدَاوِي الْجَرْحَى وَأَقُومُ عَلَى الْمَرْضَى"٣٨
- ويقول أنس رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَلَقَدْ رَأَيْتُ عَائِشَةَ بِنْتَ أَبِي بَكْرٍ وَأُمَّ سُلَيْمٍ وَإِنَّهُمَا لَمُشَمِّرَتَانِ أَرَى خَدَمَ سُوقِهِمَا تَنْقُزَانِ الْقِرَبَ وَقَالَ غَيْرُهُ تَنْقُلَانِ الْقِرَبَ عَلَى مُتُونِهِمَا ثُمَّ تُفْرِغَانِهِ فِي أَفْوَاهِ الْقَوْمِ ثُمَّ تَرْجِعَانِ فَتَمْلَآنِهَا ثُمَّ تَجِيئَانِ فَتُفْرِغَانِهَا فِي أَفْوَاهِ الْقَوْمِ "٣٩.

- ويقول أنس رضي الله عنه عن أم سليم بنت ملحان رضي الله عنها : كَانَ ﷺ يَغْزُو بِأُمِّ سُلَيْمٍ، وَنِسْوَةٍ مِنَ الأَنْصَارِ مَعَهُ إِذَا غَزَا، فَيَسْقِينَ الْمَاءَ، وَيُدَاوِينَ الْجَرْحَى[٤٠]."
- وبعثت النساء بكل ما لديهن من حلي في غزوة تبوك [٤١] .
- وكانت الشفاء بنت عبد الله تقوم بتعليم نساء النبي ﷺ وخاصة حفصة رضي الله عنها القراءة والكتابة"[٤٢] .

ثانيا: مكانة العمل الإجتماعي التطوعي في الإسلام

إن العمل التطوعي يعد من الأعمال الجليلة التي تظهر آثارها الإيجابية وثمراتها النافعة على الفرد والمجتمع ولقد دعاء الإسلام إلى التعاون وبذل الجهد قال تعالى: ﴿وَتَعَاوَنُواْ عَلَى ٱلۡبِرِّ وَٱلتَّقۡوَىٰۖ وَلَا تَعَاوَنُواْ عَلَى ٱلۡإِثۡمِ وَٱلۡعُدۡوَٰنِۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَۖ إِنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلۡعِقَابِ﴾[٤٣].بل كان للعمل التطوعي الأولوية في أول الرسالة المحمدية في المرحلة المكية حيث جاءت الآيات القرآنية الكريمة تحث على العطاء والإنفاق وبذل الخير للفقراء والمساكين والمحتاجين.

ويعد العمل التطوعي مظهر من مظاهر تقدم الأمم في المجتمعات واتساع ثقافتها وارتفاع درجة الوعي فيها فمن الملاحظ أن الأمة الواعية يزداد نموها من خلال مشاركة مواطنيها وخاصة الشباب في الأعمال التطوعية المختلفة.إن العمل التطوعي أحد الأسس الهامة للنهضة الشاملة في شتى جوانب الحياة والعمل التطوعي لاينفك عن أفراد المجتمع ومؤسساته المختلفة بإعتباره علامة بارزة لتكافل المجتمع وتآزره.

والعمل التطوعي من المظاهر القائمة في المجتمعات المعاصرة بل يعد من أدبيات عصرنا الحاضر ينبغي أن يبادر إلي العمل التطوعي أفراد المجتمع كافة وبالأخص فئة الشباب، استجابة لنوازع الخير المركوزة في نفوسهم وإيماناً بأهميته، فهو ميدان واسع يشتمل على مظاهر متعددة فهو قوة محركة للمجتمع تنبع من داخله

وتقوم على جهود أفراده وجماعته ومؤسساته لمواجهة نهضته وتطوره وتقدمه من جانب ومن جانب آخر علاج لمشكلاته وآلمه وجراحه في أوقات الرخاء والشدة والقوة والضعف.فالمسلم الذي فطر على الخير والحب لا ينتظر الأحداث والطواري حتى يبادر إلى المساهمة في الأعمال التطوعية بل سوف يدفعه إيمانه وغيرته وحبه للعمل الصالح إلى تقديم العون وبذل المعروف لإخوانه المسلمين في كل الأحوال، ويداوم على ذلك العمل رغبة في محبة مولاه.

المبحث الثاني: مجالات العمل التطوعي وأنواع المشاركة فيها

يتسع مجال العمل التطوعي كثيرا من المجالات والميادين التي تخدم مسيرة العمل التطوعي الخيري، وتعود بالفائدة والمنفعة للجميع، فمثلا لفظ الصدقة لها مكانة عظيمة في الإسلام تعود على صاحبها بالأجر والثواب الجزيل، فالصدقة ليس فقط إعطاء الفقير ومساعدة المحتاج بل تحمل مجالا واسعا وكبيرا في تعاليم الإسلام كما ورد عن النبي ﷺ أنه قال:" كُلُّ سُلامَى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ كُلُّ يَومٍ تَطْلُعُ فِيْهِ الشَّمْسُ: تَعْدِلُ بَيْنَ اثْنَيْنِ صَدَقَةٌ، وَتُعِيْنُ الرَّجُلَ في دَابَّتِهِ فَتَحْمِلُ لَهُ عَلَيْهَا أَو تَرْفَعُ لَهُ عَلَيْهَا مَتَاعَهُ صَدَقَةٌ، وَالكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ، وَبِكُلِّ خُطْوَةٍ تَمْشِيْهَا إِلَى الصَّلاةِ صَدَقَةٌ، وَتُمِيْطُ الأَذى عَنِ الطَّرِيْقِ صَدَقَةٌ" (٤٤).

وقال ﷺ "أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ أَنْ يَتَعَلَّمَ الْمَرْءُ الْمُسْلِمُ عِلْمًا ثُمَّ يُعَلِّمَهُ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ "(٤٥). بل إن النبي ﷺ إعتبر أي معروف صدقة حيث قال ﷺ "كلُّ معروفٍ صدقةٌ "(٤٦).

فثبت أن مجال الصدقة واسع وكبير وهو لا يقتصر على مساعدة المحتاجين والفقراء والمعوزين، بل يشمل الكثير من المجالات والأعمال الخيرية والتطوعية.كذلك لفظ "الخير "يشمل في المنظور الإسلامي على الأعمال التطوعية والخيرية وكل ما فيه فائدة للإنسان أو للمجتمع أو للأمة أو للبشرية كلها.

هذه المفاهيم وغيرها تشير إلى أن العمل التطوعي، ليس مقتصرا على جوانب مساعدة الفقراء والمحتاجين، وإنما يشمل العديد من المجالات والميادين التي تخدم مسيرة العمل التطوعي والخيري، وتعود بالفائدة والمنفعة للجميع.نظرا لتطور مفهوم العمل التطوعي لمجتمعاتنا اليوم واتساع الأهداف والغايات منه وتزايد الحاجات الجديدة التي تولدت مع تطور الحياة في مختلف أبعادها نكتشف أهمية توسيع مجالات العمل التطوعي وميادينه كي يغطي الحاجات الجديدة للمجتمع ويُسهم في التنمية الشاملة، ويساعد على حل المشاكل والأزمات والكوارث ويغطي متطلبات المستلزمات الرئيسة للأفراد، فيحتاج مجتمعنا لتنمية وتوسعة مجالات العمل التطوعي.

وفي هذا الصدد تقول دكتوراه نورة العنزي

"إن العمل التطوعي يختلف في حجمه وشكله واتجاهاته ودوافعه من مجتمع إلى آخر، ومن فترة زمنية إلى أخرى، فمن حيث الحجم يقل في فترات الإستقرار والهدوء ويزيد في أوقات الكوارث والنكبات والحروب، ومن حيث الشكل فقد يكون جهدا يدويا وعضليا أو مهنيا أو تبرعا بالمال أو غير ذلك، ومن حيث الإتجاه فقد يكون تلقائيا أو موجها من قبل الدولة في أنشطة اجتماعية أو تعليمية أو تنموية، ومن حيث دوافعه فقد تكون دوافع نفسية أو اجتماعية أو سياسية"(٤٧).

فيجب على الشباب المسلم أن لا ينحصر العمل الطوعي في جوانب محدودة للمجتمع والإنسان، بل يجب عليهم أن يتسعوا ليشمل كل المجتمع وكل الإنسان وحقوقه الأساسية في الحياة والسلام والحرية وليشمل حقوقه الإجتماعية من مأكل ومشرب ومسكن وملبس وصحة وتعليم وحقوق اقتصادية بما فيها الحق في العمل والأجر والراحة والعطلات، وليشمل الحقوق السياسية والمدنية أهمها الحق في المساواة أمام القانون وحق التنمية. ومجتمعنا بحاجة ماسة لمثل هذا النوع من

الأعمال التطوعية، لأنها مازالت محدودة وبحاجة إلى المزيد من الإهتمام في هذا الجانب.

يمكننا الحديث عن أبرز هذه المجالات في النقاط التالية:

(١) مجال العبادة والقربات

الشباب المسلم لا يقتصر في عبادته على الفرائض والواجبات فقط بل يزيد عليها من خلال شتى أنواع العبادات.

يقول شيخ الإسلام ابن تيمية:

"العبادة: هي اسم جامع لكل ما يحبه الله ويرضاه من الأقوال والأعمال، الباطنة والظاهرة، فالصلاة والزكاة والصيام والحج، وصدق الحديث وأداء الأمانة وبر الوالدين، وصلة الأرحام، والوفاء بالعهود والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، والجهاد للكفار والمنافقين، والإحسان للجار واليتيم والمسكين وابن السبيل، والمملوك من الآدميين، والبهائم، والدعاء والذكر والقراءة، وأمثال ذلك من العبادة"(٤٨).

فالأمر واسع للشباب للتسابق والتنافس في هذا الباب.

(٢) المجال الإجتماعي

حث الإسلام على أهمية القيام بالتكافل الإجتماعي، لأنه يقضي على الفقر والجهل والمرض فمساعدة الفقراء والمساكين والمحتاجين وتلبية مستلزماتهم الأساسية من مأكل ومشرب وملبس ومسكن ومنكح يعد من الحاجات الأساسية التي يجب أن تكون من أولويات العمل التطوعي.

والسعي في قضاء حاجات المحتاجين يعد من الأعمال الصالحة، وهو عبادة، وله ثواب جزيل، فقد روي عنهﷺ "مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللَّهُ فِي حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللَّهُ عَنْهُ بِهَا كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ"(٤٩).

ويتضمن المجال الإجتماعي رعاية الطفولة، رعاية المرأة، مساعدة الأسر الفقيرة، رعاية الأيتام، رعاية المسنين،إعادة تأهيل مدمني المخدرات، مكافحة التدخين، رعاية الأحداث، الإرشاد الأسرى، مساعدة المشردين.

(٣) مجال التعليم والتدريب والتأهيل

يعد التعليم من أبرز ميادين العمل التطوعي وهو يساهم في نشر العلم في المجتمع والإرتقاء بمستوى الطلاب إلى الدرجات العليا وللتعليم التطوعي دور مؤثر في نشر العلم وبسطه وتبرز أهمية المساهمة في بناء فكر هؤلاء المحتاجين الميدان التربوي التعليمي وذلك عبر فتح باب العلم والمعرفة أمامهم، وهنا يأتي دور العاملين في الحقل التربوي والطلاب الذين يتطوع البعض منهم لتعليم الأطفال والتلامذة أوالكبار عبر دروس محو الأمية.

ويتضمن المجال التربوي والتعليمي تقديم التعليم المنزلي للمتأخرين دراسيا وبعث الطلاب المتفوقين لإكمال دراساتهم من قبل المحسنين وبناء مدارس وجامعات وكليات ومعاهد للتعليم المجاني وإنشاء المكتبات وسائر المؤسسات العلمية والقيام عليها ودعمها.

وتشمل برامج التدريب والتأهيل على إعداد مربيات الأطفال واستعمال الحاسب الآلي والنسخ على الآلة الكاتبة وتعليم التفصيل والخياطة ومكافحة الأمية والسكرتارية والفنون التشكيلية والتطريز وتدريب بعض أفراد الأسر التي ترعاها الجمعية على بعض الحرف والمهن(٥٠).

(٤) المجال الصحي والطبي

تعد المجال الصحي والطبي من أبرز مجالات العمل التطوعي ومن الأعمال الهامة في تنمية الوعي الصحي، والحفاظ على حياة الإنسان والمساهمة في إشاعة قيم التعاون الصحي بين الناس فتمثل الرعاية الصحية في محاولة لتأمين الرعاية الصحية الأولية للمحتاجين.

ومن أبرز مظاهر التطوع الطبي هو تطوع الأطباء والممرضين والمسعفين للتخفيف من آلام وأوجاع هؤلاء المرضى ولإنقاذ حياة المرضى من الخطر، ويتضمن المجال الصحي في المستوصفات والعيادات الطبية وإجراء عمليات القلب وعيادات مكافحة التدخين والصيدليات ومراكز العلاج الطبيعي ودورات الإسعاف الأولى وخدمة نزلاء المستشفيات ودعم لجان أصدقاء المرضى وتأمين السكن الصحي للمرضى ومرافقيهم وخدمة المرضى والترفيه عنهم تقديم الإرشاد النفسي والصحي التمرين المنزلي وتقديم العون لذوي الاحتياجات الخاصة.

إضافة إلى ذلك التبرع بالدم أو أعضاء الجسم كالكلية أو الرئة أو غيرها من الأعضاء الحيوية لإنقاذ مرضى الفشل الكلوي أو الرئوي أو غيرها من الأمراض المستعصية. ولاشك أن التبرع بأحد أعضاء الجسم وهو لا يزال على قيد الحياة يعد قمة التطوع في المجال الطبي، وكذلك التبرع بأحد الأعضاء بعد الموت بالوصية لإنقاذ مريض بأشد الحاجة لذلك العضو المطلوب .

كذلك إلقاء المحاضرات والندوات التثقيفية في المجال الصحي والطبي والغذائي والتوعية الصحية والمشاركة في أسبوع النظافة والمناسبات الصحية الأخرى يعد من مظاهر التطوع الطبي.

(٥) مجال الثقافة الإسلامية

وفي الثقافة الإسلامية حظي العمل التطوعي بمكانة عالية من الإهتمام إذ نجد الكثير من النصوص القرآنية والأحاديث الشريفة التي تحث مساعدة المحتاجين والعاجزين والمعوقين والمساهمة في التعليم ونشر العلم والحفاظ على البيئة والمشاركة في العمران والتطوير.

ومن البرامج الثقافية الإسلامية فتتمثل بإقامة حلقة تحفيظ القرآن الكريم وإقامة المحاضرات والندوات دينية وثقافية وزيارة مكتبات عامة ونشر وطبع الكتب ونشرات التوعية واللوحات الإرشادية. هذا بالإضافة إلى إقامة المعسكرات والمراكز

الصيفية لشغل أوقات الشباب في الصيف.ويدخل فيها المجالات الفكرية وذلك من خلال الآراء الصائبة والنصائح القيمة، والخطط الرائدة.

(٦) مجال الإغاثة

رعاية المعاقين وكبار السن مظهر آخر من مظاهر التطوعي والتي تتمثل بإنشاء مراكز ودور إيوائية ومراكز تعليم خاص وتفصيل الخياطة ومشاغل خاصة لتأهيل المعاقين بالإضافة إلى تأمين الأجهزة الطبية لبعض المعاقين، وكذلك برنامج الإسكان الخيري وتحسين المسكن وتتمثل بشراء وتأمين وتحسين المساكن.

ومن البرامج الإغاثية ورعاية المعاقين فيشمل تقديم أنواع المساعدات النقدية والعينية والطارئة والموسمية ومساعدة المرضى والمعسرين وراغبي الزواج وأسر السجناء والمعاقين ومشروع كافل اليتيم وخدمات الأربطة ودور الضيافة لإيواء الحالات الطارئة الناجمة عن حوادث الطرق وغير ذلك.

(٧) مجال الدفاع عن حقوق الإنسان

الدفاع عن حقوق الإنسان المعنوية والمادية تعد من أبرز مجالات العمل التطوعي التي تحتاج للمزيد من الفاعلية والنشاط، فإحترام حقوق الإنسان يعد علامة على التطور الحضاري في حين أن انتهاك هذه الحقوق دليل على التخلف الحضاري.

ولقد حث الإسلام على وجوب احترام الإنسان وحماية حقوقه من التعدي والتجاوز والإهدار وحرمة مصادرة أي حق من حقوقه المشروعة من الحياة والسلامة والحرية ومن حقوقه الإجتماعية والإقتصادية والسياسية والثقافية وقيمه الأخلاقية والروحيةقال تعالى: ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلاً ﴾(٥١).

ويتضمن مجال الدفاع المدني: المشاركة في أعمال الإغاثة، المساهمة مع رجال الإسعاف، المشاركة في أوقات الكوارث الطبيعية. وفي هذا الميدان يبرز دور كبير للدفاع

المدني الذي تظهر أهميته في حالات الطوارىء والخطر، فيجب على الشباب المسلم الرعاية بهذا الجانب.

فيجب على الشباب المسلم المتطوعين في هذا المجال المساهمة في نشر الوعي الحقوقي بين الناس وتعريفهم بحقوقهم وواجباتهم وتأليف المصنفات في مجال حقوق الإنسان والدفاع عن أية انتهاكات تقع من أي جهة ضد الإنسان وحقوقه المشروعة.

(٨) مجال الإعلام

عصرنا هذا عصر الإعلام الفضائي لأن له دور بارز وأثر كبير في مجتمعنا،فينبغي للشباب استغلال هذا المجال لصيانة المجتمع ومستقبل الأمة الإسلامية لأن وسائل الإعلام المسموعة والمقروءة والمرئية تبني قضية العمل التطوعي من خلال الترويج وإذكاء الوعي الإجتماعي لدى أفراد المجتمع واستشارتهم من خلال توضيح أهمية الأعمال التطوعية عن طريق وسائل الإعلام.

فيجب على شباب الأمة الإسلامية في مجال الإعلام الأمور التالية:

تأهيل مسؤولي الجهة الخيرية ليصبحوا خبراء في مجالات العمل الإنساني ويشاركوا في وسائل الإعلام.

١- الإهتمام بالتواصل مع الصحف الإلكترونية وبخاصة التي تعرض للأحوال الإنسانية في المجتمع.

٢- حضور المؤتمرات وورش العمل والتواصل مع التجارب الناجحة.

٣- قناة تختص بتعليم القرآن حيث يتم إظهار برامج وأنشطة جميع حلقات التحفيظ على مستوى العالم.

٤- إعداد قناة متخصصة في إظهار الإبداع والثقافة والتميز للأمة الإسلامية.

إذا ينبغي للشباب استغلال هذه المرحلة في صيانة الأمة الإسلامية عن طريق وسائل الإعلام . فيترتب عليها آثار طيبة للفرد والمجتمع وبالتالي الأمة.

(٩) مجال الحفاظ على البيئة

الحفاظ على البيئة من التلوث بمختلف أشكاله اى تلوث الهواء والماء والتراب تعد مجال آخر للتطوع التي يحتاج مجتمعنا للمزيد من الفاعلية والنشاط في المجال البيئي، فقلما نجد في العالم الإسلامي منظمة أو جمعية تطوعية تهتم الشأن البيئي؛ لذلك، توجد ضرورة لإيجاد مثل هذه المناشط التطوعية لتنشيط حملات التوعية البيئية، والعمل على تنظيف الشواطىء والبحار، والمحافظة على المحميات الطبيعية، وزيادة المساحة الخضراء في كل مكان.

ومن الأعمال التطوعية الأخرى التي سادت وانتشرت في المجتمع الإسلامي:هو نصرة المظلوم ورد المظالم مساعدة المحتاجين من الفقراء والمساكين والأرامل والأيتام والمعاقين وإماطة الأذى عن الطريق وحماية الطرق والقرى والبلدان والإعانة على رفع الحوائج إلى ولاة الأمر والشفاعة فيها والتطوع بمراقبة المخالفات والتطوع بمكافحة الأمراض وتعليم الناس ونشر العلم.

ثانيا – أهم أنواع المشاركة في العمل التطوعي

١) **المشاركة المعنوية**:والمقصود بها دعم المشاريع التطوعية معنويا وذلك بالتشجيع عن المشروع الخيري والتعريف به في المحافل العامة أو الدفاع عنه إلى غير ذلك من صور المشاركة المعنوية.

٢) **المشاركة المالية** : ويعنى بها دعم المشاريع الخيرية بالمال، ولا شك أن للمال كبير الأثر في النهضة والتقدم والإزدهار في مختلف جوانب الحياة كما يمثل أحد عناصر أساسية لنجاح الأعمال التطوعية الخيرية، فالقرآن الكريم سمى المشاركة المالية في سبيل الله بالجهاد قال تعالى: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾(٥٢).

٣) المشاركة العضوية : ونعني بها أن يكون الشخص عضوا فعالا في الأعمال التطوعية وأن يكون مندوبا لإحدى المؤسسات الخيرية، وهذا يتطلب ممارسة التفكير الجاد وشحذ الهمة وبذل الجهد والتضحية بالوقت من أجل خدمة المجتمع وتقوية العمل الخيري. هذه هي أهم ألوان المشاركة في الأعمال التطوعية والخيرية .

المبحث الثالث: معوقات مشاركة الشباب في العمل الإجتماعي التطوعي

تواجه العمل التطوعي العديد من العقبات والصعوبات والتي تحد من فاعليته وتوسعه وانتشاره، وترجع هذه المعوقات بعضها إلى المتطوع نفسه وبعضها ترجع إلى معوقات اجتماعية، معوقات اقتصادية، معوقات دينية، معوقات نفسية، معوقات إداريه.

ويمكن تحديد أهم هذه المعوقات بإيجاز في الأبعاد التالية:

(١) معوقات شخصية

١) عدم معرفة الشباب أهداف وأهمية العمل التطوعي.

٢) عدم إجادة الدور المطلوب من الشباب المتطوع .

٣) سعي الشباب إلى الكسب المادي وعدم وجود وقت كاف للتطوع.

٤) عزوف بعض الشباب المتطوعين عن التطوع في مؤسسات ليست قريبة من سكنهم.

٥) سعى بعض الشباب لتحقيق أقصى استفادة شخصية ممكنة من العمل الخيري وهذا يتعارض مع طبيعة التطوع .

٦) قصور بعض الشباب في الحث على الإنخراط في الأعمال التطوعية.

٧) عدم استغلال الدوافع الدينية لدى الشباب واستثمارها لصالح العمل التطوعي.

٨) ابتعاد الشباب عن التعاليم الدينية وعدم الإهتمام بما تدعو إليه.

(٢) معوقات اجتماعية

وقد ساهم عدم قيام مؤسسات التنشئة الاجتماعية المختلفة كالأسرة والمدرسة والمؤسسة الإعلامية بدور فاعل في غرس قيم التطوع والعمل الجماعي في نفوس الناشئة إلى عدم وعي الشباب بأهمية التطوع، وبدوره في البناء الذاتي للفرد، وبأهميته في تطوير المجتمع. كما ساهم عدم تضمين المناهج الدراسية للمؤسسات التعليمية المختلفة بعض المقررات، والبرامج الدراسية التي تركز على مفاهيم العمل الاجتماعي التطوعي وأهميته ودوره التنموي، في تقليل اهتمام الشباب بالأعمال التطوعية.

اشترك بعض الأنماط الثقافية السائدة في المجتمع في ضعف وعي الشباب بمفهوم وفوائد العمل التطوعي. وكذلك تقليص مشاركة الشباب في العمل التطوعي، كالتقليل من أهميتهم الإجتماعية ومن دورهم في بناء المجتمع.

وتشير الشبيكي إلى عدد من العوامل الإجتماعية التي تؤدي إلى عزوف الشباب عن المشاركة في الأعمال التطوعية من بينها[٥٣].

١) عدم الوعي الكافي بين أفراد المجتمع بأهمية التطوع والأهداف التي يسعى إلى تحقيقها.

٢) عدم وجود الرغبة للإنخراط في الأعمال التطوعية .

٣) استغلال العمل التطوعي لتحقيق أهداف غير مشروعة.

٤) شعور المتطوعين الشباب بأن العمل التطوعي مضيعة للوقت والجهد وغير مطلوب.

٥) خوف المتطوعين الشباب من الفشل.

٦) عدم بث روح التطوع بين شباب المجتمع منذ الصغر.

٧) عدم وجود الحوافز المعنوية.

٨) عدم إشباع برامج وأنشطة التطوع الحالية لحاجات الأعضاء المتطوعين

٩) عدم وجود لوائح وتنظيمات واضحة تنظم العمل التطوعي وتحميه.

وقد أشارت إحدى الدراسات الموسعة في بريطانيا إلى المعوقات التي تقلل من التحاق الشباب وصغار السن بالعمل التطوعي، وعزتها إلى الأسباب التالية :

ا-نقص المعلومات عن مجالات الأعمال التطوعية التي يمكن أن يلتحق بها الشباب.

ب-عدم توفر المواصلات المناسبة خصوصاً في المناطق الريفية.

ج-طول وتشعب نماذج واستمارات برامج التطوع.

د-وجود بعض الصور الإجتماعية السلبية بين الشباب المتطوعين والنظرة من أقرانهم بأنهم ينخرطون في برامج تتصف بالنعومة [٥٤].

(٣) معوقات الإدارية والتنظيمية

يعد البعد الإداري والتنظيمي عاملا مؤثرا في العمل التطوعي لأن التنظيمات واللوائح لا تتواكب مع الحاجات الفعلية لتطوير العمل بالصورة المناسبة. وتعاني برامج التطوع من قلة التنسيق والتكامل بين المؤسسات العاملة في مجال التطوع من ناحية وانخفاض مستوى التعاون بين تلك الجهات والقطاعات الرسمية من ناحية أخرى.

كما أن هنالك أسبابا تتحمل مسئوليتها المؤسسات الحكومية والأهلية، تتمثل في قلة التعريف بالبرامج والنشاطات التطوعية أوعدم السماح للشباب بالمشاركة في صنع القرار داخل المؤسسة وقلة تشجيع ودعم العمل التطوعي.

ونذكر أهم تلك المعوقات في النقاط التالية :

ا) معوقات: إدارية

١) ضعف اللوائح والأنظمة الخاصة بالعمل التطوعي

٢) عدم وضع الشباب المتطوعين في العمل المناسب لقدراته وميوله واستعداداته

٣) عدم مشاركة الشباب في بناء التنظيمات والهياكل الإدارية .
٤) عدم تهيئة الأماكن المناسبة للعمل والإنتاج .
٥) عدم وجود الإدارات الواعية المحققة للأهداف .
٦) عدم وضوح أهداف ونشاطات المنظمة .
٧) عدم تحديد دور الشباب المتطوعين في المنظمة .
٨) عدم إلحاق الشباب المتطوعين بدورات تدريبية وتأهيلية .

ب) معوقات متعلقة بالمنظمة الخيرية :

١) عدم وجود إدارة خاصة للشباب تهتم بشؤونهم وتعينهم على الإختيار المناسب حسب رغبتهم.
٢) عدم الإعلان الكافي عن أهداف المنظمة الخيرية وأنشطتها.
٣) عدم توافر برامج خاصة لتدريب الشباب المتطوعين قبل تكليفهم بالعمل .
٤) المحاباة في إسناد الأعمال وتعيين العاملين من الأقارب من غير ذوي الكفاءة.
٥) اعتبار أعمال الجمعية من الأسرار المغلقة التي يجب عدم مناقشتها مع الآخرين.
٦) تقييد العضوية أو الرغبة في عدم قبول عناصر جديدة فتصبح المنظمة حكراً على عدد معين(٥٥).

(٤) معوقات اقتصادية

يلعب العامل الاقتصادي دورا أساسيا في الحد من مشاركة الأفراد في العمل التطوعي، إذ إن ضعف الدخل الاقتصادي للأفراد يجعلهم ينصرفون عن أعمال التطوع إلى الأعمال التي تدر عليهم ربحا يساعدهم على قضاء حاجياتهم الأساسية.

فالبعد الإقتصادي إحدى العقبات الرئيسة في مجال تطوير العمل التطوعي وأهم تلك المعوقات هى :

١) عدم توفر المبالغ نتيجة عدم بذل الأموال أو إرسالها إلى خارج البلاد ودعم منظمات خيرية مشبوهة.

٢) فرض الضرائب والرسوم الجمركية على معدات وأجهزة وآليات المنظمات والهيئات التطوعية .

٣) عدم توفر المباني والتجهيزات الإدارية.

(٥) معوقات نفسية

١) عدم الإهتمام بمشكلات المتطوع الأسرية والإدارية لما لها من تأثير على العمل التطوعي.

٢) عدم الإهتمام بالنواحي التشجيعية .

٣) عدم التوازن في توزيع المهام ودخول عنصر المحاباة .

٤) عدم إتاحة الفرصة للشباب المتطوعين للتعبير عن رأيهم .

٥) عدم التقدير المناسب للجهد الذي يبذله الشباب.

(٦) معوقات إعلامية

ساهم غياب الدور الإعلامي عن التوعية بأهمية التطوع وبمؤسساته وبالأدوار التي يمكن أن يقدمها للمجتمع في قلة الإقبال على التطوع. وقد ساهمت المذكررة في عدم تفاعل وسائل الإعلام مع برامج التطوع. وقد ساعدت عدة عوامل على عدم اهتمام وسائل الإعلام بالعمل التطوعي لعل من أبرزها ما يلي:

١) عدم ترسخ ثقافة التطوع في المجتمع الإسلامي.

٢) قلة البرامج والفعاليات الخاصة بالتطوع مما يحد من تفاعل وسائل الإعلام.

٣) قلة مصادر المعلومات عن برامج التطوع ومجالاته، وتحسن إعدد المتطوعين وغيرها من المعلومات التي يمكن صياغتها على شكل مواد إخبارية إعلامية.(٥٦)

الخاتمة: تشمل على أهم النتائج والتوصيات

الحمد لله الذي وفقني لإتمام هذا البحث المتواضع، الذي من خلاله توصلت للنتائج والتوصيات التالية:

أولا: النتائج

١- اهتم الإسلام بفئة الشباب اهتماما بالغا لأنهم أمل الحاضر وأحلام المستقبل.

٢- الشباب يسهمون بدور فاعل في تشكيل ملامح الحاضر واستشراف آفاق المستقبل.

٣- لقد دلت النصوص الشرعية على مشروعية العمل التطوعي باعتباره من الأعمال الصالحة التي يتقرب بها العبد إلى الله عزوجل.

٤- تجلى التطبيق العملي لنصوص القرآن الكريم والأحاديث النبوية في نماذج رائعة من أعمال الخير والإحسان والبذل في تاريخنا الإسلامي.

٥- إن العمل التطوعي يعد من الأعمال الجليلة التي تظهر آثارها الإيجابية وثمراتها النافعة على الفرد والمجتمع.

٦- العمل التطوعي يشمل كل أوجه البر والإحسان والتحلي بمكارم الأخلاق وإعانة المحتاج والإحسان إلى الآخرين ومساعدة الفقراء والضعفاء.

٧- يتسع مجال العمل التطوعي كثيرا من المجالات (اى المجال الإجتماعي، مجال التعليم والتدريب والتأهيل، المجال الصحي والطبي، مجال الثقافة

الإسلامية، مجال الإغاثة، مجال الدفاع عن حقوق الإنسان، مجال الإعلام، مجال الحفاظ على البيئة) التي تخدم مسيرة العمل التطوعي الخيري.

٨- إن العمل التطوعي يختلف في حجمه وشكله واتجاهاته ودوافعه من مجتمع إلى آخر، ومن فترة زمنية إلى أخرى.

٩- من أهم أنواع المشاركة في العمل التطوعي المشاركة المعنوية والمشاركة المالية والمشاركة العضوية.

ثانيا: التوصيات والمقترحات

١- ضرورة تنشئة الشباب تنشئة اسلامية وغرس قيم الأخلاق الفاضلة في نفوسهم من التضحية والإيثار وروح العمل الجماعي.

٢- يجب تشجيع الشباب وذلك بإيجاد مشاريع خاصة بهم تهدف إلى تنمية روح الإنتماء والمبادرة لديهم.

٣- ضرورة تشجيع العمل التطوعي في فئة الشباب مهما كان حجمه أو شكله أو نوعه.

٤- من اللازم مراعاة الشباب وإشراكهم في مجالس الإدارة للجهات الخيرية وتشجيعهم والإهتمام بهم وتقديم كل المعونات ووضع برنامج امتيازات وحوافز لهم.

٥- ينبغي إعطاء الشاب الفرصة في تقديم البرامج والتخطيط للمشاريع وإشراكه في اتخاذ القرارات ودعوته للإجتماعات الدورية.

٦- يجب النظر في الجهات الخيرية التي تختص في المراءة وضرورة زيادتها وتفعيلها ودعوة الأخوات المتخصصات لدعم العمل التطوعي النسائي.

٧- يجب على الجهات الخيرية الإستفادة من طاقات الشباب وتوظيفها التوظيف الأمثل لخدمة الجهات الخيرية.

٨- ضرورة حث الجامعات ومراكز البحث العلمي على إجراء الدراسات والبحوث المتعلقة بالأعمال التطوعية.

٩- الإستفادة من الخبرات العالمية في مجال العمل الخيري التطوعي في كافة المجالات.

١٠- مطالبة وسائل الإعلام المختلفة المرئية والمقروءة والمسموعة بتوعية الشباب بماهية العمل التطوعي وحاجة المجتمع إليه ودوره في التنمية الشاملة.

١١- إنشاء صندوق للعمل التطوعي والمشاريع الخيرية يمول من الأوقاف والزكوات وغيرها.

١٢- ضرورة استخدام العمل التطوعي في المعالجة النفسية والصحية والسلوكية لبعض المتعاطين للمخدرات والمدمنين أو العاطلين أو المنحرفين اجتماعيا.

فأسأل الله سبحانه وتعالى أن أكون قد وفقت في ذلك واستغفره سبحانه عما وقع فيه من الخطأ والزلل، وصلى الله وسلم على نبينا محمد وعلى آله وصحابته أجمعين.

الهوامش والإحالات

١) ابن هشام، السيرة النبوية ، هجرة الرسول ﷺ، خروج النبي ﷺ واستخلافه عليا على فراشه، مؤسسة علوم القرآن، ص:٤٨٤/١

٢) ابن سعد، الطبقات الكبرى، مكتبة الخانجي، سنة النشر: ١٤٢١ هـ، ص:٦٦/١٩٠،٤/٢

٣) صحيح بخاري، دارالريان للتراث، ١٤٠٧هـ، رقم الحديث: ٤٧٠٠

٤) مسند أحمد، طبعة المكنز والمنهاج، رقم الحديث: ٢٤٩٣٩

٥) صحيح بخاري، رقم الحديث: ٩٦١

٦) سنن ابوداود، دار الرسالة العالمية، ١٤٣٠ هـ، رقم الحديث: ٤١٨

٧) ابن فارس، معجم مقاييس اللغة، تحقيق عبد السلام محمد هارون، الطبعة الأولى. دار الجيل بيروت ١٤٢٠هـ، ص:٤/ ١٤٦

٨) دكتور رضا عبد السلام، مبادئ الاقتصاد السياسي، دار الإسلام للطباعة والنشر، ٢٠٠٢، ص: ٣٠٨

٩) ابن فارس، معجم مقاييس اللغة، تحقيق عبد السلام محمد هارون، الطبعة الأولى. دار الجيل بيروت، ص:٤٣١/٣، وابن منظور، لسان العرب، دار صادر بيروت، ص:٢٤٣/٨

١٠) معجم لغة الفقهاء،ص:٤٧٧،٢٤/١ . الجرجاني، التعريفات، بتحقيق نصر الدين تونس، شركة القدس للتصدير. الطبعة الأولى ٢٠٠٧ م، ص:١٩/١

١١) فهمي سليم الغزوي وآخرون، المدخل الى علم الاجتماع، دار الشروق عمان، ١٩٨٤، ص: ٩٣

١٢) الخطيب عبد الله، دور العمل التطوعي في تحقيق السلام والأمن الاجتماعيين، ورقة عمل مقدمة إلى مؤتمر العمل التطوعي والأمن في الوطن العربي، أكاديمية نايف العربية للعلوم الأمنية١٤٢١هـ، ص:٣٢

١٣) سورة البقرة: ١٥٨

١٤) الثعالبي عبد الرحمن بن محمد بن مخلوف،الجواهر الحسان في تفسير القرآن، مؤسسة الأعلمي للمطبوعات بيروت،ص:١/٣٤٤

١٥) البغوي الحسين بن مسعود، معالم التنزيل، طبعة: دار الزهراء ودار المعرفة، بيروت، لبنان، الطبعة الخامسة لسنة ١٤٢٣ هـ ،ص:١/١٣٣

١٦) سورة الحج: ٧٧

١٧) سورة الضحى: ٩ , ١٠

١٨) سورة الليل ٥ , ٧

١٩) صحيح مسلم، طبعة دار السلام،رقم الحديث ٤٨٦٧

٢٠) النووي أبو زكريا يحيى بن شرف، المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الطبعة الثانية، ١٣٩٢هـ،ص:٩/٢٠

٢١) الطبراني، المعجم الأوسط، مكتبة ابن تيمية أم إحياء التراث،ص:٧/٢٧٠

٢٢) صحيح بخاري رقم الحديث: ٢٧٦٧، صحيح مسلم رقم الحديث: ١٦٧٧

٢٣) صحيح بخاري رقم الحديث: ٤٩٣٤

٢٤) صحيح بخاري رقم الحديث: ٢١٥٢

٢٥) صحيح بخاري رقم الحديث: ٥٥٤٦

٢٦) صحيح بخاري رقم الحديث: ٢٢١٤

٢٧) ابن هشام، السيرة النبوية، هجرة الرسول ﷺ، المؤاخاة بين المهاجرين والأنصار، ص:١/٥٠٥

٢٨) سنن الترمذي، كتاب المناقب عن رسول الله ﷺباب في مناقب أبي بكر وعمر رضي الله عنهما، رقم الحديث ٣٨٢٩

٢٩) ابن كثير أبو الفداء إسماعيل بن عمر،السيرة النبوية، دار المعرفة للطباعة والنشر والتوزيع بيروت ١٣٩٥ هـ، ص: ٤/ ٦

٣٠) الطبراني، المعجم الكبير،ص:١/١٢٩،

٣١) ابن عساكر، تاريخ مدينة دمشق، دار الفكر،رقم الحديث: ٣١٠٨٩

٣٢) مسند أحمد،رقم الحديث: ١٨٤٦٣ وصححه الألباني في السلسلة الصحيحة، مكتبة المعارف ١٤١٥ هـ، ص:٤٤

٣٣) ابن الأثير عز الدين علي بن محمد الجزري، أسد الغابة في معرفة الصحابة، دار ابن حزم،ص:٢/ ٣٣١

٣٤) مسند أحمد، رقم الحديث: ٢٤٣٠٢

٣٥) قَالَ أَهْل اللُّغَة : يُقَال:فُلَان طَوِيل الْيَد، وَطَوِيل الْبَاع، إِذَا كَانَ سَمْحًا جَوَادًا، وَضِدّه قَصِير الْيَد وَالْبَاع.شرح النووي على مسلم، ص:٨/٢٠٧

٣٦) صحيح مسلم،رقم الحديث: ٤٤٩٠

٣٧) صحيح بخاري،رقم الحديث: ٣٦١٧

٣٨) صحيح مسلم،رقم الحديث: ٣٣٨٠

٣٩) صحيح بخاري،رقم الحديث: ٢٦٦٧

٤٠) صحيح مسلم،رقم الحديث: ٣٣٧٥

٤١) صحيح بخاري،رقم الحديث: ٤١٥٣

٤٢) ابن سعد،الطبقات الكبرى، الطبعة المصرية بتحقيق الدكتور حمزة النشرتى والدكتور عبد الحميد مصطفى والشيخ عبد الحفيظ فرغلى، ص:٨/٩٥

٤٣) سورة المائدة :٢

٤٤) صحيح بخاري،رقم الحديث: ٢٧٠٧

٤٥) سنن ابن ماجه، دار الفكر بيروت بتحقيق محمد فؤاد عبد الباقي،رقم الحديث ٢٣٩

٤٦) صحيح مسلم،رقم الحديث ١٦٧٣

٤٧) الدكتورة نورة العنزي، العمل التطوعي، رسالة ماجستير،ص:٦٥

٤٨) شيخ الإسلام ابن تيمية، العبودية، دار ابن الجوزي السعودية،ص:١

٤٩) صحيح مسلم،رقم الحديث ٤٦٧٧

٥٠) العمل التطوعي،ص:٧٩

٥١) سورة الإسراء :٧٠

٥٢) سورة الحجرات: ١٥

٥٣) الشبيكي، الجهود النسائية التطوعية في مجالات الرعاية الإجتماعية بالمملكة العربية السعودية،١٩٩٢،ص:٣٥

٥٤) Roker and others,p:41,1999

٥٥) أيمن يعقوب وعبد الله السلمي، التعرف علي ثقافة التطوع وأخلاقيات العمل التطوعي، الرياض، ٢٠٠٥م،ص:٥٥

٥٦) الدكتور راشد بن سعد الباز الشباب والعمل التطوعي (دراسة ميدانية على طلاب المرحلة الجامعية في مدينة الرياض) مركز البحوث والدراسات بكلية الملك فهد الأمنية، ١٤٢٢هـ، ص:١١

****

الإمام ضياء المقدسي ومنهجه في كتابه "الأحاديث المختارة"

Imam Zia ul Maqdasi and his approach towards "Ahadith Sahiha" in his book "Al-Ahadith ul Mukhtara"

ساجد محمود*
د- محمد رياض**

ABSTRACT

Different scholars have compiled the books which contain a large numbers of authentic Ahadith (Ahadith Sahiha), to achieve this purpose, they introduced different hadith sciences to distinguish between the true and the fabricated hadith. The authentic Sunnah is contained within the vast body of Hadith literature. One of them is Imam Zia ul Maqdasi.

Imam Zia Uddin Muhammad bin Abdul Wahid Maqdasi's book "Al Ahadith al Makhtara" is one of the best books of its kind. Many Islamic scholars have declared it better than Imam Hakim's book Al Mustadrak. Allama Iraqi, one of his contemporaries said that the Ahadith given in his book Al Ahadith al Makhtara were not ascertained to be authentic before.

Only those Ahadith have been given in this book whose asaneed are correct but they have not been reported by Imam Bukhari and Imam Muslim. Also, one of the strengths of this book is that it reflects the glimpses of Muajam. Imam Maqdasi wrote this book in the manner of Masaneed that is to say that he mentioned the name of the companion of the Holy Prophet (SAW) and then reported his traditions. Sometimes he also indicates the factors responsible for the interruption in the authenticity of Ahadith. But, sadly, Imam Maqdasi passed away and could not complete this great book.

In this article I will discuss the Imam Zia ul Maqdasi approach towards "Ahadith Sahiha" in his book Al Ahadith ul Mukhtara.

Keywords: *Fundamental sources, Imam Zia ul Maqdasi, fabricated hadith, Ahadith Sahiha, Al Ahadith ul Mukhtara.*

---

* المحاضر بقسم الدراسات الاسلامية بجامعة هزاره، مانسهره

** الأستاذ المساعد بقسم الدراسات الإسلامية بجامعة هزاره، مانسهره

إسمه ونسبه:

محمد بن عبد الواحد بن أحمد بن عبد الرحمن المقدسي ثم الصالحي نسبة إلى الصالحية قرية بجوار دمشق، ولذلك يُقال له أيضًا الدمشقي أبوعبد الله ضياء الدين الحنبلي، ولذلك يُقال له الضياء، لأن لقبه ضياء الدين[1].

مولده: وُلد سنة تسع وستين وخمسمائة من الهجرة،[2].

شيوخه:

عبد الغني بن عبد الواحج المقدسي صاحب كتاب " الكمال في أسماء الرجال "، وابن الجوزي أبو الفرج بن الجوزي الإمام المعروف، وأبوالمظفر بن السمعاني وهو حفيد أو ابن صاحب الأنساب، وحفيد صاحب قواطع الأدلة، فعائلة السمعاني أو آل السمعاني عائلة علم تداولتن العلم أبًا عن جد[3].

تلاميذه:

تتلمذ عليه عدد كبير من العلماء من أشهرهم.

أبو بكر بن نقطة صاحب كتاب التقييد لمعرفة السنن والمسانيد، وصاحب كتاب " تكملة الإكمال "،وأيضًا من مشاهير تلامذته: ابن النجار صاحب " ذيل تاريخ بغداد " الشهير[4].

رحلاته للعلم:

له رحلة واسعة في خرسان مكث فيها سنين، يعني رحل من دمشق إلى خرسان ومكث فيها سنين، وسمع بمرو ونيسابور وأصبهان وهاره وغيرها من بلدان خرسان، ودخل العراق، فدخل بغداد والموصل وحرَّان وغيرها من البلدان البغدادية، وامتدت رحلته إلى مصر فسمع أيضًا بمصر من جماعة من العلماء والشيوخ فيها، والحجاز وهو من أهل الشام فسمع أيضًا من العلماء بالشام في دمشق وحلب وبيت المقدس وغيرها من البلدان.

ثناء العلماء عليه:

قال الحافظ محب الدين ابن النجار في تاريخه: كتبت عنه ببغداد ونيسابور ودمشق، وهو حافظ متقن ثبت صدوق نبيل حجة عالمبالحديث وأحوال الرجال، له مجموعات وتخريجات، وهو ورع تقي زاهد عابد محتاط في أكل الحلال، مجاهد في سبيل الله ولعمري ما رأت عيناي مثله في نزاهته وعفته وحسن طريقته في طلب العلم [٥].

وقال عمر بن الحاجب: شيخنا الضياء شيخ وقته ونسيج وحده علما وحفظا وثقة ودينا من العلماء الربانيين، وهو أكبر من أن يدل عليه مثلي [٦].وقال الذهبي: الشيخ الامام الحافظ القدوة المحقق المجود الحجة بقية السلف [٧].

مؤلفاته:

مصنفات كثيرة طُبع منها شيء كثير، منها: كتاب " أحاديث الأحكام " ومنها كتاب " النهي عن سب الأصحاب ". وكتاب " صفة النار " وكتاب " المرض والكفارات "وغيرها من الكتب وله كتاب في ترجمة أحد أبناء عمومته وهو: عبد الغني بن عبد الواحد المقدسي وهو شيخه، مطبوع، كتب كثيرة ومتعددة طُبعت لهذا الإمام، من أشهرها كتابه '' المختارة '' [٨].

اتباع السنن واجتناب البدع، المؤلف: ضياء الدين أبو عبد الله محمد بن عبد الواحد المقدسي (ت: ٦٤٣هـ)، الناشر: (جامع التراث).

الجامع لمفردات الأدوية والأغذية، المؤلف: ضياء الدين أبي محمد عبد اله بن أحمد الأندلسي المالقي المعروف بابن البيطار، الناشر: دار الكتب العلمية ، بيروت/لبنان ١٤٢٢هـ-٢٠٠١م، ط: لا يوجد، تحقيق: لا يوجد(جامع التراث).

جزء الأوهام في المشايخ النبل، المؤلف: الحافظ ضياء الدين محمد بن عبد الواحد المقدسي، الناشر: دار البخاري – المدينة – السعودية – ١٤١٣هـ – ١٩٩٢م، ط: الأولى، تحقيق: بدر بن محمد العماش(جامع التراث).

وفاته:

وتُوفيَ سنة ثلاثة وأربعين وستمائة من الهجرة، وابتدأ السماع وله ثمان سنوات سنة ست وسبعين وخمسمائة من الهجرة[٩].

خلاصة الكلام:

هوالإمام الحجة ضياء أبوعبد الله محمد بن عبد الواحد المقدسي الصالحي الحنبلي: حافظ متقن ثبت ثقة عالم بالحديث وأحوال الرجال، له مؤلفات وتخريجات كثيرة من أشهرا " الأحاديث المختارة " ولم تكمل، وكان أعلم أهل عصره بالحديث والرجال: توفي سنة (٦٤٣هـ)[١٠] .

المطلب الثاني: منهج الإمام المقدسي في كتابه

اسم الكتاب على الراجح والصحيح:

الأحاديث الجياد المختارة مما ليس في الصحيحين أو أحدهما، [١١].

وقيل: الأحاديث الجياد المختارة مما لم يخرجه البخاري ومسلم في صحيحيهما، فابتدأ بتصنيف هذا الكتاب في أواخر عمره حيث إن أول سماع عليه كان سنة اثنتين وثلاثين وستمائة من الهجرة ، يعني قبل وفاته بأحد عشر سنة ، لأنه تُوفيَ سنة ستمائة وثلاثة وأربعين كما سبق ، وهذا الإملاء هو أول إملائه لهذا الكتاب سنة ستمائة واثنين وثلاثين [١٢].

قال عبد الله الجديع: كتاب متأخر التصنيف لتأخر وفاة مؤلفه، عمدته فيما خرجه فيه على تخريج الحديث بأسانيده إلى أصحاب المصنفات، كمسند أبي

يعلي ومعاجم الطبراني وغيرها، وهو مرتب على مسانيد الصحابة، ولم يكمله . وخطته فيه بينها في صدره بقوله: " هذه أحاديث اخترتها مما ليس في البخاري ومسلم، إلا أنني ربما ذكرت بعض ما أورده البخاري تعليقاً، وربما ذكرنا أحاديث بأسانيد جياد لها علة، فنذكر بيان علتها حتى يعرف ذلك" (١٣).

وهو فيه أشد احتياطاً من الحاكم، ولذا قدمه طائفة من متأخري العلماء على " المستدرك " للحاكم .

ترتيبه:

هو الكتب الوحيد الذي من كتب الصحاح الذي رُتِّب على المسانيد، كل كتب الصحاح السابقة رُتِّبت على الكتب والأبواب حسب الموضوعات، إلا كتاب الضياء فإنه مرتب على المسانيد، يعني يسمي كل صحابي ويذكر اسمه أو تحت اسمه الأحاديث التي رواها ،وأيضًا هو فوق كونه من كتب المسانيد، فإنه يصح أن يوصف أيضًا أنه من كتب المعاجم لأنه رتَّب أسماء الصحابة على حروف المعجم، فقط اختل هذا الترتيب عنده عندما ابتدأ بالعشرة المبشرين بالجنة، فابتدأ بالصحابة العشرة المبشرين بالجنة حسب ترتيب الخلفاء المعروفين، ثم ببقية العشرة، ثم ساق بعد ذلك بقية الصحابة مرتبين على حروف المعجم، إلا أن المؤلف تُوفِيَ ولم يتم الكتاب، وصل إلى مسند عبد الله بن عمر فيما قيل، وتُوفِيَ ولم يتم هذا الكتاب، وللأسف الشديد فإن هذه القطعة التي ألَّفها المؤلف لم تصل إلينا أيضًا كاملة، وصلت إلينا مجلدات متعددة منها، لكنها لا تشمل كل ما ألَّفه المؤلف(١٤).

طريقته في ترتيب كل مسند:

أيضًا فيها شيء من الدقة حيث يرتب مسندكل صحابي حسب الرواة عنه، فينظر في كل مسند صحابي ويرتب الرواة عن هذا الصحابي حسب حروف المعجم،

وهو بذلك يشبه كتب الأطراف من هذه الجهة ويمتاز عليها بأنه يسوق المتن والإسناد كاملًا.

لم يختل هذا الترتيب إلا في مسند أبي بكر أول مسند فإنه رتبه أو رتب الرواة عن أبي بكر حسب الأفضلية، لا حسب حروف المعجم، فابتدأ بما رواه عمر بن الخطاب عن أبي بكر، ثم ببقية الصحابة، ثم ببقية مشاهير التابعين وهكذا، فعموم الكتاب مرتب على المسانيد وفي مسند كل صحابي رُتِّب على التابعون أو الرواة عنه على حروف المعجم إلا في مسند أبي بكر كما سبق(١٥).

مكانة هذا الكتاب:

يقول إبراهيم الصارفيني عن كتاب "المختارة" للضياء المقدسي شرطه فيه خير من شرط الحاكم(١٦).

وقال ابن تيمية: "رواه أبو عبد الله محمد بن عبد الواحد المقدسي الحافظ فيما اختاره من الأحاديث الجياد الزائدة على الصحيحين، وشرطه فيه أحسن من شرط الحاكم في صحيحه" (١٧).

وقال _أيضاً_: "أخرجه أبو عبد الله المقدسى فى كتابه المختارة، الذى هو أصح من صحيح الحاكم"(١٨).

وقال ابن القيم: "رواه الحافظ أبو عبدالله محمد بن عبد الواحد المقدسي في مختاراته التي هي أصح من صحيح الحاكم"(١٩).

وقال ابن كثير في اختصار علوم الحديث: "وقد جمع الشيخ ضياء الدين محمد بن عبد الواحد المقدسي في ذلك كتاباً، سماه: المختارة، ولم يتم، كان بعض الحفاظ من مشايخنا يرجحه على مستدرك الحاكم (٢٠).

وقال العراقي: وممن صحح _أيضاً_ من المعاصرين له: الحافظ ضياء الدين محمد بن عبد الواحد المقدسي، فجمع كتاباً، سماه: المختارة، التزم فيه الصحة، فصحح فيه أحاديث لم يسبق إلى تصحيحها فيما أعلم[٢١].

وقال طاهر الجزائري: من مظان الصحيح: المختارة للحافظ ضياء الدين المقدسي، وهو أحسن من المستدرك[٢٢].

وتقديم الضياء على الحاكم خاصة هو قول جماعة من أهل العلم.

ويقول الزركشي في النكت: إن تصحيحه أعلى مزية من تصحيح الحاكم، وإنه قريب من تصحيح الترمذي، وابن حبان، وهو بذلك ارفع منزلة من المنزلة التي وضعه فيها شيخ الإسلام ابن تيمية.

قال عبدالله الجديع:

ولا يصلح أن يطلق عليه وصف الصحة، إنما فيه الصحيح الغالب، كما يوجد الصحيح الغالب في كتب السنن المعروفة، غير أنه يمتاز بكون ما فيه من الصحيح فهو مما يزيد على البخاري ومسلم[٢٣].

شرطه في هذا الكتاب:

للكتاب مقدمة مختصرة جدًا، لكنها تنبئ عن مضمونه حيث ذكر في هذه المقدمة أنه.....

القسم الأول:

سيخرج أحاديث لم يخرجها البخاري ومسلم، يعني أحاديث صحيحة أسانيدها صحيحة لم يخرجها البخاري ولا مسلم، فهو من كتب المستدركات، يُعتبركالمستدرك على الصحيحين للحاكم لأنه اشترط فيه ألا يخرج إلا الأحاديث التي لم يخرجها البخاري ومسلم.

ثم قال بعد أن ذكر هذا الأمر قال: لكنه سيخرج أحاديث بأسانيد جياد ولها علل ليبين علتها، يقول: سأذكر في هذا الكتاب مع الأحاديث التي أسانيدها صحيحة أحاديث أخرى فيها أسانيدها ظاهرها الجودة والصحة إلا أن لها علل خفية تقدح في صحة تلك الأحاديث، وقد صار على هذا المنهج بالفعل في كتابه، فربما أورد الحديث وتكلم عن صحته كأن يصححه صراحة، أو ينقل تصحيح بعض أهل العلم له كتصحيح الترمذي أو ابن خزيمة أو ابن حبان وهو كثير النقل عن هؤلاء العلماء، وبالطبع لن ينقل عن البخاري ومسلم لأنه اشترط ألا يذكر حديثًا في البخاري ومسلم، فتصحيحاته التي ينقلها غالبًا تكون مأخوذة عن غير أو لا تكون مأخوذة عن البخاري ومسلم، وإنما تكون مأخوذة عن الترمذي، وعن ابن خزيمة وعن ابن حبان وربما عن الحاكم، لكن لا ينقل عن الشيخين شيء لأن مستدرك على الصحيحين.

فإذا كان في الحديث علة، اختلاف، قد تكون هذه العلة أو ذلك الاختلاف يقدح في صحة الحديث، وقد لا يقدح في صحته، فهو يعرض لذلك في كتابه، ويبينه، وكثيرًا ما يعتمد على العلماء السابقين في ذلك كالدارقطني فينقل كلام الدارقطني كاملًا في كتابه، إذا أعلَّ الدارقطني هذا الحديث في كتابه ''العلل'' ينقل كلام الدارقطني كاملًا وترجيحه، ومما يدل على إمامة هذا العالِم أنه وإن كان يوافق الدارقطني وغيره من أهل العلم في كثير من الأحيان بل في أغلب الأحيان إلا أنه لربما خالف تعليل الدارقطني ورجح غير ترجيح الدارقطني في حكمه على الحديث بالصواب أو الخطأ، وهذا يدل على إمامة هذا العالِم، وأنه كان يرى من نفسه الأهلية في مخالفة مثل الدارقطني عليه رحمة الله.

لكني أتوقف عند هذا الشرط الذي ذكره، وهو أنه سيخرج أحاديث أسانيدها جياد، وإن كانت مُعلَّة، يعني معنى كلامه أنه سيستوعب كل الأحاديث

التي ظاهرها الصحة، سواء أكانت أو سواء وقف على علة فيها، أو لم يقف على علة فيها، هذا المنحى وهو أنه سيخرج كل ما يعرفه من الأحاديث التي أسانيدها جياد مما لم يخرجه البخاري ومسلم حتى، ولو كانت فيها علة هذا فيه إشارة واضحة إلى أن الضياء المقدسي....

معتمد في حكمه على الحديث على أمرين[٢٤]:

الأمر الأول: على دراسة ظاهر السند.

الأمر الثاني: على من سبقه من الأئمة النقاد الذين حكموا على هذا الحديث، فإن سبقه أحد في الحكم عليه بالصحة ولم يُعِلَّه أحد، ولم يخالفه أحد فهذا لاشك مرتبة عليا من أحاديث " المختارة " أن يخرجها الضياء ولا نجد أحدًا من أهل العلم قد انتقد هذا الحديث، بل قد نجد أن الضياء قد ذكر بعض النقاد ممن صححوا هذا الحديث كالترمذي وابن خزيمة وابن حبان كما سبق [٢٥].

المرتبة الثانية أوالقسم الثاني:

وهو الأحاديث التي أخرجها الضياء في''المختارة'' ونقل تعليل بعض أهل العلم لها، وربما أيَّد أنها مُعلَّة وأنها لا تصح، وهذا يشير إلى أن جهد الضياء منصب في جهة جمع هذه الأحاديث أولًا ثم في دراسة أسانيدها والحكم عليها حسب أسانيدها، ثم في معرفة أحكام الأئمة السابقين حولها، وهنا يظهر في الحقيقة الفرق بين تصحيحات أمثال الضياء ومن في زمنه ومن جاء بعد زمنه، وتصحيحات أمثال البخاري ومسلم والترمذي وابن حبان وابن خزيمة ممن كانوا يحكمون على الحديث بإسناده ومتنه فيقطعون بصحة الحديث لصحة إسناده ولخلوه من العلل القادحة ومنهج الضياء الذي يكتفي فيه بالحكم على ظاهر السند، وهذا هو ما جعله يخرج الأحاديث التي أسانيدها جياد وإن كانت فيها علل قادحة، لأنها كأنه يقول مادام أنا شَرْطِي إخراج الأحاديث التي أسانيدها جياد، فيلزمني أن أذكر الكل، سواء

وقفت على علة قادحة فيه أو لم أقف على علة قادحة فيه، لأن عدم وقوفي على علة قادحة في الأحاديث التي أوردتها في الكتاب لا يدل على عدم وجود علة فيها، لأنه لم يدع نفسه، ولا يدعي المتأخرون نفسهم أنهم قادرون على نفي وجود العلل الباطنة في الأسانيد الصحيحة، ولذلك التزم ذكر كل الأحاديث التي أسانيدها جياد سواء أكانت ظاهرها الصحة وباطنها كذلك، أو كان ظاهرها الصحة وباطنها بخلاف ذلك، فتكون فيها علة قادحة تقدح في صحة الحديث، وهذا فارق كبير بين تصحيح الضياء وتصحيح من سبقه من أهل العلم.

فإن قيل كيف قُدِّم الضياء على " المستدرك " ؟

فنقول: لأن أغلب انتقادات العلماء على أحاديث ''المستدرك'' هو من قِبَلِ علله الظاهرة، قَبل العلل الباطنة، هناك الأحاديث المنتقدة على الحاكم في الغالب أن فيها رجالًا ضعفاء أو متروكين أو متهمين، أو من جهة كون الإسناد فيه انقطاع ظاهر واضح فأغلب الانتقادات التي على مستدرك الحاكم راجعة إلى هذين الأمرين، فلما كان الانتقاد راجع إلى انتقاد العلل الظاهرة، والأسباب الظاهرة في رد الحديث ووجدوا أن كتاب الضياء أنقى من كتاب الحاكم من هذه الجهة رجحوا كتاب الضياء على كتاب الحاكم، وهو لا شك كذلك، لكن لا يعني ذلك أن كتاب الضياء خالٍ من الأحاديث التي يصححها وهي في الراجح ضعيفة، بل مرتبته في ذلك كما سبق مرتبة تكاد تكون الأخيرة قبل الحاكم، فهو آخر من اشترط الصحة في المرتبة قبل كتاب الحاكم فالحاكم بعده، وأضف إلى ذلك أنه يوجد فيه أحاديث محكوم عليها بالضعف وبشدة الضعف، بل بالوضع، وذكر بعضًا منها السيوطي في تعقباته على ابن الجوزي في الكتاب الذي ذكرناه مرات متعددة، فيبقى أن أحكام الضياء متناولة لظاهر السند بخلاف أحكام الأئمة السابقين، ولها مكانة ولا شك، وهي معتمدة إلا أن يظهر لنا خلاف قوله، كما ذكرنا في غيره من أهل

العلم، فندرس فربما وافقنا الضياء في حكمه، ولربما خالفناه، لكننا إذا وافقناه في حكمه فإن موافقتنا له في الحكم تزيدنا اطمئنانًا على صواب ما وصلنا إليه لأننا قد ثُبتنا من إمام عالِم حافظ كالضياء المقدسي بتصحيحه لذ لك الحديث، وهذا يزيدنا ثقة في النتيجة التي توصلنا إليها من تصحيح الحديث.

مزايا كتاب الضياء المقدسي:

من مزايا هذا الكتاب في الحقيقة سوى قضية التصحيح أنه حفظ لنا أسانيد كتب كثيرة منها ما هو مفقود، ومنها ما هو موجود لكنَّ نسخه فيها أخطاء وأوهام، فيأتي نقل الضياء من هذه الكتب ليصحح لنا تلك الأوهام والأخطاء، وقد اعتمد على مصادر كثيرة، وخاصةً كتب المسانيد، اعتمد كثيرًا على كتب المسانيد المرتبة على أسماء الصحابة، وسبب عنايته لكتب المسانيد ما هو؟ لما اعتنى بكتب المسانيد أكثر من كتب المرتبة على الأبواب كالسنن والجوامع؟

لأن كتابه مُرتَّب على المسانيد، فكأنه وضع هذه المسانيد بين يديه مسند أحمد والمسانيد الآتي ذكرها، فصار يدرس الأسانيد أي إسناد منها يجده صحيح ليس مخرجًا في الصحيحين يودعه في كتابه، وهذا ولا شك أسهل له من أن ينتقل إلى كتب الأبواب ويرتب ترتيب جديد، يخرج هذه الأحاديث من الباب، ويبحث عن مسنده ثم يضعه فيه كل ما في الأمر كل الذي يحتاجه يأتي إلى مسند أبي بكر فينظر في كل هذه المسانيد، ويخلِّص ما فيها من الأسانيد الصحيحة الغير مُخرَّجة في البخاري ومسلم فيودعها في كتابه، لذلك نجد كثيرًا من طرقه ترجع إلى أحد المسانيد المشهورة، يعني يروي بإسناد من طريق أحمد أو من طريق غيره ممن ألَّف المسانيد [٢٦].

ومن أشهر الكتب أو من أكثر الكتب التي رجع إليها:

كتاب مسند الإمام أحمد، ولا شك فهو موسوعة ضخمة، وله جلالة ومؤلفه هو إمام مذهب المعروف، ولا ننسى أن الضياء حنبلي المذهب، فعنايته

لمسند الإمام أحمد لا تُستغرب بعد ذلك، لذلك كثير من أحاديث كتابه ترجع إلى مسند الإمام أحمد.

أيضًا من المسانيد التي اعتنى بها: مسند أبي يعلى الموصلي، ولمسند أبي يعلى الموصلي روايتان:

المسند الكبير والمسند الصغير.

المطبوع هو المسند الصغير.

يمتاز كتاب الضياء أنه نقل كثيرًا من النسخة الأخرى وهي المسند الكبير والذي حتى الآن لم يُطبع ولا يُعرف عن مكان وجوده شيء.

من المسانيد التي اعتنى بها أيضًا، ونقل منها كثيرًا: مسند أحمد بن منيع وهو من شيوخ أصحاب الكتب الستة مسند أحمد بن منيع.

وأيضًا من المسانيد التي أكثر النقل عنها: مسند الهيثمي بن كُلَيب الشاشي.بالنسبة لمسند أحمد بن منيع كتاب مفقود لا توجد منه إلا زوائده في بعض كتب الزوائد، ومسند الهيثمي بن كُليب طُبع منه ثلاثة مجلدات وباقيه مفقود، فيأتي كتاب الضياء ليبقي لنا جزءً كبيرًا وافرًا من هذا المسند الذي فقدنا قطعةً كبيرةً منه(٢٧).

من المصنفات التي اعتنى بها:

مصنفات أبي نعيم الأصبهاني عمومًا مصنفات أبي نعيم الأصبهاني، والظاهر أن سبب عنايته بمصنفات أبي نعيم أنه لما رحل إلى أصبهان سمع مؤلفات أبي نعيم بإسناد عالٍ جدًا، ولذلك كان يحرص أن يخرج الأحاديث من طريق أبي نعيم لعلو إسنادها، وقد ذكرنا سابقًا حرص المحدِّثين على إخراج الحديث العالي، وأبو نعيم الأصبهاني له مصنفات كثيرة مثل ؟ ما هي مصنفات أبي نعيم ؟

حلية الأولياء وطبقات الأصفياء وهو من أشهر كتبه – دلائل النبوة – معرفة الصحابة، هذه من أشهر كتبها وأكبرها – أيضًا له كتب كثيرة جدًا:

كتاب " صفة الجنة " وكتاب "الإمامة" وكتاب "رياضة الأبدان" وغيرها من الكتب، وكتاب "الشعراء" وغيرها من الكتب، و"المستَخرَج على صحيح البخاري وعلى صحيح مسلم" لكنه لن يخرج من المستَخرَجيَن لأن الأحاديث الموجودة فيهما ستكون على شرط البخاري أو موجودة في البخاري ومسلم، ففي الغالب لن يخرج إلا إذا كان قد أخرج أحاديث زوائد في هذه المستخرجات على الصحيحين فقد يخرجها الضياء المقدسي في كتابه ''المختارة'' .

اعتنى أيضًا بذكر بعد أن يخرج الأحاديث من هذه الطرق التي ربما كانت أقل شهرة من غيرها يبين منن خرَّج الحديث من أصحاب الكتب المشهورة، فبعد أن يخرجه من طريق أحمد يقول مثلًا: أخرجها أبو داود من طريق فلان عن فلان، وأخرجها النسائي من طريق فلان عن فلان، فيبين من خرَّج هذا الحديث، ويعتبر الكتاب أيضًا يصلح أن يكون من كتب التخريج، فإنه يذكر الحديث ومن خرَّجه، ثم يعقب ذلك أيضًا ببيان من صحح الحديث أو ضعفه، أحكام العلماء فيه كما ذكرنا سابقًا، فيذكر إن كان صححه الترمذي أو حسنه، أو صحح ابن خزيمة أو ابن حبان أو تكلم فيه الدارقطني أو غيرهم من أهل العلم، وله في ذلك عناية بالغة جدًا كما سبق، وكما تقدَّم هو بذلك يمكن أن يعين على تصحيح أخطاء مطبعية وتصحيفات واردة في مطبوعات هذه الكتب التي في كثير من الأحيان نجد فيها أخطاء يصعب حلها إلا بالرجوع لمثل كتاب الضياء المقدسي من الكتب المتأخرة التي نقلت عنها[٢٨].

من جهود العلماء حول هذا الكتاب أوقبل ذلك:

نشير إلى أن هذا الكتاب أو إلى أن الضياء المقدسي قد صرف في كتابه بإعلال الأحاديث بأوجه مختلفة فمثلًا أعلَّ فيه بعض المواطن بالزيادة أو النقص، فهو لا يقبل الزيادة مطلقًا، بل ربما يرد الزيادة، لا كما نُقل عن بعض الباحثين أن المتأخرين يتساهلون في قبول الزيادة فقد وجدنا أو ربما أطلق بعضهم القول: بأنهم يقبلون الزيادة مطلقًا فقد وجدنا الضياء يرد بعض الزيادات كما أنه يُعل بالاختلاف بالوقف والرفع، فإذا اختلف الرواة في الحديث هل هو موقوف أو مرفوع يُعلُّه بالوقف والرفع، ولذلك أمثلة، وبالوصل والإرسال، وبإبدال راوٍ براوٍ آخر، كما أنه يُعل بالانقطاع الظاهر والخفي ويُعل بعدم الضبط، فهو سارٍ في طريقة حكمه على الأسانيد على الطريقة المعروفة التي لا يُخالف فيها أحد، وقد نثر في كتابه قواعد جيدة، فمثلًا: اعتمد في موطن لتوثيق راوٍ من الرواة بمجرد إخراج أصحاب الصحيح، يعني جاء لراوٍ من الرواة لم يجد فيه جرحًا ولا تعديلًا فوثقه لمجرد أن أصحاب الصحيح أخرجوا له، وهذا في المجلد الرابع، صفحة ثلاثة وسبعين.

وأيضًا:

اعتمد التوثيق الضمني من مثال اعتماده لرواية الراوي الذي لا يروي إلى عن ثقة، إذا كان في هناك راوي أو عالِم أو حافظ معروف أنه لا يروي إلا عن ثقة يعتمد ذلك في الحكم على الراوي بأنه ثقة، ولو لم يقف لذلك الراوي على جرح أو تعديل.

يعني مثلًا: عبد الرحمن بن مهدي معروف أنه لا يروي إلا عن ثقة، فإذا روى عن رجل حتى لو لم نجد فيه جرحًا أو تعديلًا فإنا نعتبره بذلك ثقةً عند عبد الرحمن بن مهدي لأنه لا يروي إلا عن ثقة عنده أو عن مقبول عنده، فهو يعتمد هذه الطريقة في قبول الرواة.

كما أنه صرح في موطن بتقديم التعديل على الجرح المبهم، وهذا يحتاج إلى دراسة.أن هناك أحاديث مُتَعَقبَة على كتابه، هناك منها واحد وخمسين حديث ذكرها المناوي في ''فيض القدير'' أو انتقدها المناوي في ''فيض القدير'' وهو كتاب في شرح الجامع الصغير للسيوطي.

وهناك أحاديث أخرى ذكرها السيوطي كما ذكر في تعقباته على الموضوعات [٢٩].

من جهود العلماء حول الكتاب هذا:

أولًا: أكمله أحد علماء الحنابلة وهو: محمد بن المحب الصامت، المتوفى سنة تسع وثمانين وسبعمائة من الهجرة، ألم نقل بأن الضياء توقف عند مسند عبد الله بن عمر، فجاء هذا العالِم وحاول أن يُكمِل هذا الكتاب، فيرتب بقية الصحابة على حروف المعجم، ويتمم خطة الكتاب، طبعًا هذه التكملة لا نعرف عن مكان وجودها الآن شيئًا.

أيضًا من جهود العلماء حول هذا الكتاب:

أن الذهبي اختصره في كتاب سمَّاه ''المنتقى من المختارة'' وسبق أن ذكرنا أن الذهبي له اختصارات كثيرة لكتب السنة منها: اختصاره لكتاب ''المختارة'' للضياء المقدسي[٣٠].

أيضًا من عنايتهم به:

تأليف في أطرافه، يعني ترتيبه على الأطراف، وقد ألَّف الحافظ كتاب ''الإنارة في أطراف المختارة'' لكن هذا الكتاب من كتب الحافظ بن حجر المفقودة التي لا يُعرف عن مكان وجودها شيء.

هناك رسالة دكتوراه بجامعة أم القرى بعنوان "الضياء وكتابه المختارة" أو "الضياء المقدسي وجهوده في علم الحديث" لإحدى الباحثات في جامعة أم القرى، وقد نوقشت الرسالة من سنوات [٣١].

الهوامش والإحالات

١) تذكرة الحفاظ، محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي، دار الكتب العلمية بيروت-لبنان،٤/١٤٠٥-١٤٠٧، وأنظر:شذرات الذهب في أخبار من ذهب، عبدالحي بن أحمد بن محمد العكري الحنبلي، تحقيق: عبد القادر الأرنؤوط ومحمود الأرناؤوط، الناشر : دار بن كثير دمشق، سنة النشر :١٤٠٦هـ، ٥/٢٢٤

٢) المرجع السابق.

٣) تذكرة الحفاظ (٤/١٤٠٥_١٤٠٧).

٤) تذكرة الحفاظ (٤/١٤٠٥_١٤٠٧).

٥) سير أعلام النبلاء، شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان بن قَايْماز الذهبي، المحقق : مجموعة من المحققين بإشراف الشيخ شعيب الأرناؤوط، الناشر : مؤسسة الرسالة بيروت، الطبعة الثالثة ١٤٠٥ هـ / ١٩٨٥ م، ٢٣ / ١٢٩.

٦) سير أعلام النبلاء (٢٣ / ١٢٩).

٧) سير أعلام النبلاء (٢٣ / ١٢٦).

٨) تذكرة الحفاظ (٤/١٤٠٥.١٤٠٧).

٩) تذكرة الحفاظ (٤/١٤٠٥.١٤٠٧).

١٠) ترجمة في: شذرات الذهب ج٥ ص٢٢٤، وتذكرة الحافظ ج٤ ص١٤٠٥.

١١) الرسالة المستطرفة لبيان مشهور كتب السنة المصنفة، محمد بن جعفر الكتاني، دار البشائر الإسلامية – بيروت، الطبعة الرابعة، ١٤٠٦ هـ - م ١٩٨٦

١٢) مصادر السنة ومناهج مصنفيها الشريط العاشر، المكتبة الشاملة، الاصدار الثالث.

١٣) الأحاديث المختارة، الحافظ أبو عبد الله محمد بن عبد الواحد بن أحمد الحنبلي المقدسي المشهور بالضياء المقدسي، المحقق : عبد الملك بن عبد الله بن دهيش، مكتبة النهضة الحديثة مكة المكرمة. الطبعةالأولى ١٤١٠ هـ - م ١٩٨٦، ١/٦٩ .٧٠. تحرير علوم الحديث، عبدالله الجديع، دار الكتب العلمية بيروت، ٣/١٣٢

١٤) مصادر السنة ومناهج مصنفيها الشريط العاشر، المكتبة الشاملة، الاصدار الثالث..

١٥) المرجع السابق.
١٦) المرجع السابق.
١٧) اقتضاء الصراط المستقيم لمخالفة أصحاب الجحيم، شيخ الإسلام ابن تيمية، تحقيق: د. ناصر عبدالكريم العقل، مكتبة الرشد – الرياض، ٢ / ١٧١.
١٨) مجموع الفتاوى، تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم بن تيمية الحراني، مكتبة دار الوفاء، الطبعة الثالثة، ١٤٢٦ هـ / ٢٠٠٥ م، ٣٣ / ١٣.
١٩) إغاثة اللهفان في حكم طلاق الغضبان، محمد بن أبي بكر بن قيم الجوزية، تحقيق: محمد عفيفي، المكتب الإسلامي – مكتب فرقد الخاني – بيروت – الرياض، الطبعة الأولى، ١٤٠٦ هـ – م ١٩٨٦، ١ / ٢٨٧.
٢٠) الباعث الحثيث في اختصار علوم الحديث، أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقي، دار البشائر الإسلامية – بيروت، ١ / ٢.
٢١) التقييد والإيضاح شرح مقدمة ابن الصلاح، زين الدين عبد الرحيم بن الحسين العراقي، المكتبة السلفية بالمدينة المنورة، الطبعة الأولى، ١٣٨٩هـ (١ / ٢٤).
٢٢) توجيه النظر إلى أصول الأثر، طاهر الجزائري الدمشقي، مكتبة المطبوعات الإسلامية – حلب، الطبعة الأولى، ١٤١٦هـ – ١٩٩٥م، (١/ ٣٤٦).
٢٣) تحرير علوم الحديث لعبدالله الجديع ٣ / ١٣٢.
٢٤) مصادر السنة ومناهج مصنفيها . الشريط العاشر.
٢٥) المرجع السابق.
٢٦) المرجع السابق.
٢٧) المرجع السابق.
٢٨) المرجع السابق.
٢٩) المرجع السابق.
٣٠) المرجع السابق.
٣١) المرجع السابق.

****

الشباب المسلم:واجباته ودوره في إصلاح المجتمع

Muslim Youth: its duties & role in restructuring of society

د/ طاهر محمود محمد يعقوب*

ABSTRACT

Youth is an integral part of any human society, particularly in an Islamic society. Youth is considered as a junction of past, present and future.

Youth can play a positive and effective role against various evils which are prevalent in human society. Important aspects of utilization of youth may include the role of youth in religious, social, political, ethical and educational fields and in restructuring of society. All of these aspects have been discussed in this article, in the light of Islam. Moreover, it is an effort to motivate the youth for practical actions.

For the well-being and progress of Muslim Youth and human society adoption of following measures are important and necessary:

1. To gain knowledge of the Revealed message (*Shariah*) and act upon it.
2. To gain knowledge from true and sincere Scholars (*Ahl-e-Haqq*).
3. Self-accountability, which consists of following points:
    - *Islah* of Aqeedah and ideology
    - To perform good deeds (*Amal-e-Salih*)
    - Sincere repentance
    - Consciousness about purpose of life
    - Feeling gratified on adopting Islamic Shariah.
4. To have love or hatred only for sake of Allah.

Keywords: *Youth, Human Society, Self-accountability, Role of Youth, Well-being*

* الأستاذ المساعد،جامعة أردو الفيدرالية للفنون والعلوم والتكنالوجيا، إسلام آباد

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين، وعلى آله الأطهار وصحبه الأبرار ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، وبعد: فإنه يسرني أن أتشرف بكتابة البحث بعنوان: "الشباب المسلم: واجباته ودوره في إصلاح المجتمع".

المطلب الأول: طلب علوم الكتاب والسنة والإعتصام بهما.

من أول واجبات الشاب المسلم في حياته بعد الإيمان أن يزين نفسه بالعلم الشرعي، وعلى رأسه علم الوحي المتمثل بعلوم الكتاب والسنة النبوية الصحيحة على صاحبها أفضل الصلاة والتسليم،ومما يدل على أهمية هذا الواجب الديني قوله تعالى ﴿وَمَا كَانَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُواْ كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُواْ فِى ٱلدِّينِ وَلِيُنذِرُواْ قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوٓاْ إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾ [1]، وقول المصطفي ﷺ "خيركم من تعلم القرآن وعلمه"[2]، وقال ﷺ:"نضر الله امرأ سمع منا شيئا فبلغه كما سمع فرب مبلغ أوعى من سامع» "[3]، وعن ابن عباس رضي الله عنهما قال: خطب النبي ﷺ في حجة الوداع: تركت فيكم أمرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما: كتاب الله، وسنة نبيه[4].

نقل الإمام الربيع بن سليمان رحمه الله عن الإمام الشافعي رحمه الله أنه قال:" لم أسمع أحدا نسبه الناس أو نسب نفسه إلي علم يخالف في آن فرض الله عز وجل اتباع آمر رسول الله والتسليم لحكمه بأن الله عز و جل لم يجعل لأحد بعده إلا اتباعه وأنه لا يلزم قول بكل حال إلا بكتاب الله أو سنة رسوله وان ما سواهما تبع لهما وان فرض الله علينا وعلى من بعدنا وقبلنا في قبول الخبر عن رسول الله واحد لا يختلف في آن الفرض والواجب قبول الخبر عن رسول الله ﷺ..."[5].

قال شيخ الإسلام ابن تيمية رحمه الله:" وكل من دعا إلى شيء من الدين بلا أصل من كتاب الله وسنة رسوله فقد دعا إلى بدعة وضلالة والإنسان في نظره

مع نفسه ومناظرته لغيره إذا اعتصم بالكتاب والسنة هداه الله إلى صراطه المستقيم فإن الشريعة مثل سفينة نوح عليه السلام من ركبها نجا ومن تخلف عنها غرق وقد قال تعالى: ﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ﴾ (٦)، وقال تعالى: ﴿اتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ﴾ (٧)، وكان النبي ﷺ يقول في خطبته إن أصدق الكلام كلام الله وخير الهدى هدى محمد وشر الأمور محدثاتها وكل بدعة ضلالة " (٨).

المطلب الثاني: التلقي من علماء الحق المخلصين.

إن التلقي من علماء الحق الناصحين المخلصين سمة بارزة من سمات طلبة العلوم الشرعية، وقد رفع الإسلام مكانة العلماء حيث أمر الناس بطاعتهم وسؤالهم والرجوع إليهم عند وقوع الاختلاف والتنازع.

قال الله تعالى ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ (٩)، وقال ﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (١٠)، وعن جابر قال خرجنا فى سفر فأصاب رجلا منا حجر فشجه فى رأسه ثم احتلم فسأل أصحابه فقال هل تجدون لى رخصة فى التيمم فقالوا ما نجد لك رخصة وأنت تقدر على الماء فاغتسل فمات فلما قدمنا على النبى ﷺ أخبر بذلك فقال «قتلوه قتلهم الله ألا سألوا إذ لم يعلموا فإنما شفاء العى السؤال إنما كان يكفيه أن يتيمم ويعصر» (١١)، والأخذ من غير أهل العلم سبب لوقوع الشاب في التشتت الفكري والإضطراب الذهني، لذا يجب عليه أن يأخذ العلم من العلماء الأكفاء المعروفين بالإخلاص والنصح.

المطلب الثالث: محاسبة النفس.

الإحتساب بالنفس ومراقبتها عامل مهم لتربية النفس وإصلاحها وتطهيرها من الآثام والذنوب والجرائم. ولا شك أن إصلاح الفرد لبنة إصلاح المجتمع البشري، وآثاره تظهر على جميع فئات الإنسانية وطبقاتهم، ومما يدل على أهمية ذلك قوله تعالى ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَلۡتَنظُرۡ نَفۡسٞ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٖۖ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَۚ إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرُۢ بِمَا تَعۡمَلُونَ﴾ (١٢)،قال الإمام ابن كثير في تفسير الآية:" أمر بتقواه، وهي تشمل فعل ما به أمر، وترك ما عنه زجر. وقوله: ﴿وَلۡتَنظُرۡ نَفۡسٞ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٖۖ﴾ أي: حاسبوا أنفسكم قبل أن تحاسبوا، وانظروا ماذا ادخرتم لأنفسكم من الأعمال الصالحة ليوم معادكم وعرضكم على ربكم، ﴿وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَۚ﴾ تأكيد ثان، ﴿إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرُۢ بِمَا تَعۡمَلُونَ﴾ أي: اعلموا أنه عالم بجميع أعمالكم وأحوالكم لاتخفى عليه منكم خافية، ولا يغيب عنه من أموركم جليل ولا حقير"(١٣).

ونجد في السيرة النبوية توجيها كريما في هذا الصدد حيث قال النبي ﷺ:" الكيس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت والعاجز من اتبع نفسه هواها وتمنى على الله"(١٤)،وقال الإمام ابن القيم رحمه الله مبينا أهمية المحاسبة بالنفس في إصلاح الأحوال:" ... محاسبة النفس بعد العمل وهو ثلاثة أنواع:

أحدها: محاسبتها على طاعة قصرت فيها من حق الله تعالى فلم توقعها على الوجه الذي ينبغي،وحق الله تعالى في الطاعة ستة أمور .. وهي: الإخلاص في العمل والنصيحة لله فيه ومتابعة الرسول فيه وشهود مشهد الإحسان فيه وشهود منة الله عليه وشهود تقصيره فيه بعد ذلك كله، فيحاسب نفسه: هل وفى هذه المقامات حقها وهل أتى بها في هذه الطاعة.

الثاني: أن يحاسب نفسه على كل عمل كان تركه خيرا له من فعله.

الثالث: أن يحاسب نفسه على أمر مباح أو معتاد: لم فعله وهل أراد به الله والدار الآخرة فيكون رابحا أو أراد به الدنيا وعاجلها فيخسر ذلك الربح ويفوته الظفر به،..وترك المحاسبة والإسترسال وتسهيل الأمور، وتمشيتها فإن هذا يؤول به إلى الهلاك وهذه حال أهل الغرور: يغمض عينيه عن العواقب ويمشى الحال ويتكل على العفو فيهمل محاسبة نفسه والنظر في العاقبة وإذا فعل ذلك سهل عليه مواقعة الذنوب وأنس بها وعسر عليها فطامها ولو حضره رشده لعلم أن الحمية أسهل من الفطام وترك المألوف والمعتاد" (١٥)

وبين طرق المحاسبة بالنفس قائلا:"... ومن انفعها ان يجلس الرجل عندما يريد النوم لله ساعة يحاسب نفسه فيها على ما خسره وربحه في يومه ثم يجدد له توبة نصوحا بينه وبين الله فينام على تلك التوبة ويعزم على أن لا يعاود الذنب إذا استيقظ ويفعل هذا كل ليلة فإن مات من ليلته مات على توبة وإن استيقظ استيقظ مستقبلا للعمل مسرورا بتأخير أجله حتى يستقبل ربه ويستدرك ما فاته وليس للعبد انفع من هذه النومة ولا سيما إذا عقب ذلك بذكر الله واستعمال السنن التي وردت عن رسول الله عند النوم حتى يغله النوم فمن أراد الله به خيرا وفقه لذلك ولا قوة إلا بالله"(١٦).

ولمحاسبة النفس مجالات متعددة وميادين متنوعة من أهمها ما يلي:

١ – إصلاح العقيدة: التمسك باالعقيدة الصحيحة المبنية على الكتاب والسنة في ضوء منهج السلف الصالح، وتطهيرها من الشركيات والخرافات والخزعبلات أساس للسعادة في الدنيا والنجاة في الآخرة، وهو أصل الأصول لدعوة جميع الأنبياء والرسل عليهم السلام، قال عز وجل: ﴿وَمَآ أَرۡسَلۡنَا مِن قَبۡلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِيٓ إِلَيۡهِ أَنَّهُۥ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَٱعۡبُدُونِ﴾ (١٧).

وقال تعالى: ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ﴾ (١٨). ، قال الإمام ابن كثير في تفسير الآية:" فكل نبي بعثه الله يدعو إلى عبادة الله وحده لا شريك له، والفطرة شاهدة بذلك أيضا.." (١٩).

والعقيدة الصحيحة تحث المسلم على الأعمال الصالحة التي تؤدي إلى إزالة الانحراف والفساد في المجتمع.

٢- العمل الصالح: وهو ثمرة من ثمرات العقيدة ومظهر من مظاهرها،وكل عبد من عباد الله مكلف بذلك، قال الله تعالى: ﴿وَالْعَصْرِ 0 بِالصَّبْرِ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ 0 إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴾ (٢٠)

وقال تعالى: ﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (٢١)،وقال: ﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (٢٢)، قال ابن كثير في تفسير الآية:" هذا وعد من الله تعالى لمن عمل صالحا –وهو العمل المتابع لكتاب الله تعالى وسنة نبيه من ذكر أو أنثى من بني آدم، وقلبه مؤمن بالله ورسوله، وإن هذا العمل المأمور به مشروع من عند الله –بأن يحييه الله حياة طيبة في الدنيا وأن يجزيه بأحسن ما عمله في الدار الآخرة،والحياة الطيبة تشمل وجوه الراحة من أي جهة كانت. وقد روي عن ابن عباس وجماعة أنهم فسروها بالرزق الحلال الطيب"(٢٣).

وقال رحمه الله في تفسير قوله تعالى: ﴿فَلْيَعْمَلْ عَمَلا صَالِحًا﴾، ما كان موافقًا لشرع الله ﴿ وَلا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾ وهو الذي يراد به وجه الله وحده لا شريك له، وهذان ركنا العمل المتقبل. لا بد أن يكون خالصًا لله، صوابًا (٢٤) على شريعة رسول الله ﷺ (٢٥).

فثبت من هذه النصوص ونحوها أن قيام الدين على أصلين عظيمين: "أحدهما: أن لا نعبد إلا الله.

والثاني: أن لا نعبده إلا بما شرع، لا نعبده بعبادة مبتدعة. وهذان الأصلان هما تحقيق شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله"(٢٦).

وبشر النبي ﷺ الشباب المسلم الذي قضى شبابه في عبادة الله عز وجل حيث قال: "سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ، يَوْمَ لاَ ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ: الإِمَامُ العَادِلُ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ رَبِّهِ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي المَسَاجِدِ، وَرَجُلاَنِ تَحَابَّا فِي اللَّهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ، فَقَالَ: إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ، أَخْفَى حَتَّى لاَ تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللَّهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ".(٢٧)

٣- أهمية الوقت في حياة الشباب:

يجب على الشاب المسلم أن يستشعر أهمية حياته عموما ومرحلة شبابه خصوصا، وهو مسؤول عنها عند الله عز وجل وفي هذه المرحلة يستطيع الشباب أن يقوم بأعمال قد لا يستطيع القيام بها قبل هذه المرحلة وبعدها، لكونه متمتعا بقوى وهمم عالية في ريعان شبابه، وبين الرسول المصطفى ﷺ هذه الحقيقة حيث قال:" قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ:" لَا تَزُولُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ: عَنْ عُمُرِهِ فِيمَ أَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَ أَبْلَاهُ وَعَنْ جِسْمِهِ فِيمَ أَبْلَاهُ وَعَنْ عِلْمِهِ مَاذَا عَمِلَ فِيهِ وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ". وماذا عمل فيما علم (٢٨).

٤- التوبة النصوح:

كل إنسان عرضة للخطأ والعصيان ولا معصوم إلا من عصمه الله، قال النبي صلى الله عليه وسلم: "كُلُّ ابْنِ آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ" (٢٩)،وقد أمره الله عز وجل أهل الإيمان بالتوبة النصوح حيث قال تعالى:﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ تُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ تَوۡبَةٗ نَّصُوحًا﴾ (٣٠)،والاستغفار بعد ارتكاب الذنوب والمعاصي، والتضرع

إلى الله سبحانه وتعالى صفة من صفات المؤمنين،كما قال تعالى: ﴿ وَٱلَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا۟ فَٰحِشَةً أَوْ ظَلَمُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا۟ ٱللَّهَ فَٱسْتَغْفَرُوا۟ لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ إِلَّا ٱللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا۟ عَلَىٰ مَا فَعَلُوا۟ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴾ (٣١)

فيجب على الشباب المسلم الامتثال بهذه التوجيهات الربانية والأحكامات الإلهية،والتوجيهات النبوية السامية، قال الإمام ابن تيمية رحمه الله:

" فالعبد دائما بين نعمة من الله يحتاج فيها الى شكر وذنب منه يحتاج فيه الى الاستغفار وكل من هذين من الأمور اللازمة للعبد دائما فانه لايزال يتقلب فى نعم الله وآلائه ولا يزال محتاجا الى التوبة والإستغفار".

ولهذا كان سيد آدم وامام المتقين محمد يستغفر فى جميع الاحوال وقال فى الحديث الصحيح الذى رواه البخارى "أيها الناس توبوا الى ربكم فانى لأستغفر الله واتوب اليه فى اليوم اكثر من سبعين مرة"(٣٢) وفى صحيح مسلم "أنه قال إنه ليعان على قلبى وانى لاستغفر الله فى اليوم مائة مرة"(٣٣) وقال عبد الله بن عمر كُنَّا لَنَعُدُّ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي مَجْلِسٍ يَقُولُ: «رَبِّ اغْفِرْ لِي وَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ مِائَةَ مَرَّةٍ». (٣٤)

وذكرالإمام ابن القيم أهمية التوبة والمبادرة إليها حيث قال في معرض بيانه لأحكام التوبة وآدبها:

" ... المبادرة إلى التوبة من الذنب فرض على الفور ولا يجوز تأخيرها فمتى أخرها عصى بالتأخير فإذا تاب من الذنب بقي عليه توبة أخرى وهي توبته من تأخير التوبة وقل أن تخطر هذه ببال التائب بل عنده: أنه إذا تاب من الذنب لم يبق عليه شيء آخر وقد بقي عليه التوبة من تأخير التوبة ولا ينجي من هذا إلا توبة عامة مما يعلم من ذنوبه ومما لا يعلم فإن ما لا يعلمه العبد من ذنوبه أكثر مما

يعلمه ولا ينفعه في عدم المؤاخذة بها جهله إذا كان متمكنا من العلم فإنه عاص بترك العلم والعمل فالمعصية في حقه أشد"(٣٥).

ويجب على الشاب المسلم أن يصغي إلى التوجيهات النبوية الكريمة التي تحث على التوبة والإستغفار والرجوع إلى الله سبحانه وتعالى، قال النبي ﷺ: "يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الآخِرُ يَقُولُ: مَنْ يَدْعُونِي، فَأَسْتَجِيبَ لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ، مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ ". (٣٦)

وَ قَالَ: «إِنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ يَدَهُ بِاللَّيْلِ لِيَتُوبَ مُسِيءُ النَّهَارِ، وَيَبْسُطُ يَدَهُ بِالنَّهَارِ لِيَتُوبَ مُسِيءُ اللَّيْلِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا» (٣٧)

واحتقار الذنوب الصغيرة وعدم التوبة منها وسيلة لاقتراف الكبائر، والوقوع في الهلاك، ويدل على ذلك قول النبي ﷺ:"إِيَّاكُمْ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ، فَإِنَّهُنَّ يَجْتَمِعْنَ عَلَى الرَّجُلِ حَتَّى يُهْلِكْنَهُ".وَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ ضَرَبَ لَهُنَّ مَثَلًا: كَمَثَلِ قَوْمٍ نَزَلُوا أَرْضَ فَلَاةٍ، فَحَضَرَ صَنِيعُ الْقَوْمِ، فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَنْطَلِقُ، فَيَجِيءُ بِالْعُودِ، وَالرَّجُلُ يَجِيءُ بِالْعُودِ، حَتَّى جَمَعُوا سَوَادًا، فَأَجَّجُوا نَارًا، وَأَنْضَجُوا مَا قَذَفُوا فِيهَا. (٣٨)

٥- الإستشعار بمقصد الحياة:

يجب على الشاب المسلم أن يدرك أهمية مقصد حياته، ومن المعلوم بالضرورة أن غرض تخليق الإنسان العبادة لله وحده كما قال تعالى: ﴿وَمَا خَلَقْتُ ٱلْجِنَّ وَٱلْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾(٣٩)،فالشاب السعيد الذي نشأ في عبادة الله واستفاد من شبابه عاجلا وآجلا، فحري بالشباب أن يقضي حياته مستشعرا بهذا الهدف النبيل لحياته، وأن يستنير بنور السيرة النبوية .

٦- الاعتزاز بشريعة الإسلام وكمالها.

إن من المعتقدات الإسلامية المسلمة أن الإسلام دين الحق والعدل والفطرة، قد أنزله الله تعالى على سيد المرسلين محمد بن عبد الله ﷺ لهداية الناس

جميعا، وأنه دين كامل من كل الوجوه، ومن جميع النواحي العقدية والعملية، لا نقص فيه ولا زيادة، وقد أكمله الله تعالى في حياة رسوله الأمين ﷺ ولم يقبضه الله إلا بعد إتمام نعمة الإسلام.

نقل الإمام السيوطي عن الإمام الخطابي رحمهما الله قوله: "لم يترك رسول الله ﷺ شيئا من أمر الدين قواعده وأصوله، وشرائعه، وفصوله، إلا بينه وبلغنه على كماله وتمامه"(٤٠).

كما يلزم على كل مسلم أن يعتقد بأن الله تعالى لم يترك خيرا لأمة نبيه الخاتم للأنبياء ﷺإلا وقد بينه لرسوله ﷺ، ولا شرا إلا وقد نبهه عليه وحذر منه، ثم إن رسوله الداعي المبلغ ﷺ لم يكتم بيانه ولم يقصر في تبليغه إلى الناس، كما جاء في الحديث: مَا تَرَكْتُ شَيْئًا مِمَّا أَمَرَكُمُ اللَّهُ بِهِ إِلَّا وَقَدْ أَمَرْتُكُمْ بِهِ، وَلَا تَرَكْتُ شَيْئًا مِمَّا نَهَاكُمُ اللَّهُ عَنْهُ إِلَّا وَقَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ. (٤١)

فقد بلغ النبي ﷺالرسالة، وأدى الأمانة، وأقام الحجة، وأخبر الخلق بكل ما أمر به عن الله عز وجل لصلاحهم وفلاحهم، ونجاتهم وسعادتهم في الدنيا والآخرة، وأرشد ﷺ أمته إلى المنهج القويم لا يزيغ عنها إلا هالك، ولا يتجاوزها إلا مبتدع حالك.

قال تعالى: ﴿ٱلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِى وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلْإِسْلَٰمَ دِينًا﴾ (٤٢)

فهذه الآية الكريمة تدل على كمال الدين وتمامه، وكفايته لكل ما يحتاجه خلق الله في أمور دينهم في مجال العقائد والأعمال.

قال الإمام ابن كثير رحمه الله في تفسير الآية: " هذه أكبر نعم الله، عز وجل، على هذه الأمة حيث أكمل تعالى لهم دينهم، فلا يحتاجون إلى دين غيره، ولا إلى نبي غير نبيهم، صلوات الله وسلامه عليه؛ ولهذا جعله الله خاتم الأنبياء،

وبعثه إلى الإنس والجن، فلا حلال إلا ما أحله، ولا حرام إلا ما حرمه، ولا دين إلا ما شرعه، وكل شيء أخبر به فهو حق وصدق لا كذب فيه ولا خُلْف، كما قال تعالى: ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا﴾ (٤٣) أي: صدقا في الأخبار، وعدلا في الأوامر والنواهي، فلما أكمل الدين لهم تمت النعمة عليهم"

يجب على الشباب المسلم أن يعتقد بكمال الدين ووفائه بكل حاجات الإنسان في حياته الدينية والاجتماعية وكفايته في تحقيق عبوديته لله تعالى، وأن يعي وعيا تاما أن المحجة البيضاء التي تركنا رسول الله ﷺ عليها ليلها كنهارها لا يزيغ عنها إلا هالك.

الولاء والبراء:

الولاء والبراء قضية مهمة في حياة الشباب المسلم وهي مظهر عملي من مظاهر الإيمان ودليل قوي من دلائل الحب في الله والبغض في الله، والولاء والبراء في الحقيقة هي عقيدة كلمة التوحيد لا إله إلا الله،ويدل على أهمية التمسك بهذه العقيدة كثير من النصوص القرآنية والأحاديث النبوية منها قوله تعالى:﴿لَّا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ ، وقال تعالى:﴿ قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴾.

وقال النبي ﷺ: مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ، وَأَبْغَضَ لِلَّهِ، وَأَعْطَى لِلَّهِ، وَمَنَعَ لِلَّهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ.

فعقيدة الولاء والبراء هي أول شروط الإيمان بالله سبحانه وتعالى ومقتضياته الأساسية.

"ليس في كتاب الله تعالى حكم فيه من الأدلة أكثر ولا أبين من هذا الحكم – الولاء والبراء- بعد وجود التوحيد وتحريم ضده" (٤٤).

الخاتمة

النتائج والتوصيات والمقترحات:

فيما يلي أشير إلى أهم النتائج والتوصيات والمقترحات التي توصلت إليها من خلال دراسة هذا الموضوع.

أولا: النتائج:

١- موضوع الشباب المسلم من حيث تربيته وتعليمه وحقوقه وواجباته، موضوع مهم جدا، وقد اهتم الإسلام بذلك اهتماما بالغا.

٢- في صلاح الشباب صلاح الأمة، وفي فساده فساد الأمة.

٣- الشباب ركيزة أساسية لحل مشكلات المسلمين المتنوعة.

٤- وعلى الشباب واجبات متنوعة ومسؤوليات متعددة في خدمة الإسلام والمسلمين.

٥- إذا قام الشباب بهذه الواجبات يبدأ حل مشكلات العالم الإنساني بصفة عامة والعالم الإسلامي بصفة خاصة.

٦- وفيما يلي نشير إلى إجمال أهم واجبات الشباب ومسؤولياته المتنوعة.

- ارتباط الشباب بالعلماء المخلصين الحكماء وأصحاب العقول النيرة السليمة واجتناب مجالسة علماء السوء أصحاب الأفكار المنحرفة عن جادة الحق، فالواجب صحبة الأخيار والحذر من صحبة الأشرار.
- اعتناء الشباب المسلم بتعلم العلم النافع من العلوم الشرعية والفنون العصرية والمعارف الميدانية التي تحتاجها الأمة لتكميل مصالحها ونيل مرامها.
- الأخذ بالوسطية قولا وعملا وفكرا، ونبذ التعصب والتطرف والعنف عقيدة وسلوكا.
- القيام بالدعوة إلى الله تعالى بالحكمة والموعظة الحسنة، وإقامة فريضة الأمر بالأمر والنهي عن المنكر قدر الاستطاعة وحسب الفرص والظروف المتاحة لذلك، وديننا لم يقصر هذا الواجب على طائفة تسمى "رجال الدين" عند البعض، بل أوجب الأمر بالمعروف على كل من عرف أنه معروف، وأوجب النهي عن المنكر على كل من عرف أنه منكر.
- ايجاد العلاقة بين الحاكم والمحكوم على أساس النصح والإخلاص أمر مطلوب لإصلاح أمور العباد والبلاد.
- الأمة – حكاما ومحكومين،شبانا وشيوخا- بحاجة ماسة في أداء الحقوق والواجبات اللازمة عليهم قبل أن يطلبوا مالهم. والشرع الإسلامي الحنيف قد أمر بأداء الحقوق أكثر من طلبها.

ثانيا: التوصيات والمقترحات:

- الشباب مستقبل الأمة وعصبها فيجب على ولاة أمور الأمة من الوالدين والأساتذة والحكام ومسؤولي مؤسسات التوجيه والإرشاد أن يهتموا بالشباب المسلم من حيث التعليم والتربية والتشجيع على تنوع مجالات العلوم والفنون والحرف والمهن التي تحتاجها الأمة.

فتح أبواب الأعمال الخيرية والتوسع فيها في كل بلد من بلاد المسلمين من قبل ولاة الأمور وأهل الخير، وإشغال الشباب بها.

- دراسة أسباب ما حدث ويحدث في الأرض من فساد وتفجير وعنف وإرهاب، وعدم الاستعجال في اصدار التهمة بالشباب المسلم.
- ضرورة السعي الجاد المخلص من قبل ولاة أمور المسلمين لإيجاد العدالة الاجتماعية وإزالة أسباب الظلم والتعدي وغصب حقوق الشباب على المستوين: المحلي والدولي .
- على شباب المسلم تقوى الله عز وجل في السر والعلن والإيمان أن الشباب زائل وقواهم فانية، وأنهم محاسبون بوم القيامة، وأنه لا ملجأ ولا منجأ إلا إلى الله عز وجل.

إنشاء المسابقات بين أبناء الجامعات حول موضوعات السيرة النبوية.

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.

الهوامش والإحالات

١- سورة التوبة:الآية:١٢٢

٢- رواه البخاري، باب خيركم من تعليم القرآن وعلمه، برقم: (٥٠٢٧). رواه الترمذي، باب ماجاء في الحث على تبليغ السماع، برقم: (٢٨٦٩)

٣- أخرجه الترمذي في السنن، كتاب المناقب، مناقب أهل بيت النبي (ﷺ)ص: ٦٦٣/٥. و صحيحه الألباني في صحيح سنن الترمذي ص: ٢٢٦/٣

٤- سورة الأنعام: الآية:١٣٥

٥- سورة الأعراف: الآية:٣

٦- درء تعارض العقل والنقل، لإبن تيمية، بتحقيق محمد رشاد سالم:١٥٩/١،دار الكنوز الأدبية الرياض، ١٣٩١هـ، أخرجه مسلم، باب تخفيف الصلاة والخطبة، برقم:(٢٠٤٢)

٧- سورة النساء: الآية:٥٩

٨- سورة النحل: الآية:٤٣

٩- أخرجه أبوداود، باب:في المجروح يتيمم، برقم: (٣٣٦)

١٠- سورة الحشر: الآية:١٨

١١- تفسير ابن كثير:٧٧/٨

١٢- أخرجه الترمذي في السنن:عن شداد بن أوس رضي الله عنه،ص:٦٣٨/٤، برقم: (٢٤٥٩)

١٣- إغاثة اللهفان من مصايد الشيطان لإبن القيم ص:٨٢/١، تحقيق: محمد حامد الفقي دار المعرفة ،بيروت، الطبعة الثانية، ١٣٩٥ هـ

١٤- الروح في الكلام على أرواح الأموات والأحياء بالدلائل من الكتاب والسنة لإبن القيم ص:٧٩، دار الكتب العلمية ، بيروت، ١٣٩٥ هـ

١٥- تفسير ابن كثير،ص:٣٣٨/٥

١٦- سورة العصر:١-٣

١٧- سورة الأنبياء:٢٥

١٨- سورة النحل:٣٦

١٩- سورة الملك: ٢

٢٠- سورة النحل: ٩٧

٢١- تفسير ابن كثير، ص:٤/٦٠١

٢٢- تفسير ابن كثير،ص:٥/٢٠٥

٢٣- مجموع الفتاوى لشيخ الإسلام ابن تيمية، ص:١/٣٣٣

٢٤- أخرجه البخاري، باب:من خشي في المسجد، برقم:(٦٦٠)

٢٥- أخرجه الترمذي، باب:في القيامة، برقم:(٢٦٠١)

٢٦- أخرجه الترمذي، باب:خير الخطائين، برقم: (٢٦٨٧)

٢٧- سورة التحريم: ٨

٢٨- سورة آل عمران: ١٣٥

٢٩- أخرجه البخاري، باب: استغفار النبي صلى الله عليه وسلم في اليوم، برقم: (٦٣٠٧)

٣٠- أخرجه مسلم، باب: استحباب الاستغفار، برقم: (٧٠٣٣)

٣١- مجموع الفتاوى ص: ١٠/ ٨٨

٣٢- مدارج السالكين ص ،١/ ٢٧٢

٣٣- أخرجه البخاري، باب: الدعاء والصلاة من آخر، برقم: (١١٤٥)

٣٤- أخرجه مسلم، باب: قبول التوبة من الذنوب، برقم:(٧١٦٥)

٣٥- مسند أحمد،ص: ٨/ ٤٢٢

٣٦- سورة الذاريات: ٥٦

٣٧- صون المنطق للسيوطي، ص:١/١٤١

٣٨- أخرجه الشافعي في المسند،كما في بدائع المتن،كتاب العلم، باب لا تكون الأحكام إلا بوحي، ص: ١/١٤) برقم: (٧)

٣٩- سورة المائدة: ٣

٤٠- سورة الأنعام: ١١٥

٤١- تفسير ابن كثير، ص: ٣/ ٢٦

٤٢- سورة المجادلة:٢٢

٤٣- سورة التوبة:٢٤

٤٤- أنظر: الولاء والبراء للقحطاني، ص:٢٧٦

****

Why do we believe in God?
An Analysis of the Motives of the Believing Behaviour in Human Beings

Irfan Shahzad[*]

ABSTRACT

This article explores the motives of the human believing behaviour. The author postulates that to believe in God is natural and not to believe is a deviation from the true and pure human nature. This fact has, also, been admitted by many philosophers, psychologists and geneticists. A brief debate with reference to philosophy, anthropology, psychology and genetics has been presented to have a review the opinions of some eminent philosophers, psychologists and anthropologists about the believing behavior of the human nature. The traces of the religiosity of the primitive tribes without exception are a further evidence for the said fact. Some evidences have been presented from history and also from the examples of some living primitive tribes of Australia and Africa to accentuate the stance that to believe in God is a natural, innate, instinctual motive in the human nature. Author also quotes certain verses from the Qur'an to confirm the conformity of the historical, philosophical, psychological and genetical facts and findings with the Qur'anic stance about the believing behaviour of the human nature.

The motives behind human behaviour in believing God are counted by the author as: rationality, anxiousness for God and the Life hereafter, Love of God, Affiliation with the native culture, Influence and Inspiration, Religion: A Remedy or Solution and Preaching in Terms of addresses.

***Keywords**:* Motive, Anxiousness, Genetics, Meme, Sufism, Affiliation, Inspiration, Remedy

[*] Lecturer, PakTurk International Schools & Colleges, Islamabad

Introduction:

To believe in God is an undeniable tendency of human nature. The author having debated this fact through philosophy, psychology, genetics and history, tried to determine that in what ways this natural tendency to believe in God works. It is observed that anxiousness or consciousness of God, love of God, affiliation with native culture and environment, inspiration and influence of the characters of the preachers and nobility of their birth and origin, the influence of power, religion as a remedy for certain problems, and address of preachers in terms and norms of their addressees are some of the most prominent factors, which motivate human beings to believe in God. This motivational study of the believing behaviour of human beings is then examined in the light of the Holy Qur'an and supported by the historical facts.

Is to Believe Natural or not?

Sigmund Freud, though, does not believe in God, admits that to believe is natural and instinctual:

> *"Religion is an illusion and it derives its strength from the fact that it falls in with our instinctual desires".*[1]
>
> *"We shall tell ourselves that it would be very nice if there were a God who created the world and was a benevolent Providence, and if there were a moral order in the universe and an after-life; but it is a very striking fact that all this is exactly as we are bound to wish it to be.*[2]

Where does this believe come from? To Freud, man conceives his idea of God and religion from his inspiration from his parents, initially from his mother and then, from his father:

> *In this function (of believing in God) the mother is soon replaced by the stronger father, who retains that position for the rest of childhood. But the child's attitude to its father is coloured by a peculiar ambivalence. The father himself constitutes a danger to the child, perhaps because of its earlier relation to its mother. Thus, it fears him no*

> *less than it longs for him and admires him. The indications of this ambivalence in the attitude to the father are deeply imprinted in every religion... When the growing individual finds that he is destined to remain a child forever, that he can never do without protection against strange superior powers, he lends those powers the features belonging to the figure of his father; he creates for himself the gods whom he dreads, whom he seeks to propitiate, and whom he nevertheless entrusts with his own protection. Thus his longing for a father is a motive identical with his need for protection against the consequences of his human weakness. The defense against childish helplessness is what lends its characteristic features to the adult's reaction to the helplessness which he has to acknowledge - a reaction which is precisely the formation of religion*[3]

Rabbi Nathan Lopes Cardozo[4] says the wish or need of God is natural and unavoidable, he writes:

> *The fact that man wishes God to exist has, after all, no bearing at all on the question whether He really exists or not. He may quite well exist, and simultaneously man may have a great need for His existence. The creation of the utter dependence of a child of his loving parents may very well have been the way through which God built the foundation for man's capacity to believe and trust in Him."*[5]

H.C. Rumuk, in his book, "*The psychology of Unbelief: Character and Temperament in relation to Unbelief,* writes (in the words of Heije Faber)[6]:

> *Religion is part of the normal structure of human life. But during the years when he is coming to maturity, man can be led astray by a great variety of hindrances in his development and he can thus fall victim to unbelief. Often, it is a question of disturbances, which take place in the unconscious.*[7]

So, we can say that it makes us sure that the human nature is prone to believe. His nature wishes for a God. However, to Freud,

wish for God is, otherwise, a human weakness, but to Rumuk, and to Cardozo, wish to believe in God is not only natural to man, but also necessary for the smooth human development, while not to believe is a deviation, due to certain external factors, hence an unnatural phenomenon. It implies that if a man is left, uninfluenced in the matter of believing or not believing in the divinity during the development of his life, he will incline to believe in divinity and transcendental values.

The renowned psychiatrist and atheist Anderson Thomson[8] (born 1926) and his colleague Clare Aukofer, in their book, *Why We Believe in god(s)*, forward the theory of evolution in terms of genetics to establish that the inclination and propensity that humans demonstrate to believe in transcendental and metaphysical values and ideas are the result of genetic inheritance from their ancestors, who first developed such ideas to 'fill in the blanks of the life' and to fulfill the requirement of their emotional and physical needs. In other words, when human beings could not find the answers to the natural phenomena of their life and of the wonderful world around them, they solved the problem by conceiving the idea that a God or gods could have created all these. Also, they found themselves helpless and humble before natural forces. They felt need of someone who could protect them from the unbridled forces of nature, so they conceived a Being or beings, who had the powers to help them against these forces. Then, the developments of such ideas in human minds transmitted to next generation through the process of thousands of years. This process of genetic evolution in attitude of believing gave the human beings a ready-made propensity to believe in the values transcendental. In this way, to believe in God became natural.

Anderson supports his postulation with some evidences. For example, He says that children all over the world have such a fear that some apparition would come out from under the bed. The universality of this fear makes us believe that this fear has come to us through genes, because human ancestors who would sleep in trees

had the fear of animals beneath them, that animals might climb up to attack them (cf.).[9]

This is what Richard Dawkins[10] (born March 26, 1941) explains through the concept of '*meme*'[11], which states that cultural values, ideas, habitual attitude, etc., had been imitated for long and then transmitted through genes or memes, and then they become genetic behaviour.

The author disagrees with the speculation of this postulation about the conceiving of the idea of God to 'fill in the blanks of life', though this can partially be true in many cases where sound religious knowledge has not been available to people. But God has numerous evidences of His existences in the universe and the divine scriptures, especially the Holy Qur'an. However, this is another debate, which is out of scope of this paper. The point is that genetics too, admits the propensity of human nature of believing in God. This implies that atheism is a deviation from this genetic behaviour of believing.

To believe in transcendental values is natural. This postulation can further be asserted by another known fact that the earliest traces of human existence are never found without the ideas regarding religion and religious liturgy. The earliest communities were priest-head communities. Such kinds of tribes with the same primitive traits are still found in the far flung forests of Australia and Africa who are un-contacted from the rest of the world. They did not seem to receive any education from any outer source, yet they do have their beliefs in transcendental values. They bury their dead and say prayers. Their liturgies show they have faith in the life after death. The idea of life after death has been found in all primitive tribes.

Living primitive tribes of Australian Aborigines and Masai of Africa believe in one God, the Creator. He is neither male nor female, they name him Ngai,[12] whereas, Australian Aborigines believe in many gods.[13] The point is that neither of the tribes is without belief, nor were the ancient primitive tribes; their ruins

provide the evidences of their temples and deities, which confirms our assertion.

We learn from the Holy Qur'an that the natural tendency of human beings to believe in God was inculcated in their nature with their very existence:

﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنۢ بَنِىٓ ءَادَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا۟ بَلَىٰ ۛ شَهِدْنَآ ۛ أَن تَقُولُوا۟ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَٰفِلِينَ ۝ أَوْ تَقُولُوٓا۟ إِنَّمَآ أَشْرَكَ ءَابَآؤُنَا مِن قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنۢ بَعْدِهِمْ ۖ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ ٱلْمُبْطِلُونَ﴾[14]

And [mention] when your Lord took from the children of Adam - from their loins - their descendants and made them testify of themselves, [saying to them], "Am I not your Lord?" They said, "Yes, we have testified." [This] lest you should say on the day of Resurrection, "Indeed, we were of this unaware." Or [lest] you say, "It was only that our fathers associated [others in worship] with Allah before, and we were but descendants after them. Then would You destroy us for what the falsifiers have done?"

The renowned exegete al-Bedawi[15] (died. 1292), in his classical exegesis Anwar'al-Tanzil wa Asrar'al-Tawil interpreting the above-mentioned Qur'anic verse, writes:

ونصب لهم دلائل ربوبيته وركب في عقولهم ما يدعوهم إلى الإقرار بها حتى صاروا بمنزلة من قيل لهم فنزل تمكينهم من العلم بها وتمكنهم منه بمنزلة الإشهاد والإعتراف على طريقة التمثيل[16]

"Evidences of God's providence have been established before them (the human beings) and installed in their intellect, which invite them to the admittance of God, so much so that these evidences became as if they are told to them. The consolidation of this knowledge is as if they were held witness to it and they profess it, this all is described allegorically."

In a contemporary exegesis of the Holy Qur'an, Fi zilal 'l-Qur'an, Seyyed Qutb (1906-1966) writes:

على أن هناك تفسيراً لهذا النص بأن هذا العهد الذي أخذه الله على ذرية بني آدم هو عهد الفطرة .أنشأهم مفطورين على الإعتراف له فقد بالربوبية وحده. أودع هذا فطرتهم فهي تنشأ عليه، حتى تنحرف عنه بفعل فاعل يفسد سواءها، ويميل بها عن فطرته[17]

"One interpretation of this statement suggests that the pledge God has taken from the offspring of Adam's children relates to their nature. He has established in their nature the tendency to acknowledge His Lordship as the only God in the universe. They grow up with this tendency until they deviate as a result of external factors of one sort or another.

This is what the nature is:

﴿فِطۡرَتَ ٱللَّهِ ٱلَّتِي فَطَرَ ٱلنَّاسَ عَلَيۡهَاۚ لَا تَبۡدِيلَ لِخَلۡقِ ٱللَّهِۚ﴾[18]

...in accordance with the natural disposition which God has instilled into man: [for] not to allow any change to corrupt what God has thus created...

That is why, the first human and the first human community was monotheist:

﴿كَانَ ٱلنَّاسُ أُمَّةٗ وَٰحِدَةٗ﴾[19]

Mankind was [of] one religion [before their deviation]

Ibn Kathir writes:

عن ابن عباس، قال: كان بين نوح وآدم عشرة ... قال ابن جرير: قرون، كلهم على شريعة من الحق، فاختلفوا، فبعث الله النبيين مبشرين ومنذرين[20]

Ibn e Jarir writes on the authority of Ibn 'Abbas that between Adam and Noah there passed ten centuries; all the people were on the religion of Islam (submission to one God), then people began to differ from one another (and

worship of idols and other false gods started) then Allah sent the prophets giving good tidings to them and warning them (of God's scourge).

Since then, human beings have been transmitting this behaviour of believing through genes. The Holy Prophet (S.A.W) says:

مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيمَةُ بَهِيمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّونَ فِيهَا مِنْ جَدْعَاء[21]

Every child is born in nature, then his parents make him a Jew, or a Christian or a Magian as an animal delivers a perfect baby animal. Do you find it mutilated?"

The Qur'anic stance, to believe is natural and not to believe is unnatural, is evident from the very word "Kufr". The literal meaning of Kufr as Imam Raghib Isfahani depicts:

"The actual meaning of Kufr is to hide something. The night is called Kafir, because it hides everything. Similarly, the farmer is called Kafir since he hides seed in the ground."[22]

It implies that Kafir (one who denies religion or God) is in fact hides or deviates from his true nature, which is, otherwise, prone to believe.

Motives of the Believing Behaviour

Rationality:

The fact is that man is incapable of knowing the reality. French Enlightenment writer, historian and philosopher, François-Marie Arouet Voltaire (1694-1778) says, "*Four thousand volumes of metaphysics will not teach us what the soul is*."[23] Man can only understand a phenomenon but he cannot find or know reality in real. Thomas Reid[24] (1710-1796 CE) while concluding the skepticism of David Hume (1711-1776 CE) writes:

"...the author undertakes to prove two points: First, That all that is called human knowledge (meaning demonstrative

> *knowledge) is only probability; and, secondly, that this probability, when duly examined, evanishes by degrees, and leaves at last no evidence at all: So that, in the issue, there is no ground to believe any one proportion rather than its contrary, and "all those are certainly fools who reason or believe anything."*[25]

Bertrand Russell (1872-1970 CE) says, "*There can be nothing real, or at any rate nothing known to be real except minds and their thoughts and feelings*".[26] It is not possible for human beings to verify the existence of God through direct empirical evidence and also the truth of religion, yet, a believer does have good reasons to believe in God and religion. This believing attitude with reasoning is epitomized in the anecdote of 'the believing man' of the Qur'an. The Qur'an tells that a man from the family of Pharaoh or from royalty, secretly accepted Moses' invitation to the faith. However, he admitted that he did not have direct knowledge to verify whether Moses is true or not; but he believed him for the reasons Moses came up with, i.e., Moses' miracles and convincing arguments in favour of the oneness of the creator:

﴿ وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ ءَالِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَٰنَهُۥٓ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَن يَقُولَ رَبِّيَ ٱللَّهُ وَقَدْ جَآءَكُم بِٱلْبَيِّنَٰتِ مِن رَّبِّكُمْ ۖ وَإِن يَكُ كَٰذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُۥ ۖ وَإِن يَكُ صَادِقًا يُصِبْكُم بَعْضُ ٱلَّذِى يَعِدُكُمْ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴾[27]

> *At that, a believing man of Pharaoh's family, who [until then] had concealed his faith, exclaimed: "Would you slay a man because he says, 'God is my Sustainer' – seeing, withal, that he has brought you all evidence of this truth from your Sustainer? Now if he be a liar, his lie will fall back on him; but if he is a man of truth, something [of the punishment] whereof he warns you is bound to befall you: for, verily, God would not grace with His guidance one who has wasted his own self by lying [about Him].*

We note that he put forward his argument with 'if'. It means he was not sure in terms that he knew the reality, yet he believes because there was no reason to deny, and there were many good reasons to believe. This rational attitude to attain or deduce faith has been certified by God.

Human knowledge can never claim to have attained all knowledge, therefore, man maintains that empirically not provable does not mean nonexistent.

﴿ لَّا تُدۡرِكُهُ ٱلۡأَبۡصَٰرُ ﴾[28]

No human vision can encompass Him.

The narcissistic demand to have empirical evidence for the transcendental value leads to disbelief:

﴿ بَلِ ٱدَّٰرَكَ عِلۡمُهُمۡ فِي ٱلۡأٓخِرَةِۚ بَلۡ هُمۡ فِي شَكّٖ مِّنۡهَاۖ بَلۡ هُم مِّنۡهَا عَمُونَ ﴾[29]

Nay, their knowledge of the life to come stops short of the truth: nay, they are [often] in doubt as to its reality: nay, they are blind to it.

Man believes because it is but religion that gives definite answers to the Basic Questions: The origin of man and the universe; the purpose of creation; the relation between creation and the Creator and about the life hereafter. These questions have kept the humanity perplexed since man became able to think. Man made out divergent philosophies while in his quest to find out the answers to these questions, but these answers are mere speculations. And when man failed to find satisfactory answers, he hid his embarrassment in the fold of atheism, agnosticism and skepticism. The American biologist, Cecil Boyce Hamann, has this to say:

Where the mysteries of digestion and assimilation were seen as evidence of Divine intervention, they now are explained in terms of chemical reactions, each reaction under the control of an enzyme. But does it rule God out of His universe? Who determined that these reactions should take place, and that they should be so exactly

controlled by the enzymes? One glance at a present-day chart of the various cyclic reactions and their interaction with each other rules out the possibility that this was just a chance relationship that happened to work. Perhaps here, more than any place else, man is learning that God works by principles that He established with the creation of life.[30]

This rational attitude, which leads to believe, is described in the Qur'an as:

﴿ إِنَّ فِي خَلْقِ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱخْتِلَٰفِ ٱلَّيْلِ وَٱلنَّهَارِ لَءَايَٰتٍ لِّأُو۟لِى
ٱلَّذِينَ يَذْكُرُونَ ٱللَّهَ قِيَٰمًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَٰطِلًا سُبْحَٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ ٱلنَّارِ ﴾[31]

Indeed, in the creation of the heavens and the earth and the alternation of the night and the day are signs for those of understanding. Who remember Allah while standing or sitting or [lying] on their sides and give thought to the creation of the heavens and the earth, [saying], "Our Lord, You did not create this aimlessly; exalted are You [above such a thing]; then protect us from the punishment of the Fire.

To disprove the existence of God is not possible, those who do, just speculate, and speculation has nothing to do with reality:

﴿ وَمَا خَلَقْنَا ٱلسَّمَآءَ وَٱلْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَٰطِلًا ۚ ذَٰلِكَ ظَنُّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ
كَفَرُوا۟ مِنَ ٱلنَّارِ ﴾[32]

AND [thus it is:] We have not created heaven and earth and all that is between them without meaning and purpose, as is the surmise of those who are bent on denying the truth: but then, woe from the fire [of hell] unto all who are bent on denying the truth!

﴿أَفَحَسِبۡتُمۡ أَنَّمَا خَلَقۡنَٰكُمۡ عَبَثٗا وَأَنَّكُمۡ إِلَيۡنَا لَا تُرۡجَعُونَ﴾[33]

Did you, then, think that We created you in mere idle play, and that you would not have to return to Us?"

Man believes because he can assess the intrinsic truth of the divine source of knowledge revealed through the Prophet (S.A.W), his teaching or the book of divine knowledge. The best example is of the Holy Qur'an, the only unalterable divine book on the face of the earth:

﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ ٱلۡقُرۡءَانَۚ وَلَوۡ كَانَ مِنۡ عِندِ غَيۡرِ ٱللَّهِ لَوَجَدُواْ فِيهِ ٱخۡتِلَٰفٗا كَثِيرٗا﴾[34]

Will they not, then, try to understand this Qur'an? Had it issued from any but God, they would surely have found in it many an inner contradiction!

The more one ponder upon the Qur'an the more one is convinced of the truth of the Qur'an.

Anxiousness for God and the Life Hereafter:

The people concerned to find out real knowledge and secrets of life and this universe and are in search of answers to "The Basic Questions", are prone to believe. This consciousness or anxiousness is termed in the Qur'an as "Fear".

﴿إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ ٱتَّبَعَ ٱلذِّكۡرَ وَخَشِيَ ٱلرَّحۡمَٰنَ بِٱلۡغَيۡبِۖ﴾[35]

You can (usefully) warn only the one who follows the advice and fears the Ra╒mān (the All-Merciful Allah) without seeing (Him). So give him the good news of forgiveness and of a noble reward.

﴿سَيَذَّكَّرُ مَن يَخۡشَىٰ﴾[36]

The one who fears (Allah) will observe the advice...

﴿وَٱلَّذِينَ يُؤۡتُونَ مَآ ءَاتَواْ وَّقُلُوبُهُمۡ وَجِلَةٌ أَنَّهُمۡ إِلَىٰ رَبِّهِمۡ رَٰجِعُونَ ٥
أُوْلَٰٓئِكَ يُسَٰرِعُونَ فِي ٱلۡخَيۡرَٰتِ وَهُمۡ لَهَا سَٰبِقُونَ﴾[37]

> *And who give whatever they [have to] give with their hearts trembling at the thought that unto their Sustainer they must return: it is they who vie with one another in doing good works, and it is they who outrun [all others] in attaining to them!*

Obviously, one who bothers strives, and one who strives finds. The Bible says: "*The fear of the Lord teaches man wisdom*."[38]

Love of God

Man finds in his heart a natural love for his Creator, which leads him to believe in God. Such a natural, instinctual tendency of love is evident in the peoples of every culture and religion. The Bible says:

> *"And you shall love the Lord your God with all your heart and with all your soul and with all your might."*[39]

Human history past and present provides numerous examples of men, who forsake the pleasures of the world and the world itself, they get ready to sacrifice their lives and the most beloved belongings for the sake of God. For example, the Bhakti Yoga in Hinduism is an exclusive practice to demonstrate human love for God by surrendering oneself to God.

> *[It] is a religious practice to attain Divine Being through devotional love."*[40]*"Bhakti means devotion to the Lord. One need only to surrender all doubts, fears and worries and express genuine love and devotion to the almighty Lord of the Universe."*[41]

The Hindu religious book, Gita, teaches the divine love, "*Who fixes his mind and his reason on me and loves me; he is dear to me*" [42]

The same goes for Christianity, in which asceticism was introduced to seek the pleasure of God:

﴿وَرَهْبَانِيَّةً ٱبْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَٰهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ٱبْتِغَآءَ رِضْوَٰنِ ٱللَّهِ﴾[43]

But as for monastic asceticism – We did not enjoin it upon them: they invented it themselves out of a desire for God's goodly acceptance.

The Holy Qur'an confirms this natural love of man for God:

﴿وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ ٱللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ ٱللَّهِ ۖ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ﴾[44]

And yet there are people who choose to believe in beings that allegedly rival God, loving them as [only] God should be loved: whereas those who have attained to faith love God more than all else.

Mawlana Rumi (1207-1273)[45] says:

"O (God) lovers! The religion of the love of God is not found in Islam alone. In the realm of love, there is neither belief, nor unbelief."[46]

Affiliation with Native Culture and Tradition

Affiliation with one's culture and traditions is the strongest influence on human beings to follow the tradition of faith whatever they have in their culture and tradition. Man believes in God because he is born to a believing culture or family. If he is born to a monotheist family and culture, he adopts it as it is. His affiliation with his culture or family and the inherited tradition of monotheism make him believe in one God, just like a polytheist or atheistic society or family, which makes one stick to polytheism or atheism. The only difference can be that in contrast to a polytheist or an atheist, a monotheist feels his nature and conscience in conformity with the inherited monotheism.

Influences and Inspiration:

Human history tells that certain religions spread on a large scale not because their addressees had investigated their intrinsic truth, but they got inspired to believe in them for various reasons.

a. Influence and Inspiration of Nobility

People get inspired by the persons of noble birth. It seems that observing this human tendency of inspiration, God chose his prophets from the noble birth. People loved to see them speak their language and dialect and talk their problems. This is what Caesar of Byzantine, Hercules, showed his understanding of the fact for the Holy Prophet Muhammad (S.A.W) in his meeting with Abu Sufyan while inquiring after the Holy Prophet (S.A.W):

وَكَذَلِكَ الرُّسُلُ تُبْعَثُ فِي أَحْسَابِ قَوْمِهَا[47]

> *"This is the case with the prophets; they are the descendants of the noblest among their people."*

We know no prophet who was not from the noble birth.

b. Influence and Inspiration of Character

The great religions of the world spread because the carriers of those particular religions demonstrated a sublime character, which inspired people to embrace their religion. For example, the sanctity of character, determination and endurance of the early Christians against severe persecution for their faith inspired people to believe in Christianity. Buddhism spread among the commoners due to the high morality, its preachers and followers had to adopt. Also, Islam spread by the higher ethical manners of the Muslim Arab, especially in the subcontinent where the Arab traders inspired the masses with their moral values and, later, the Muslim Sufis inspired the masses with the extraordinary sanctity of their character and ethics.

c. Influence and Inspiration of Power

Another inspiration for the masses comes from the demonstration of power. The famous maxim goes:

الناس على دين ملوكهم

People follow the way of their kings.

We note that Buddhism and Christianity had been facing very hard time when they were being preached by the poor preachers to the commoners. But as soon as the kings and emperors accepted these religions they became not only the state religions but also the masses rushed to embrace them.

> *"In the mid-third century BCE, for example, Buddhism spread throughout northern India as the result of the personal endorsement of King Ashoka."* [48]

Christianity spread when Constantius II (337-361), Vales (364-378) and finally Theodosius I (347-395) accepted it as the state religion (cf.)[49].

For the same reason, the Holy Prophet (S.A.W) wrote letters to the emperors of the Roman and Persian empires and to other kings and governors of his time inviting them to embrace Islam or they would be responsible for the Kufr of their people, because their people would follow them. In his letter to Hercules, the Holy Prophet (S.A.W) wrote:

> *I invite you to embrace Islam so that you may live in security. If you come within the fold of Islam, Allah will give you double reward, but in case you turn your back upon it, then the burden of the sins of all your people shall fall on your shoulders.*[50]

It is historically evident that most of these kings and emperors did not bother the invitation of the Holy Prophet (S.A.W), nor did their masses, but when the companions of the Hoy Prophet (S.A.W) conquered these lands; the whole conquered lands fell into the fold of Islam without any coercion! This was because Islam was now in power and power inspires.

Religion: A Remedy or Solution

The slaves and people of humble origin and low strata of the society embraced Buddhism and Islam for the same reason. They found a salvation for their miseries and outlet from disgraceful status, the society had forced them to live in. One of the motives of the people of Madinah to embrace Islam and invite the Holy Prophet (S.A.W) to Madinah was that they wanted to ensure peace in Madinah after the long battle of Bu'ath between the tribes of Aws and al-khizraj. The Islamic teaching of equality and fraternity, well-practiced by the broad based Sufism, impressed the suppressed Hindu social classes of the lower strata, who were subject to disgrace by the Hindu caste system, and they embraced Islam in great numbers.

> *"Sufism in India has commonly been viewed as a secular attempt for the eternal quest of the soul for its direct experience of the ultimate Super Power. For centuries, the Hindus accepted Sufi shrines as symbol of communal harmony. A large number of them have been offering prayers in Sufi shrines without any reservation."*[51]

Preaching in the Terms of the Addressees

Another psychological motive to believe in God is that man is prone to listen and accept a message given in his own language and dialect and in terms of his own culture and norms. For example, Christianity spread to Greece and Rome, when it adopted the norms of their religion, which had the concept of mother goddess who gave birth to the god and the concept of triple deity.

> There were several reasons for Christianity's eventual acceptance into Celtic society. One reason was the concept of the Christian Godhead being a Trinity, or three persons in one God. The fact that the Christian God took three separate forms, which were the Father (creator), Son (saviour), and Holy Spirit (sanctifier), was also a concept familiar to the Celts since their own deities took different forms depending on their functions.[52]

And

> *The Church allowed pagan symbols of fertility, such as the egg and the rabbit, to represent the resurrection of Christ during Easter; these symbols had previously represented pagan gods (such as Osiris) rising from the dead. It is possible that many of the similarities between Christianity and the pagan religions were intentional, to help new converts identify with the religion. This aided greatly in the spread of Christianity.*[53]

Muslims preachers adopted Sufism in India, which had a parallel in the Indian mysticism and philosophical literature and way of life, for example, the concept of the unification of the Being (wahdat-ul-Wujud) and a mild asceticism similar to Sadhu or Yogi Way of Hinduism, appealed Hindus to accept Islam, because they had almost similar ideas in their religious system.

> *"A section of Sufis under Chistiyya order was not against adjustment with Hindu saints of Bhakti cult and used even Hindi language for Islamic devotional songs."*[54]

CONCLUSIONS:

To believe in God is a natural and instinctual behaviour of human beings. Philosophy, history, psychology and genetics admit this fact. This is further confirmed by the religiosity of all the primitive tribes without exception. This natural inclination to faith works in many ways:

- Rational behaviour, which means that human intellect, finds no other satisfactory answer to the chain of cause and effect. He finds the ultimate cause, the first cause, God at the end of this chain. He finds the only answer to "The Basic Questions" is religion.
- Man believes in God due to his consciousness or anxiousness (Taqwa or fear) to find out about God and his relation with him and the life after death. This is the rational behaviour, which leads many to believe. Man studies the universe and

feels and understands the intrinsic truth of the divine scriptures, especially of the Qur'an, and gets convinced of God.

- There is a natural love in man for his creator and sustainer. The examples of this divine love are found in almost every religion and every society in the world for example, Bhakti, Sufism, etc.
- Man also shares some common grounds of believing and disbelieving, for example, affiliation with his culture and environment or his family tradition makes him believer or non-believer.
- Man believes in God when he gets inspired by the character, nobility and morality of the prophets or the preachers of a religion.
- The power factor influences man to believe if the believers or the religion comes into power. It is observed that influence of character and the nobility of preachers work on individuals, and the influence of power works on mass conversion. This phenomenon can be observed in the history of Buddhism, Christianity, and Islam.
- Man believes in a particular religion when he finds in it a remedy for his problems and miseries.
- Man inclines to believe an invitation to a faith when he hears it in its own language and dialect and finds it in correspondence with the cultural norms and ideas, he is familiar with. For this purpose, a Greek version of Christianity was introduced to Greek and Roman lands. And in the subcontinent, Islamic Sufism in correspondence to the sadhuism and Bhakti of Hinduism spread Islam in local terms, dialect and idiom; and it worked.

REFERENCES

1 Sigmund Freud. *Freud Complete Works,* ed. Ivan Smith, 2010, 4772, Pdf e book

2 Ibid., 4442

3 Ibid., 4436

4 Rabbi Cardozo is Dean of the David Cardozo Academy in Jerusalem.

5 Rabbi Nathan Lopes Cardozo, "Freud and Belief in the Creator." *Jewish World Review* (29 June 2001), accessed 26 July 2012. <http://www.jewishworldreview.com/0601/freud.asp>

6 Heije Faber is a Dutch theologian and philosopher.

7 Heije Faber, *Psychology of Religion* (London: Bloomsbury: SCM Press LTD, 1976), 73.

8 J. Anderson Thomson, Jr., MD, is a Trustee of the Richard Dawkins Foundation for Reason and Science and a staff psychiatrist for Counseling and Psychological Services at the University of Virginia. (Wikipedia)

9 See, Thomson Anderson, and Clare Aukofer, *Why we believe in god(s) A concise guide to the science of faith* (translation, Khuda Kuen) (Lahore: BBH Printers, 2013).

10 Richard Dawkins is an English ethnologist, evolutionary biologist, and writer. a champion of atheism. (Wikipedia)

11 A meme (/ˈmiːm/ *meem*) is "an idea, behavior, or style that spreads from person to person within a culture." A meme acts as a unit for carrying cultural ideas, symbols, or practices that can be transmitted from one mind to another through writing, speech, gestures, rituals, or other imitable phenomena with a mimicked theme. It was coined by the British evolutionary biologist Richard Dawkins in *The Selfish Gene* (1976) as a concept for discussion of evolutionary principles in explaining the spread of ideas and cultural phenomena. (Wikipedia)

12 Jens Finke, "Maasai- Religion and Beliefs" *Traditional Music and Cultures of Kenya*. n.p., n.d. accessed 24 July 2012. <http://www.bluegecko.org/kenya/tribes/maasai/beliefs.htm>

13 "Aboriginal Religion." *Aboriginal Culture*. n.p., n.d. accessed 28 July 2012. <http://www.aboriginalculture.com.au/religion.shtml>

14 Sura Al-Aa'raf: 172-173

15 'Abdullah b. 'Umar al-Beḍawi was a renowned Persian Islamic scholar of 13th century.

[16] ‘Umar b. Muhammad al- Beḍawi. *Anwar’al-Tanzil wa Asrar ’l-Tawil* (Beirut: Dar ’l-Ehya ’l-Turath al-‘Arabi, 1998), 3:41

[17] Seyyed Muhammad Qutb, *Fi zilal ’l-Qur’an* (Cairo: Dar’l-Shorouk, 1972), 6:1393

[18] Sura Ar-Room: 30

[19] Sura Al-Baqara: 213

[20] Ibn Kathīr, Ismā‘īl b. ‘Umar, *Tafsir ’l-Qur’an ’l-Azim* (Beirut: Lebanon), 1: 425

[21] Muhammad b. Ismā‘īl al-Bukhari, “Tafsir ’l-Qur’an section La Tabdila li Khalq Allah”, *al-Jamey‘ ’l-Sahih ’l-Bukhari,* Hadith No. 4775*;* Muslim b. Hajjaj, “al-Qadr section wa Bab mana kulu Mawlud Yuladu ‘ala ’l-Fitrah wa Sukm Mawt Atfal ’l-Kuffar wa ’l-Muslim” *al-Musnad* ’l-S*ahih binaql ’l-’Adil ‘an ’l-’Adil ila Rasul Allah,* Hadith. No. 2658. The Hadith is sahih and agreed upon.

[22] Raghib Isfahani, *Mufradat ’l-Qur’an,* “الكفر”*,* (Lahore: Sheikh Shams al-Haq Kashmir Block Iqbal Town, 1987), 2:917.

[23] Will Durant, *The Story of Philosophy* (New York: Garden City Publishing CO., INC,, 1933), 263.

[24] Thomas Reid FRSE, a religiously trained Scottish philosopher and a contemporary of David Hume, was Hume's earliest and fiercest critic." (Wikipedia)

[25] Thomas Reid, *Intellectual Powers of Man* (Dublin: L White No. 86 Dami Street, 1785), 404.

[26] Bertrand Russell, *The Problems of Philosophy,* ed Gilbert Murray, J. Arthur Thomson, William T. Brewster, Herbet Fisher (New York, H. Holt, 1912), 21.

[27] Sura Ghafir: 28

[28] Sura Al-Inaam: 103

[29] Sura An-Naml: 66

[30] Cecil Boyce Hamann*, The Evidence of God in an Expanding Universe,* ed. John Clover Monsma (G. P. Putnam's Sons, 1958), 221.

[31] Sura Aal-e-Imran: 190-191

[32] Sura Saad: 27

[33] Sura Al-Mo’Minoon: 115

[34] Sura An-Nisa: 82

[35] Sura Ya’sin: 11

[36] Sura Al-Aala: 10

[37] Sura Al-Mo'Minoon: 60-61

[38] Bible, Proverbs. 15:33

[39] (*Bible*, Deuteronomy 6:5)

[40] "Devotional Love in Hinduism", *All You Need to Know about Hinduism*, n.p., n.d, accessed 22 July 2012. <http://history-of-hinduism.blogspot.com/2010/10/devotional-love-in-hinduism.html>

[41] "Bhakti Yoga Introduction." *Advaita Yoga Asharma*. n.p., n.d. accessed 6 Aug. 2012. <http://yoga108.org/>

[42] (Gita, Xii. B, 14)

[43] Sura Al-Hadid: 27

[44] Sura Al-Baqara: 165

[45] Jalāl 'al-Dīn Muhammad Balkhī, also known as Jalāl 'l-Dīn Muhammad Rūmī, Mevlana or Mawlānā, Mevlevi or Mawlawī, and more popularly in the English-speaking world simply as Rumi, was a 13th-century Persian poet, jurist, theologian, and Sufi mystic. (Wikipedia)

[46] Rumi's Quatrain no. 768, tran Gamard & Farhadi. Versions of this quatrain have been made by Shahram Shiva, "Hush: Don't Tell God," p. 17 and by 'Azimah Kolin (based on Mafi), "Rumi: Whispers of the Beloved", 71.

[47] *Al-Musnad al-Imam binaql 'l-'Adil 'an 'l-'Adil 'ila Rasul Allah* (Beirut: Dar 'l-Ihya 'l-Turath al-'Arabi), 3:1393

[48] Alexander Berzin, "The Spread of Buddhism in Asia", Originally published as part of Buddhism and Its Impact on Asia, *Asian Monographs* 8 (1996).

[49] "Spread of Christianity", *Wikipedia.org*.

[50] Saif 'l-Rehman al-Mubarakpuri, *al-Rahiq 'l-Makhtum* (Riyadh: Saudi Arabiah: Dar 'l-Salam, 1996), 356.

[51] Ibid.

[52] Kimberly R. Grunke and Susannah Lloyd, "The Effect of Christianity upon the British Celts." *Grunke UW-L Journal of Undergraduate Research* 11 (2008).

[53] Lina. "The Reasons for the Success of Early Christianity." n.d., n.p., *fonpop.com* accessed 4 June 2012.

[54] A. R. Upadhyay, "Sufism in India: Its origin, history and politics." *South Asia Analysis Group*. n.p., n.d., accessed 2 Aug. 2012.

****

The Philosophical Perspective of *Jihad*

A Critical Analysis

Dr. Atiq-ur-Rehman [*]
Dr. Zia ur Rehman [**]

ABSTRACT

There are two opposing views of scholars and different religions regarding the permission or non-permission of war on the basis of honor and lawfulness of human life.

The Hindus and Jews legalize war, whereas the Buddhists and Christians consider it illegal. Islam follows the middle path and attributes the legality of war to its purpose because only the purpose tells the righteousness or wrongfulness of any deed.

Islam has prevented from all those purposes that eliminate the cause of Allah Almighty from war. Islam does not legalize war for any worldly purpose so the pursuit of fame, kingship, booty, conquering another land or national or personal revenge is not legal. Jihad has been enjoined for the elimination of hurdles in the path of Allah. It clarifies the policy of Islam that war is not an end but it is a means to an end. Today the west is doing propaganda against Islam that Islam spread through sword and the concept of jihad is being related to terrorism. The purposes of jihad should be kept in mind in order to understand the philosophy of jihad. The aim of this paper is to highlight the purposes of jihad and its importance. Views of various scholars have been observed in this study along with references from Quran and Hadith.

Keywords: *Jihad, legality of war, policy of Islam, purposes of jihad, western propaganda*

[*] Assistant Professor, Department of Islamic Studies, UET, Lahore
[**] Lecturer, Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur

There are two opposing views of scholars and different religions regarding the permission or non-permission of war on the basis of honor and lawfulness of human life. Discussing the philosophy of war, Abdul Salam Nadvi expresses his views in these words:

> *"There is a great disagreement of Ulema about war. One group considers it the root cause of all human problems and the other group thinks that it has a lot of advantages along with its disadvantages. That is why it cannot be separated from cultural element."* (1)

Same is the situation of major religions. The Hindus and Jews legalize war, whereas the Budh and Christians consider it illegal. Hindus and Jews legalize war for all those purposes which their inner-selves desire. They do not distinguish between right and wrong as to its purposes. The Budh and Christians feel that the killing of human beings by fellow human beings is not legal. Between these two extremes, Islam follows the middle path and attributes the legality of war to its purpose because only the purpose tells the righteousness or wrongfulness of any deed. Islam legalizes all those wars that are carried out in the way of Allah. War for the sake of envy, repression, cruelty, greed, revenge and finance has been branded as illegal. Syed Maududi writes:

> *"It (Islam) divides war into two types keeping in view the nature of man, the requirements of man and betterment of mankind. One type of war is that which is fought for the sake of land, money, rule and desires of the self. Second type of war is that which is fought for the sake of truth and against cruelty and oppression. The first type has been termed as anarchy and chaos. It has been called the worst crime and Islam fully prohibits it. The second type of war, if carried out without any personal interest and purely for the right cause then it is Jihad in the way of Allah. It is best kind of worship and most divine obligation and there is no better of help mankind than this."* (2)

Islam has prevented from all those purposes that eliminate the cause of Allah Almighty from war. It has been explained in Holy Quran in the following verse:

﴿ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ يُقَٰتِلُونَ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ ۖ وَٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ يُقَٰتِلُونَ فِى سَبِيلِ ٱلطَّٰغُوتِ ﴾ (3)

"Those who believe fight in the Cause of Allah, and those who disbelieve, fight in the cause of Satan. So fight you against the friends of Satan. Ever feeble indeed is the plot of Satan."

It is a clear cut message in which the distinction between right and wrong has been clearly mentioned. The people who fight for the cruelty, oppression, material gain and personal purposes are comrades of Satan and those who fight against them are the soldiers of Allah Almighty. Every war whose purpose is to harm the Muslims is the devilish war and it has no connection with Allah. Those who fight for the poor and miserable, who want to stop oppression and establish peace and justice, and who fight against oppression and anarchists to provide a peaceful life to the people are the fighters in the way of Allah. They do not help the miserable but they help Allah Almighty. Therefore, the Muslims have never been told that the purpose of war is land or material gains. They have been told that as a result of war in the way of Allah they will find the happiness of their Lord and protection from the perdition of hell. As it is clear from the verse below:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَٰرَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَتُجَٰهِدُونَ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ بِأَمْوَٰلِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾ (4)

"O you who believe! Shall I guide you to a trade that will save you from a painful torment? That you believe in Allah and His Messenger SAW, and that you strive hard and fight in the Cause of Allah with your wealth and your lives: that will be better for you, if you but know!"

Allah loves those who fight solely for His cause as it has been mentioned in the following verse:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلَّذِينَ يُقَٰتِلُونَ فِي سَبِيلِهِۦ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَٰنٌ مَّرْصُوصٌ ﴾ (5)

"Verily Allah loves those who fight in His Cause in rows as if they were a solid structure."

It can also be understood by the following Hadith from Sehai Sittah:

Hazrat Abu Musa Ashari RA narrates: "A person came to the Holy Prophet ﷺ and asked that some fight for the booty, some fight for fame and some fight to show their bravery, who amongst them fights in the way of Allah? The Holy Prophet ﷺ replied that only the person who fights to uphold the name of Allah fights in the way of Allah." (6)

Hazrat Abu Musa Ashari RA narrates another Hadith and says:

"A person came to the Holy Prophet ﷺ and he said, "O Prophet of Allah ﷺ, what is fighting in the way of Allah? Some of us fight in anger, some for the honor of nation?" the Holy Prophet ﷺ raised his head and said the one who fights to uphold the name of Allah fights in the way of Allah." (7)

Abu Amama Bahli RA narrates that a person came to Holy Prophet ﷺ and asked what will be given to him who fights for material gain and fame? The Holy Prophet ﷺ replied nothing. It was strange for that person, he came back and asked the same question and the Holy Prophet SAW again gave the same reply. He was not satisfied and came again and asked the same question till the Holy Prophet ﷺ said:

"Allah does not accept any deed unless it is done only for His happiness." (8)

Muaz Bin Jabal RA narrates, the Holy Prophet ﷺ said:

"There are two types of fight. The person who fought purely for Allah cause and followed the leader, spent his best finance and abstained from chaos then his sleep and

waking deserves blessing from Allah. And the person who fought for show off and to gain fame and did not follow the leader and created chaos will not be spared (i.e. he will face perdition).” (9)

Abada Bin Samit RA narrates that once the Holy Prophet ﷺ said:

“The person who went to fight for Allah and intended even for a rope for tethering camel then he will only get the rope and none of the blessings.” (10)

Abu Huraira RA narrates that once the Holy Prophet ﷺ said:

“Three people will be judged first of all on the day of Judgment. First the person who fought in the path of Allah will be brought. Allah will tell about His blessing on him and when he will admit the blessings then Allah will ask him, ‘what did you do for me?’ He will reply, ‘I fought for you until I got martyred.’ Allah will say, ‘You tell lies. You only fought for the purpose that people will say he is very brave, your purpose if fulfilled.’ Then Allah will order perdition for that person and he will be thrown in hell headlong.” (11)

Abdullah Bin Masu’d RA narrates that the Holy Prophet ﷺ said:

“On the day of Judgment one person will come holding the forelock of another person and will say, ‘O Allah! This person killed me.’ Allah will ask, ‘Why did you kill him?’ the person will say that he killed that person for the sake of Allah’s honor. On this Allah will say, ‘Yes, the honor is for me.’ Then another person will come holding the hand of another man and will say that he killed me. Allah will ask, ‘Why did you kill him?’ He will say that he killed that person for the honor of another man. Then Allah will say, ‘honor was not his right.’ And he will be captured in this crime.” (12)

This mode of teaching purges war from all worldly pursuits. Islam does not legalize war for any worldly purpose so the pursuit of fame, kingship, booty, conquering another land or national or personal revenge is not legal. Islam has explained all this.

Islam is a universal and international religion and it carries a universal message. Its individuality can be seen in all the walks of life and it can also be seen in the field of war. It negates war for all the negative purposes and legalizes it for only some right purposes. If we deeply study the legalized purposes of war in Islam, they are numerous. Only three of the basic purposes have been discussed here in detail. All the other purposes fall under them.

Upholding of Allah's word:

The propagation of religion to all people of all territories and eras is a rightful purpose of war. Islam came for the reformation and welfare of whole mankind. The Holy Prophet ﷺ spread Islam to the Arabs and left the world after putting his nation on the path of glory. He ﷺ enjoined upon Sahaba and the people after them to spread the message of Islam to other nations and people of the world. But history is witness that rebellious and transgressors of the religion of Allah do not allow the people to accept religion according to their free will. There are a lot of such instances when the Holy Prophet ﷺ was tortured and teased on account of preaching the oneness of Allah and stopping from the worship of false deities. The people who approved and accepted the message of the Holy Prophet ﷺ were also tortures and ultimately exiled the Holy Prophet ﷺ and his followers from Makkah. The pagans of Makkah tried to control the minds of people and denied them the right of free choice of religion. The pagans used oppressive measures to stop the true religion. If the pagans were left free in doing this, the wrong would have oppressed the right and the darkness of disbelief would have prevailed over the light of truth. So order for war was given and people were asked to support it in order to eliminate the hurdles in the propagation of Islam. Same was the purpose of all the wars after this. Upholding the word of Allah is the prime and soles purpose of Jihad. If the propagation of religion is going smoothly then there is no need of sword but if the people are facing difficulty in treading the path of Allah then this difficulty must be eliminated. In Surah al Infaal,

Allah Almighty orders jihad against all those who put hurdles in the propagation of religion:

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ يُنفِقُونَ أَمْوَٰلَهُمْ لِيَصُدُّوا۟ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ ۚ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَٱلَّذِينَ كَفَرُوٓا۟ إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴾ (13)

"Verily, those who disbelieve spend their wealth to hinder from the path of Allah, and so will they continue to spend it; but in the end it will become anguish for them. Then they will be overcome. And those who disbelieve will be gathered unto Hell."

In Surah Tauba, the purpose of war against disbelievers has been told:

﴿ ٱشْتَرَوْا۟ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَصَدُّوا۟ عَن سَبِيلِهِۦٓ ۚ إِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴾ (14)

"They have purchased with the verses of Allah a little gains, and they hindered men from His way; evil indeed is that which they used to do."

Then the war against the people of scripture has been ordered because they try hard to stop people from the path of virtue. Allah says in Holy Quran:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ ٱلْأَحْبَارِ وَٱلرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَٰلَ ٱلنَّاسِ بِٱلْبَٰطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ ﴾ (15)

"O you who believe! Verily, there are many of the rabbis and the monks who devour the wealth of mankind in falsehood, and hinder from the way of Allah."

In the same way in Bdaya al Sina'ae, obligation of jihad has been described in these words:

"The purpose of the obligation of jihad is the propagation and glory of Islam and to overcome and eliminate the vice of disbelievers." (16)

Allama Kasani further writes:

> *"Killing (for the sake of Islam) has not been enjoined for the sake of killing but it has been enjoined for the propagation of Islam."* (17)

According to Imam Ibn e Tamia:

> *"The real purpose of jihad is that the religion of Allah wholly prevails and word of Allah be glorified."* (18)

Jihad has been enjoined for the elimination of hurdles in the path of Allah. If the enemies of Islam are muffling the propagation of religion to the people and they try to deny true religion to the people then armed effort should be made against them till their defeat. As Syed Qutab Shaheed said:

> *"Islam came for the whole mankind and the glory of the word of Allah means that the teachings of Islam be spread to whole mankind and there should be no hurdle between people and blessings of Islam. The person who puts hurdle in the propagation of Islam with power then that person is in reality transgressor against the word of Allah. The elimination of such a person is the glory of the word of Allah."* (19)

If the propagation of Islam is going on smoothly and there is no hurdle in its propagation then there is no need of war. As Dr. Mahmood Ahmed Ghazi writes:

> *"The one and only purpose of jihad is the propagation of Islamic teachings and its support. If the means of propagation are available and there is no hurdle in its way, no oppression is practiced against Muslims throughout the world and the people are free to lead their lives in full freedom to practice Islam then there is no need of taking sword."* (20)

Sharia legalizes armed effort only against those who muffle the spread of Islam and propagation of Islamic teachings. Islam did not spread through sword. The use of power is only legalized for the safety of Islam against those who put hurdles in its smooth progression. They not only reject the message of Islam but also try to stop it. If a person does not embrace Islam and live with Muslims

in complete peace under a treaty then there is no legality of war against that person. Therefore Islam focuses on two points before going for war. If any of these two is agreed upon then there is no need of war. The first of these two points is that they should be invited to embrace Islam as it has been told to Muslim warriors in Bdaya al Sina'ae:

> *"Killing is not legal before giving invitation to embrace Islam."* (21)

If the opposing nation does not know the teachings of Islam then it is necessary to invite them to accept Islam. If the opposing nation knows the teachings of Islam even then it is better to invite them to Islam before fighting. May be they accept Islam this time and the motive of Islam is achieved without fight. It clarifies the policy of Islam that war is not an end but it is a means to an end. It shows the importance of the message of Islam and also the fact that Islam likes peace more than war. If the opposing nation accepts Islam then the objective is achieved and there is no reason for fight. But if they reject this invitation then second option should be offered to them that they accept to live as tax payers to Muslims. As it has been told in Bdaya al Sina'ae:

> *"If they do not accept to convert to Islam then they should be offered to pay tax."* (22)

According to this treaty there will be no objection if they practice their own religion. As a result of tax they will live under security and peace. This tax is not applicable to disabled people, children, women and the old. The reason behind this agreement is that the easiest way to preach them is adopted. If they reject this offer too then there is no way except war to provide peace and security to Muslims. There should be no hurdle for Muslims to practice their beliefs. They should be free in choosing the right and abstaining from the wrong.

Eradication of Cruelty and Oppression:

Islam has legalized war to put an end to cruelty and oppression. When the opposing nation practice cruelty against

Muslims then war is legalized to support and save the oppressed. That is when their homes have been occupied, their rights denied to them and their possessions taken from them then the Muslims must fight for their brethren. Islam does not like oppression and disapproves its propagation in society. Contrary to Christianity, Islam does not approve to bear oppression rather it demands the complete eradication of oppression from society. When the people of Makkah exiled the Muslims and confiscated their properties, they were allowed to launch a war against this oppression. The very first verse that legalized killing for the sake of religion depicts this idea:

﴿أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَٰتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُواْ وَإِنَّ ٱللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ ٱلَّذِينَ أُخْرِجُواْ مِن دِيَٰرِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّآ أَن يَقُولُواْ رَبُّنَا ٱللَّهُۗ وَلَوْلَا دَفْعُ ٱللَّهِ ٱلنَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَٰمِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَٰتٌ وَمَسَٰجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا ٱسْمُ ٱللَّهِ كَثِيرًاۗ وَلَيَنصُرَنَّ ٱللَّهُ مَن يَنصُرُهُۥٓۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾ (23)

"Permission to fight is given to those who are fought against, because they have been wronged; and surely Allah is able to give them victory. Those who have been expelled from their homes unjustly only because they said: "Our Lord is Allah." For had it not been that Allah checks one set of people by means of another, monasteries, churches, and mosques wherein the Name of Allah is mentioned much would surely have been pulled down. Verily Allah will help those who help His (cause). Truly, Allah is All-Strong All-Mighty."

In these verses the people against whom war is legalized have only committed one crime i.e. they oppress the people and drive the innocent people from their homes. So the oppressed were allowed to carry out armed effort against the oppressors and crush their hateful motives. This permission is not given only to the oppressed but other Muslims are ordered to help their oppressed brethren so that the miserable should be freed from the shackles of the oppression. As it has been said in Holy Quran:

﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَٰتِلُونَ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ وَٱلْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ ٱلرِّجَالِ وَٱلنِّسَآءِ وَٱلْوِلْدَٰنِ ٱلَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَآ أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ ٱلْقَرْيَةِ ٱلظَّالِمِ أَهْلُهَا وَٱجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَٱجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا﴾ (24)

"And what is wrong with you that you fight not in the Cause of Allah, and for those weak, ill-treated and oppressed among men, women and children, whose cry is: "Our Lord! Rescue us from this town whose people are oppressors; and raise for us from You one who will protect, and raise for us from You one who will help."

This order is interpreted by Syed Qutab in these words:

"So it has been enjoined upon the Muslim Ummah to stop oppression in the whole world. They should not do it for the sake of material gains or superiority but should do it for the glory of word of Allah after coming into power." (25)

It is religious and moral obligation of Muslims to save not only their own selves but also the weak and the needy among whole mankind. If the people are suffering under the cruel rule then its obligatory on Islamic system to help them and relieve their suffering. When a group of Muslims is captured in the cruel grip of enemies and have no power to save themselves then it is obligatory upon those who are powerful and free to carry out armed struggle in order to save their Muslim brethren. This purpose of war has been described by Mahmud Sheet Khatab in these words:

"Jihad is ordered in Islam to uphold the truth and eradicate the wrong and to relieve the weak and miserable from suffering." (26)

Eradication of Chaos and Anarchy:

When the truth is oppressed by force and people are stopped from following the right path and led astray and conspiracies are made against religion and devilish forces are creating chaos then it is obligatory upon Muslim to carry out jihad. All these conditions have been described by Quran as reason for jihad:

﴿ وَقَٰتِلُوهُمۡ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتۡنَةٞ وَيَكُونَ ٱلدِّينُ كُلُّهُۥ لِلَّهِۚ فَإِنِ ٱنتَهَوۡاْ فَإِنَّ ٱللَّهَ بِمَا يَعۡمَلُونَ بَصِيرٞ ﴾ (27)

"And fight them until there is no more Fitnah (disbelief) and the religion will be all for Allah Alone. But if they cease then certainly Allah is the All-Seer of what they do."

Chaos cannot be stopped without the use of sword, whether the chaos is created from within or without. If a group is creating chaos from inside or outside to disrupt the unity of Ummah then war against them is legal. This war against anarchy will continue forever. It is only legal against those who create chaos through their words and deeds. This is the reason that the killing of women, children and handicapped is illegal.

Islam has preached patience and tolerance but no tolerance has been ordered against any such attack which is aimed at wiping out religion of Allah from the world and taking land from the Muslims. The order for protection of religion and Muslim land is very strict that if any enemy attacks the Islamic system or Islam then it becomes obligatory for all Muslims to leave everything behind and fight against the enemy. Therefore the scholars of religion hold the opinion that if the Muslim land is attacked then jihad becomes obligatory upon every Muslim individually. As Ibn e Qdamah has described the situations when jihad becomes obligatory for individuals in these words:

"When the disbelievers attack a Muslim country then it is binding on the natives to fight against them and defend their land." (28)

This idea has been presented in Bdaya al Sina'ae in these words:

"If it is heralded publically that an enemy has attacked a certain area then it (jihad) becomes obligatory for every Muslim who has power for it." (29)

In Islam liberty is the most important thing in the national life of Muslims. It is not only that after losing liberty they lack the power to help humanity for which they are created but they do not remain capable of establishing system of Shariah upon which their whole religious life is based. So any attack on Islamic government and Islamic country is considered an attack on Islam even though its purpose is only to remove political rule of Muslims rather than Islam. In this case the order of obligation of jihad will be applicable in the same way as it is applicable during war against Islam. So Dr. Wahbat al Zaheeli writes these words about the reasons for war in Islam:

> *"There are three kinds of circumstances that legitimize warfare in Islam, namely, (a) aggression against Muslims, either individually or collectively, as preachers for Islam, or attempts to make Muslims apostates or the launching of war against Muslims. (b) Assistance for the victims of injustice, whether individuals or groups. (c) Self-defense and to ward off attacks on one's homeland."* (30)

It means that when open violence is committed against the Muslims then war becomes inevitable. Jihad is legal in this case as it is the right of every nation, system and society to defend itself from foreign insurgency.

In Sharia e Muhammadi war is a means to maintain peace. It is the purpose of war to provide eternal peace and comfort to people. To highlight the purpose of war Allama Surkhusi writes:

> *"The aim is that the Muslims remain peaceful and carry out their religious and worldly activities in peace."* (31)

The same was the purpose of all the wars that were fought in the era of the Holy Prophet SAW. Dr. Mahmud Ghazi writes about the wars in the era of Holy Prophet SAW:

> *"The reasons of war can be divided into five different types. When evident violence is committed against Muslims then war becomes inevitable. The second legal type is the war that is carried out to eradicate chaos whether it is created from within or without. The third*

> *type is the war that is launched for the safety of Muslim minority or the safety of non-Muslim having treaty with Muslims. The fourth type is the war that occurs as a continuity of a long time war. The last type of war is that which is carried out to remove hurdles in the way of propagating Islam or to stop any devilish activity."* (32)

War can be divided in to two types on the basis of human nature and its welfare. First type of war is that which is fought for wealth, power and land. The second type is the war that is fought for right and eradication of oppression. The first type of war has been termed as sin and abstaining from it is ordered. The second type of war rises to the level of worship if it is carried out purely and without any personal interest. Islam opts for it only for need and it is under the laws of justice and human values. There is no option of making slaves and taking material resources. So Sayed Qutab Shaheed writes:

> *"Islam does not approve the wars which are fought with the motive of greed and personal or national material interests. It rejects all those wars that are fought for colonialism, exploitation, trade markets or raw materials. It is against the subjugation of human beings and rejects the war for the sake of opposition and capturing material resources. It also stops from all those wars that create false glory of kings and national heroes or that urge the love of kingship or personal interests.* (33)

So it is proved that only the purpose of war determines whether it is jihad or terrorism. If the war is fought for material gains then it is terrorism and if the war is fought for the eradication of chaos and oppression with the aim of glorification of Allah's name then it is jihad in the way of Allah.

Conclusion:

Today the west is doing propaganda against Islam that Islam spread through sword and the concept of jihad is being related to terrorism. Some simple Muslims too become victim of this propaganda and they start speaking in the tone of west and in fact

jihad is an important, honorable and dignified religious practice and it guarantees world peace. The purposes of jihad should be kept in mind in order to understand the philosophy of jihad. Jihad was adopted in its true spirit in the era of Holy Prophet SAW and in the era of Sahaba and in other Islamic eras and the whole world enjoyed its fruits and the world became a peaceful place. And when the khilafat came to an end and jihad practically stopped then the world entered the dismal shades of oppression and misery.

BIBLIOGRAPHY & REFERENCES

1) *Jang ka falsfa*, Abd al-Salam Nadvi, Monthly Al Ma'arif, Azam Garh, volume 2 edition 6, December 1917, pp 48

2) Maudoodi, Syed Abul-Aala, *Al Jihad fi al-Islam*, Idara Tarjuman al-Quran (Pvt.) Ltd. Lahore 2004, pp 455

3) Surah al-Nisa 4:76

4) Surah al-Saff 61:10-11

5) Ibid 61:4

6) Al-Bukhari, Muhammad b. Ismail, *Sahih al-Bukhari* (Beirut: Dar Ibn Kathir, 1990), 1034/3

7) Ibid 358/1

8) Al-Nasai, Ahmad b. Shuayb, *Sunan al-Nasai* (Halab: Maktab al-Matbuat al-Islamiyah, 1994), 22/6

9) Abu Dawood, Suleman b. al-Ashas, *Sunan Abi Dawood* (Beirut: Dar al-Kitab al-Arabi, n.d.),321/2; Ahmad b. Hanbal, Musnad Ahmad, (Moassasah al-Risalah,1999) 368/36,

10) Sunan al-Nasai, 22/6

11) Muslim b. al-Hajjaj, Al Jam'i al-Sahih, (Beirut: Dar al-Jeel wa Dar al-Afaaq al-jadeedah, n.d.) 47/6

12) Sunan al-Nasai 71/7

13) Surah al-Anfal 8:36

14) Surah al-Tauba 9:9

15) Ibid 9:34

16) Al-Kasani Abu Bakar, *Bada'i al-Sana'i fi Tarteeb Al Shara'i,* (Beirut: Dar al-Kitab al-Arabi,1982), 98/7

17) Ibid, 100/7

18) Ibn Taimiyyah , Ahmad b. Abd al-Haleem, *Al-Siyasat al-Shariah*, (Beirut: Dar al-Kutab al-Arabiah, 1999), pp 159

19) Syed Qutab, Aman Alam aur Islam, Tran. by Mian Manzur Ahmad, (Lahore: Gulistan Publications,1974), pp 30

20) Mahmud Ahmad Ghazi, Dr, *Islam ka Qanoon Bayn al-Mumalik*,(Islamabad: Shariah Academy, IIUI, 2007), pp 330

21) Bada'i al-Sana'i fi Tarteeb Al Shara'i, 100/7

22) Ibid

23) Surah al-Haj 22:39-40

24) Surah al-Nisa 4:75

25) *Aman Alam aur Islam*, pp 184

26) Mahmud Sheet Khattab, *Bayn al-Aqedat wa al-Qyadat*, (Beirut: Dar al-Fikar,1972),pp 107

27) Surah al-Anfal 8:39

28) *Ibn Qudama, Al-Mughni wa yalehay al-Sharh al-Kabir*, (Beirut: Dar al-Kitab al-Arabi,1983), 366/10

29) Bada'i al-Sana'i fi Tarteeb Al Shara'i, 98/7

30) Sheikh Wahbeh al-Zuhili, Islam and International Law, in International Review of the Red Cross, Volume 87 Number 858 June, 2005, pp 281

31) Sarakhsi, Muhammad b. Ahmad, Al-Mabsut, (Beirut: Dar al-Marifah, 1978), 3/10

32) *Islam ka Qanoon Bayn al-Mumalik*, pp 334

33) *Aman Alam aur Islam*, pp 28, 29

****

In order to facilitate the readers and in line with international standards, all issues of Al-Baseera are being uploaded on the official web-site of NUML, *www.numl.edu.pk*.

In the last, I would like to pay special thanks to the Rector NUML and Director General NUML for their patronage and guidance, participant researchers also merit my appreciations. Whatever the quality and goodness the Magazine owns is by the grace of Allah Almighty and all deficiencies are due to our negligence or error. We pray to Allah Almighty for the recognition and popularity of Al-Baseera.

Dr. Syed Abdul Ghaffar Bukhari
Editor Al-Baseera

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

Editorial

Fifth edition of Al-Baseera is being presented for its readers. Praise to the Lord that Al-Baseera has completed its third year of publication with success.

It is a great matter of appreciation that Al-Baseera has secured a distinguished place within the scholarly circles. Al-Baseera also possesses the honor that its timely publication, the interest of national and international researchers and research tradition of maintaining the quality of the magazine has brought it in leading journals. Certainly, Al-Baseera has made its research journey successful under the umbrella of special patronage and cooperation of Rector Maj Gen (R) Masood Hasan and Director General Brig. Azam Jamal NUML.

Al-Baseera has always strived to continue and maintain its academic and research quality in accordance with the standards set forth by the Higher Education Commission (HEC) and the best possible material be presented for its readers. So we request to researchers, teachers, scholars and other readers to coordinate and contribute with their valuable thought/articles relating to contemporary Islamic studies and academic-related issues.

Under the rules and regulation set forth by the Al-Baseera, articles are to be included after having favorable evaluation report by the honorable members of Peer Review Committee. Definitely, these regulations are helpful in increasing the reputation of the magazine. So apologies to the authors, whose articles could not be published.

For the current issue of Al-Baseera, eleven (11) research articles have been selected through peer review out of dozens received, including 5-Urdu, 4-Arabic and 2-English. These articles were written by the scholars affiliated with different fields of life. This tri-lingual bunch would be the solution of modern challenges as well as it would play pivotal role in providing guidelines to the researcher and common readers in the field of research. (*Insha Allah)*

TRANSLITERATION TABLE

ا	a	ڈ	d	غ	gh	بھ	bh
ب	b	ذ	Dh	ف	f	پھ	ph
پ	P	ر	R	ق	q	تھ	th
ت	t	ڑ	r	ک	k	ٹھ	th
ٹ	t	ز	z	گ	g	جھ	jh
ث	th	ژ	z	ل	l	چھ	ch
ج	J	س	S	م	m	دھ	dh
چ	ch	ش	Sh	ن	n	ڈھ	dh
ح	h	ص		ں	n	ڑھ	rh
خ	kh	ط	ṭ	ہ	h	کھ	kh
د	d	ظ	ẓ	ی	y	گھ	gh

Long Vowels

ا		ā
آ		ā
ی	ـِـ	ī
و	ـُـ	ū
و	(*URDU*)	ō
ے	(*URDU*)	ē

Short Vowels

ـَـ	a
ـِـ	i
ـُـ	u

Diphthongs

و	ـَـ	(ARABIC)	*aw*
		(URDU)	*au*
ی	ـَـ	(ARABIC)	*Ay*
		(URDU)	*ai*

وّ	ـُـ	*uww/uvv*
یّ	ـِـ	*iyy*

- Letter ء is transliterated as elevated comma (’) and is not expressed when at the beginning.
- Letter ع is transliterated as elevated inverted comma (‘).
- ض as Arabic letter is transliterated as $\dot{d}$, and as Urdu letter as $\dot{z}$.
- و as Arabic letter is transliterated as *w*, and as Urdu letter is transliterated as *v*.
- ۃ is transliterated as *ah* in pause form and as *at* in construct form.
- Article ال is transliterated as *al-* (*’l-* in construct form) whether followed by a moon or a sun letter.
- و as a Urdu conjunction is transliterated as –o.
- Short vowel ـِـ in Urdu possessive or adjectival form is transliterated as *–i*.

Advisory Committee

Prof. Dr. Abdul Rauf Zafar
Chairman Dept of Islamic Studies, Sargodha University, Sargodha

Prof. Dr. Ataullah Faizi
Dept. of Islamic Studies, NUML, Islamabad

Prof. Brig (R) Wasiq Ahmed
Chairman, Pak Studies Department, NUML, Islamabad

Prof. Dr. Taj-ud-Din Azhari
Ex-Chairman Dept. of Hadith, International Islamic University, Islamabad

Prof. Dr. Mustafiz Alvi
Dept. of Islamic Studies, Lahore Leads University, Lahore

Prof. Dr. Fazl-e-Rabbi
Chief Associate, Academics, Foundation University, Islamabad

Prof. Dr. Abdul Hameed Abbasi
Chairman, Dept. of Quran-w-Tafseer, AIOU, Islamabad

Prof. Dr. Muhammad Sajjad
Dept. of Islamic Studies, AIOU, Islamabad

Prof. Dr. Muhammad Abdul Allah
Sheikh Zayed Islamic Center, University of the Punjab, Lahore

Dr. Tahir Mehmood
Ex-Chairman Dept. of Humanities, Urdu Wafaqi University, Islamabad

Dr. Muhammad Ilyas
Dept. of Hadith, International Islamic University, Islamabad

Dr. Hafiz Abdul Qayyum
Sheikh Zayed Islamic Center, University of the Punjab, Lahore

Dr. Muhammad Riaz Wirdeg
Ex-Chairman Dept. of Islamic Studies, Hazara University, Mansehra

Dr. Abdul Ali Achakzai
Chairman Dept. of Islamic Studies, Baluchistan University, Quetta

Dr. Khaleeq ur Rehman
Dept. of Islamic Thought & Culture, University of Management & Technology, Lahore

Editorial Committee

(National)

Prof. Dr. Muhammad Akram Chaudhry
Vice Chancellor, Sargodha University, Sargodha

Prof. Dr. Sohail Hassan
Director, Islamic Research Institute (IRI), Islamabad

Prof. Dr. Ali Asghar Chishti
Dean Faculty of Arabic & Islamic Studies, Allama Iqbal Open University, Islamabad

Prof. Dr. Ahmad Jan
Chairman Dept. of Dawah and Islamic Culture, International Islamic University, Islamabad

Prof. Dr. Mehraj-ul-Islam Zia
Chairman Dept. of Islamic Studies, Peshawar University, Peshawar

Prof. Dr. Dost Muhamad
Director, Sheikh Zayed Islamic Center, Peshawar University, Peshawar

Prof.Dr. Hammad Lakhvi
Dept of Islamic Studies, University of the Punjab, Lahore

(International)

Prof. Dr. Ahmed Yousaf Darwesh
President, International Islamic University, Islamabad

Prof. Dr. Shikri Muhammad Saleh
Director Islamic Development Management, UMS, Malaysia

Prof. Dr. Sohaib Hassan
Secretary Sharia Council, London, United Kingdom

Prof. Dr. Muhammad Hafeez Arshad
Director, Higher Learning Center, London, United Kingdom

Prof. Dr. Khadim Hussain Ellahi Bakhsh
Taif University, KSA

Prof. Dr. Abdul Aziz Bin Mabruk Al-Ahmedi
Madina University, KSA

Prof. Dr. Barakat Deeb
Al-Azhar University, Cairo, Egypt

Prof. Dr. Fateh ur Rehman Al-Qarshi
Um-e-Darman Islamic University, Sudan

3. Keywords

Authors are required to include five key words.

4. Conclusion

Conclusion should be presented in a logical sequence.

5. Discussion

In this part of the article, author would present his views and research in detail.

6. References

References should be made according to the following guidelines:

i) References should be made as Endnotes.

ii) While giving references, *Chicago Manual Style* should be adopted.

iii) While referring to a book, author's name, name of the book, publisher's name & place and year of publication and then Page No./Volume No. should be clearly mentioned. Following example should be followed:

Ibn-e-Kathir, Tafseer Al-Quran Al-Azeem, Dar-e-Sadar, Beirut, 1354 H.D., 2/312

iv) For similar references at multiple locations, traditional style of abbreviations may be used.

v) Quranic verses in the article be presented in Arabic script. Method would be as under

Sura Nisa: 4/184

vi) All Ahadiths should be briefly interpreted.

vii) All-known figures mentioned in the article must be briefly introduced and references from books should also be quoted.

Research Journal
AL BASEERA **Rules & Regulations for publishing an Article**

General Points:

1. Article should be composed on one side of A4 paper. It should not be more than 25 pages.
2. While composing the article, be careful regarding font sizes as under:
    a. For main-headings, font size: 18,
    b. For sub-heading, font size: 16 and
    c. For matter, font size: 14
3. The article should have not been published anywhere else.
4. The article should be in accordance with the research principles and should be on a new topic. Moreover, the article should be adorned with the references of basic sources and should not be infringed.
5. It is necessary to take care of secret and rules of writing & spelling.
6. Three hard copies and one soft copy are required.
7. Author would enclose an abstract containing approximately 250 words.
8. Article may be written in the Urdu, English or Arabic languages.
9. It is necessary to avoid from errors and omissions.

Directions for Writing & Editing

Thesis should contain the following

1. **Abstract**

   It should contain summary regarding research. Abstract must be written in English language.

2. **Introduction**

   Introduction must include objective, methodology, distinctive characteristics of the research work and conclusion.

Research Journal

AL BASEERA Editorial Policy

Research Journal AL BASEERA is a research magazine purely affiliated with Islamic Sciences and Arts, which is of greater importance for the world of knowledge and research. Editorial policy regarding articles to be published in the magazine is as under:

* Articles should be relevant and around the topics such as Uloom Al-Quran, Uloom Al-Hadith, Ilm-w-Usool-e-Fiqh, Comparative Religions, Ilm Al-Kalam and Sufiism, Philosophy, Science, Literature, Economics, Sociology, Political, Cultural, etc. Similarly, introduction & comments on Muslim Personalities and Islamic Books.
* Research Journal AL BASEERA shall be published twice a year (in June & December)
* Research articles will be forwarded for peer review to two nominated referees, one National and other Foreign, after approval of the Director General.
* Copyright laws shall be applied in accordance with the HEC's laws.
* Decision of the Editorial Board regarding publishing article will be the final.
* Editorial Committee reserves the rights of necessary amendments, cancellation and abstract in the articles sent.
* Editor shall inform the writers with the opinion of the analysts and to make necessary changes.
* All research articles published in Research Journal AL BASEERA express the view points of their authors. So every article is the sole responsibility of the writer whilst Editorial Committee has no responsibility in this regard.
* Articles once sent to Research Journal AL BASEERA shall not be returned in both the case, published or not published.
* Two copies of magazine would be given to each participant.

Arabic Articles

* Islamic concept of Martyrism and its wrong implementation in the Modern Era 117
Dr. Muhammad Ilyas

* The role of youth in voluntary social work 145
Dr. Syed Abdul Ghaffar Bukhari

* Imam Zia ul Maqdasi and his approach towards "Ahadith Sahiha" in his book "Al-Ahadith ul Mukhtara" 175
Sajed Mahmood
Dr. Muhammad Riaz

* Muslim Youth: its duties & role in restructuring of society 193
Dr. Tahir Mahmood Muhammad Yaqoob

English Articles

* Why do we believe in God 1
Dr. Irfan Shahzad

* The Philosophical Perspective of Jihad (A Critical Analysis) 23
Dr. Atiq-ur-Rehman /
Dr. Zia ur Rehman

Table of Contents

- Editorial Policy v
- Rules & Regulations for publishing an Article vi
- Editorial Committee (National & International) viii
- Advisory Committee ix
- Transliteration Table x
- Editorial xi

Urdu Articles

- The Stages of Objectives of Islamic Shari'ah 1
  Dr. Hafiz M. Shahbaz Hassan/ Muhammad Usman
- Social Integration in the light of Qur'anic Principles (in Pakistan's Perspective) 29
  Dr. Maimoona Tabassum / Prof Dr. Abdul Rauf Zafar
- Significance & Analysis of the Concepts of Collective Justice (in the light of Quran-o-Sunnah & International Perspective) 55
  Dr. Asia Rasheed
- The rights of Non-Muslims in an Islamic State 83
  Dr. Syed Ali Anwar / Dr. Rana Matloob Ahmed
- Hudaibiya's Truce: Political, Social and Defensive Strategy of the Holy Prophet (SAW) 101
  Brig (R) Dr. Fazal-e-Rabi/ Irum Sultana

Publisher: Dept. of Islamic Studies, NUML, H-9, Islamabad

Printing: National University of Modern Languages (NUML), H-9, Islamabad

Volume: 3 Issue: 5

June - 2014

Number: 300

Price: Domestic Rs. 300/= Abroad $ 10/=

Coordinators:

- **Dr. Noor Hayat Khan**
- **Irum Sultana**

All Correspondences should be addressed to:

Dr. Syed A.G.Bukhari,

Research Journal

Editor **AL BASEERA**

Dept. of Islamic Studies, NUML, H-9, Islamabad

Ph: +92 051 9257646-50 EXT (254)

E-mail: agbukhari@numl.edu.pk

web-site: www.numl.edu.pk

Research Journal

AL BASEERA

ISSN: 2222-4548

Vol.: 3 **Issue: 5**

June - 2014

Chief Patron:

Maj. Gen (R) Masood Hasan
Rector NUML

Patron:

Brig. Azam Jamal
Director General NUML

Editor:

Dr. Syed Abdul Ghaffar Bukhari

DEPARTMENT OF ISLAMIC STUDIES, NUML,
ISLAMABAD - PAKISTAN

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ سورة یوسف (108)

Research Journal

AL BASEERA

VOL 3 ISSUE 5 JUNE 2014

DEPARTMENT OF ISLAMIC STUDIES NUML, ISLAMABAD